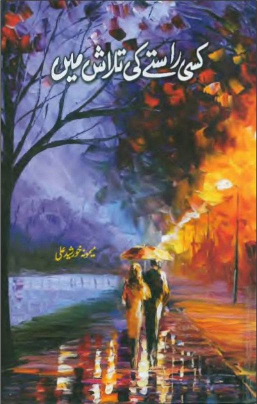


کسی راستے کی تلاش میں
میمونہ خورشید علی

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی



فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

مجلد: 978 969 0 00263 1

بار اوّل ـــــــــــــــ ۲۰۱۱ء

فیروزسنز پرائیویٹ لمیٹڈ

ہیڈ آفس و شوروم: 60۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

راولپنڈی آفس: 277۔ پشاور روڈ، راولپنڈی۔

کراچی آفس: فرسٹ فلور، مہران ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔

کسی راستے کی تلاش میں	Kisi Rastay Ki Talash Mein
میمونہ خورشید علی	Memuna Khurshid Ali

مطبوعہ فیروزسنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام ظہیر سلام پرنٹر و پبلشر

email:support@ferozsons.com.pk

www.ferozsons.com.pk

انتساب

اپنے پیارے بہن بھائیوں

کے نام

جن کی محبتیں میرے لیے

آبِ حیات ہیں۔

میں جو مانندِ سنگِ راہگذر تھا کبھی
تیری محبت سے پگھلا تو موم ہوا

''دیکھو بھئی، کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔ میں دن بھر کی تھکی ہوئی ہوں، آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

''آ..... رام..... ارے بھئی، خوب کہی۔ دلہن دروازے پر پہنچنے والی ہے اور تم آرام کرنے جارہی ہو۔'' شائستہ بیگم نے بھاوج کو ٹوکا۔

''ماما..... میں بھی سونے جارہی ہوں اور پلیز صبح مجھے جلدی کوئی نہ جگائے۔'' دل نشیں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ کیا؟ سب ہی گھر والے سو جائیں گے تو دلہن کا استقبال کون کرے گا اور یہ دل آویز کہاں ہے؟'' شائستہ بیگم کو حیرانی ہو رہی تھی۔

''دل آویز کی طبیعت پہلے ہی خراب ہو رہی تھی۔ میرج ہال سے بھی جلدی لوٹ آئی تھی، شاید وہ تو سو بھی چکی ہو۔ میں نے تو اپنی بچی کو بھی نہیں دیکھا۔ پہلے اسے دیکھوں گی پھر کہیں جا کر نیند آئے گی۔''

''ماما پلیز، آپی کو سونے دیں۔ وہ پہلے ہی بہت ٹینس رہتی ہے۔ شاید انہوں نے نیند کی ٹیبلٹ لے رکھی ہو۔ صبح ہی مل لیجئے گا۔''

''بیگم صاحبہ! یہ مزید سامان آ گیا، کہاں رکھوں؟''

''میرے سر پہ رکھو..... اتنا بڑا گھر ہے، کہیں بھی رکھ دو۔''

''مگر بیگم صاحبہ! یہ قیمتی سامان ہے۔ میرا مطلب ہے زیورات ہیں اس میں۔''

''یہ زیورات ضرور ہیں مگر قیمتی نہیں ہیں۔ اس کے کمرے میں جا کر ڈال آؤ۔ مجھے کیا لینا دینا اس کی چیزوں سے۔''

''آج کل لوگ جہیز پہلے اٹھوا دیتے ہیں، مگر انہیں تو گویا ضد سی ہوگئی تھی کہ جس روز

بارات آئے گی اسی روز جہیز دیں گے۔ اگر یہ کاٹھ کباڑ پہلے آ جاتا تو اتنی دقت تو نہ ہوتی۔ بس باراتیوں نے جہیز دیکھ لیا ہے، بڑی واہ واہ ہوگئی۔''

''اوہ ماما! بات تو دراصل کچھ اور تھی۔ درحقیقت انہیں اعتبار نہیں تھا ہم لوگوں پہ۔ سمجھ رہے تھے پہلے سے جہیز پہنچا دیا تو ہم کچھ چوری کر لیں گے۔'' دل نشیں نے پھر خیال آرائی کی۔

''ہم تو لعنت بھی نہ بھیجیں اس سامان پر..... میری بچی کا جہیز آٹھ دن پہلے اٹھا تھا۔ کسی چیز کو ڈھنگ طریقے سے نہ سجایا، چیزیں علیحدہ چوری کیں۔ ہم تو اپنی بیٹی کا صدقہ جان کر صبر کیے بیٹھے ہیں۔''

''صبر ہی کیا جا سکتا ہے اور صبر کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے؟'' شائستہ نے بھاوج کے دکھ پہ افسوس کرتے ہوئے تحمل سے کہا۔

''بیگم صاحبہ! یہ عمرے کا ٹکٹ ہے۔ صاحب نے کہا ہے، انہیں سنبھال کر رکھ لیں۔''

''عمرے کا ٹکٹ؟'' پہلے تو دلشاد بیگم کو جھٹکا لگا پھر طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی۔

''نام وری کے لیے یہ لوگ جانے کہاں کہاں سے قرضے لیتے ہیں۔ سلامی میں داماد کو عمرے کے ٹکٹ دیے ہیں۔''

آج سے تین سال قبل جب انہوں نے اپنی دل آویز کی شادی کی تھی تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دل آویز کے مقابلے میں بہت ہی معمولی جہیز آیا تھا، مگر آنے والی کی قسمت دل آویز سے زیادہ اچھی تھی اور یہ بات دلشاد بیگم کو انگاروں پر لوٹا رہی تھی۔

حورالعین کیونکر اس گھر میں راج کر سکتی تھی۔ وہ دلشاد بیگم کی پسند سے اس گھر میں آ رہی تھی اور نہ ہی ان کی بیٹیوں کی۔

طارق، دلشاد بیگم کا چہیتا اور فرماں بردار بیٹا، دلشاد بیگم کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ ان کی غریب نند کی بیٹی اس گھر میں آئے جبکہ انہوں نے تو اپنی بھتیجی لانے کے خواب دیکھے تھے مگر وہ خواب ان کی آنکھوں میں ہی کرچی ہو گئے، جب ابراہیم نے بیوی کے سامنے بڑے مجبور اور دھیمے لہجے میں یہ کہا:

''یہ رشتہ اماں نے کیا تھا۔ حورالعین طارق کی بچپن کی مانگ ہے۔ میں انکار نہیں کر سکتا، میں نے زندگی میں کبھی ماں کو دکھ نہیں دیا۔ مرنے کے بعد بھی میں تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔''

طارق تمام صورتحال سے واقف تھا۔ اس کی سوچ دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ باپ جو

چاہتا تھا درحقیقت اس کی چاہت بھی وہی تھی، لیکن جب ماں بہنوں کی طرف دیکھتا تو متذبذب ہو جاتا۔

''بابا..... میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے تنگ آ کر فیصلہ سنا دیا۔

''دماغ پھر گیا ہے تمہارا۔ تم ماں بہنوں کی باتوں میں آ کر انکار کر رہے ہو، میں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا، یہ شادی ضرور ہوگی۔'' ابراہیم صاحب بیٹے پر بگڑے۔

''میں ماں بہنوں کی باتوں میں آ کر انکار نہیں کر رہا۔ ان مسائل کو دیکھ رہا ہوں جو شادی کے بعد پیدا ہونے والے ہیں۔'' طارق کی سنجیدگی بدستور قائم تھی۔

''فضول سوچ ہے تمہاری۔'' انہوں نے بیٹے کے مفروضے کو رد کر دیا۔

''دل آویز آپی کی شادی کا بھی اتنا ہی جوش تھا ناں آپ کو۔ کون سی خوشی حاصل ہوئی آپ کو ان کی شادی کر کے؟''

''فضول باتیں کر رہے ہو تم۔ جو کچھ دل آویز کے ساتھ ہوا، یہ اس کی قسمت تھی۔''

''جانتے بوجھتے ہوئے اسے جہنم میں دھکیل دیا آپ نے۔ بابا! کم از کم لڑکا تو دیکھ لیتے آپ۔'' طارق کے لہجے میں تاسف تھا۔

''دل آویز کی بات چھوڑو، اس کا مسئلہ تم سے مختلف ہے۔''

''کیا آپ کو ان کا رنج نہیں؟'' طارق نے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں تو ابراہیم صاحب نے نظریں چرا لیں۔

''میں نے اپنی طرف سے اس کی بہتری ہی چاہی تھی۔''

''لیکن اس کے ساتھ اچھا تو نہیں ہوا۔''

''طارق تم صرف خود کو دیکھ رہے ہو۔ دو خاندانوں میں یہ بات پچھلے بیس سال سے پھیلی ہوئی ہے کہ حورالعین، طارق کی منگیتر ہے۔ اگر اس وقت یہ بات ختم ہوگئی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا، کچھ کھا کر مر جاؤں گا۔'' طارق کو خاموش ہوتے ہی بنی۔

دولہا بنا طارق جب اپنی دلہن کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں اس کے استقبال کے لیے صرف ملازمین تھے یا صرف شائستہ پھوپھو، جو انڈیا سے آئی ہوئی تھیں محض شادی اٹینڈ کرنے۔ سب سے بڑی پھوپھو کو دیکھ کر طارق کو کچھ تقویت ہوئی۔

''ارے بیٹا! کھڑے کیوں رہ گئے، اندر آؤ ناں۔ ابراہیم! تم بھی تھک گئے ہو گے، اب

آرام کرو۔"

"آپا! وہ باہر سامان کا ٹرک ہے۔ آپ دلہن کو اندر لے کر چلیں، جب تک میں وہ سامان اترواتا ہوں۔"

ملازمین نے پھول نچھاور کیے تھے۔ طارق اور حورالعین سج سج چلتے ہوئے شائستہ کے ہمراہ لاؤنج میں آ گئے۔ طارق کو یکدم گھٹن سی ہونے لگی تھی۔ وہی ہوا...... جس کا اسے روز اول ہی سے ڈر تھا۔ شائستہ علیحدہ متفکر تھیں۔ یہ رسموں کا وقت تھا۔ بہنیں اپنی مرضی سے نیگ مانگتیں، بھائی کو ستاتیں، بھاوج کو چھیڑتیں، لیکن یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ تو شکر تھا کہ رات زیادہ ہونے کی وجہ سے تھکاوٹ کے باعث مہمان رشتہ دار دلہن کے ہمراہ گھر نہیں آئے تھے۔ میرج ہال سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے، ورنہ یہاں تو ٹھیک ٹھاک تماشا لگ جاتا۔

"پھوپھو! میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" طارق سے وہاں بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ حورالعین سے دُور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اسی کی وجہ سے تو اس کی ماں بہنیں اس سے دُور ہو گئی تھیں۔ شائستہ سے کہہ کر وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حورالعین تمام صورتحال سے بے خبر آنکھوں میں ہزار سپنے سجائے، بجی سنوری بیٹھی تھی۔ طارق سے اس کا بچپن سے رشتہ تھا۔ وہ اسے بچپن سے ہی پسند کرتی تھی۔ اس کی پرسنیلٹی، اس کی ذہانت اور پھر مسکرا کر...... دیکھنے کا انداز۔ اسے سب ہی کچھ تو اچھا لگتا تھا۔ وہ طارق کو کتنا چاہتی تھی، وہ اس کا اظہار بارہا اپنی دوستوں اور کزنز کے درمیان کرتی رہتی تھی۔ فطرتاً وہ بہت بولڈ اور خود اعتماد تھی۔ بارہا ایسا وقت بھی آیا جب اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کا اور طارق کا کچے دھاگوں سے جڑا یہ رشتہ یکدم ختم ہو جائے گا، لیکن طارق کو اس کا ہونا تھا۔ اسے اور طارق کو دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکی اور آج...... یہ کچا رشتہ، مضبوط اور اٹوٹ ساتھ میں بدل ہی گیا۔

"حورالعین بیٹا......! رات بہت ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے اب تمہیں بھی آرام کرنا چاہیے۔ ملازمین گھر میں سامان رکھ رہے ہیں۔ میں تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ دیتی ہوں۔" بالآخر شائستہ پھوپھو نے کہا تو حورالعین دھیرے سے مسکرا دی۔ پھر وہ اسے اپنی ہمراہی میں طارق کے کمرے تک لے گئیں۔

"طارق کا کمرہ اوپر کی منزل میں ہے۔" انہوں نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بتایا۔

حورالعین اچھی طرح جانتی تھی کہ طارق کا کمرہ کہاں ہے۔ ان سیڑھیوں پر وہ ہزار بار اتری چڑھی تھی۔ میٹرک میں جب میتھس پڑھانے کے لیے کوئی ٹیوٹر نہیں ملا تھا تو طارق نے اسے تین ماہ تک میتھس کی تیاری کرائی تھی اور اس کی وجہ ہی سے اس نے میٹرک میں شاندار مارکس لیے تھے۔ کالج میں جانے کے بعد وہ تین ماہ جو طارق کے ساتھ گزرے تھے، اس کے لیے ایک خوشگوار سپنا تھے۔ وہ دن رات ان لمحوں کے سحر میں گم رہتی۔ کچی عمر کے یہ لمحے کتنے خوبصورت تھے۔

"تمہیں الجبرا سمجھا سمجھا کر میرا دماغ خالی ہو گیا ہے اور تم...... تم اتنی کوڑھ مغز ہو کہ بارہا سمجھانے کے باوجود تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" شرمندگی سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور چہرے پر سرخی چھلک آئی۔

"اب رونے مت بیٹھ جانا۔ میں بھی آج کل فارغ نہیں ہوں، میرے بھی اے لیول کے ایگزامز سر پر ہیں۔"

"ٹھیک ہے، اگر آپ اتنے مصروف ہیں تو نہ آیا کریں۔ میں نے کون سا پڑھ لکھ کر نوکری کرنی ہے۔ ہانڈی چولہا ہی کرنا ہے ناں...... وہ تو میں بغیر پڑھے بھی کر سکتی ہوں، مگر اس کا اثر آپ کی ہی زندگی پہ پڑے گا، میرا تو کچھ نہیں جاتا۔"

اتنی بڑی بات اس نے کتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔ طارق دنگ رہ گیا۔ وہ لڑکا ہو کر ایسی جرأت نہیں کر سکا، جبکہ اس نے لڑکی ہو کر......

"تمہارے نہ پڑھنے سے میری زندگی پہ بھلا کیوں اثر پڑنے لگا؟"

وہ کہنا چاہتا تھا لیکن یکدم چپ ہو گیا۔ وہ اس کی سوچ سے کہیں زیادہ بیوقوفی کی حد تک بولڈ تھی۔

"تمہیں ایسی بات کہتے ہوئے ڈر نہیں لگا؟"

"ڈر کس بات کا...... ایک بات ہے، سو ہے۔" اس کی خود اعتمادی عروج پہ تھی۔ "جس طرح میں بچپن سے اس بات سے واقف ہوں، اس طرح تم بھی باخبر ہو۔"

"اور اگر میں کہوں ایسا کچھ نہیں ہوگا...... تب......؟"

اس کے دل کو یکدم کچھ ہوا۔ اس نے چونک کر طارق کی طرف دیکھا جہاں سنجیدگی نمایاں تھی۔

وہ اُلجھ گئی۔ وہ اکثر طارق کے ایسے رویے پر اُلجھ جاتی تھی۔

اس کے بعد عادل ماموں کی شادی ہوئی تھی۔ اس کی سج دھج سب لڑکیوں سے منفرد ہوا کرتی تھی لیکن پھر بھی وہ اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ حالانکہ اپنے چاچو کی شادی میں پیش پیش تھا اور کیوں نہ ہوتا سب سے بڑا بھتیجا بھی تو وہی تھا۔

''سنو...... آج تو تم بلیک سوٹ میں قیامت ڈھا رہی ہو۔ کہیں طارق، عادل ماموں کے ہمراہ ہی دولہا بننے پہ بضد نہ ہو جائے۔ اس کا زیادہ سامنا نہ کرنا، تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔'' اس کی کزنز چھیڑ رہی تھیں۔

''اُونہہ......! موصوف کو فرصت ہی کہاں ہوتی ہے۔'' اس نے جلتے کڑھتے دل میں سوچا۔ شادی کی تمام تقاریب گزر گئیں۔ ستائش تو درکنار اس نے سرسری نظر بھی نہ ڈالی۔ وہ عزت کے پاس سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی اور دھک سے رہ گئی۔ وہ کمرے میں موجود تھا اور الماری میں گھسا کھٹر پٹر کر رہا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ کمرے سے نکل جائے۔ پھر یکدم ہی ازلی ڈھٹائی کے ساتھ اس کے سامنے آ گئی۔

''میری نانو کا گھر ہے...... میں جہاں مرضی پھروں، جہاں مرضی بیٹھوں۔'' طارق نے دروازے کی آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ اس نے الماری بند کی اور تیزی سے کمرے سے نکلنا چاہا، تب ہی وہ سامنے آ گئی۔

''پوری شادی میں سب نے مجھے آپ کے حوالے سے چھیڑا لیکن آپ نے مجھے ایک نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ کیا آپ کو یہ رشتہ ناپسند ہے؟ اگر ایسا ہے تو کہہ نہیں سکتے؟'' وہ بگڑ کر بولی۔ اس سے پہلے کہ طارق کچھ کہتا، اچانک دروازہ کھول کر دلشاد بیگم اندر آ گئیں۔ انہوں نے تیکھی نگاہوں سے طارق اور حورالعین کی جانب دیکھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو طارق؟''

طارق کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ کہیں اس کی ماں نے تو یہ الفاظ نہیں سن لیے تھے۔

''میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈ رہی تھی۔''

''میں...... چاچو کا کچھ سامان لینے آیا تھا۔'' وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ دلشاد بیگم نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے حور کی جانب دیکھا پھر وہ بھی طارق کے پیچھے چل دیں۔

''لگتا ہے ممانی کے دماغ میں کوئی گڑبڑ ہے۔ ہر وقت اپنے بیٹے کا پہرہ دیتی رہتی

ہیں۔'' حور گہرا سانس کھینچتے ہوئے بستر پر بیٹھ گئی۔

''آؤ بیٹی! اندر آ جاؤ۔'' شائستہ نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو حورالعین یکدم حال میں واپس آ گئی۔ ان کے کہنے پر اس نے طارق کے کمرے کی چوکھٹ پر قدم رکھا۔

''ارے یہ کیا، ساری لائٹس آف ہیں۔'' شائستہ نے یہ کہتے ہوئے لائٹ جلا دی۔

''طارق تو کہیں نظر نہیں آ رہا۔'' شائستہ نے اسے بیڈ پہ بٹھا دیا پھر قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''تمہیں عجیب تو لگ رہا ہوگا حور؟'' حور نے گھنی پلکیں اٹھا کر تعجب سے شائستہ کو دیکھا۔

''خالہ! میں ممانی کے خشک رویے سے اچھی طرح واقف ہوں۔'' حور نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا تو شائستہ دنگ رہ گئیں۔

''تو کیا تم ان سب حالات کا مقابلہ کر لو گی؟''

''ظاہر ہے، اب تو کرنا ہی پڑے گا۔'' لاپرواہی اور سرمستی، حور کے انگ انگ میں نمایاں تھی۔

''میں تو بہت کم پاکستان آئی ہوں اور جب بھی آئی ہوں، اماں جی کے ہاں ہی ٹھہرتی ہوں۔ اماں جی اور بابا جان کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ میں بھائی ابراہیم کے ہاں رکی ہوں، ورنہ تمہارے خالو تو کہہ رہے تھے کہ ہوٹل میں قیام کر لیں گے مگر اچھا نہیں لگتا کہ بھائیوں کے گھر ہوتے ہوئے بہنیں ہوٹلوں میں قیام کریں۔ مجھے آئے ہوئے چودہ پندرہ دن ہو گئے ہیں، لیکن مجھے تو بھاوج اور بھتیجیوں کے رویے ہی سمجھ میں نہیں آ رہے۔ مانا کہ دل آویز کے ساتھ بہت بُرا ہوا ہے، مگر......'' وہ یکدم چپ ہو گئیں۔ حور ٹکر ٹکر انہیں دیکھنے لگی۔ شائستہ نے حور کی طرف دیکھا اور اپنائیت سے بولیں:

''تمہارا بچپن اماں جی کے زیرِ سایہ گزرا ہے۔ بہت محبت تھی اماں جی کو تم سے۔ آپا کے فوت ہوتے ہی اماں جی نے تمہیں اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تم اپنے ماموؤں کے گھروں کے ماحول سے بخوبی واقف ہو اور یہ تمہارے لیے اچھا ہی ہے، مگر میں یہی کہوں گی کہ دل آویز کے نہ بسنے کا اثر تمہاری زندگی پر بہت زیادہ پڑے گا۔ تمہیں صبر اور برداشت سے کام لینا ہوگا۔''

''مگر...... خالہ...... دل آویز کی شادی کو تو تین سال ہوئے ہیں۔ ممانی کا رویہ تو شروع سے ہی ایسا ہی ہے۔ وہ تو طارق کو نانو کی طرف بھی نہیں بھیجتی تھیں۔ نانو کے فوت ہونے کے

بعد جب میں اپنے ابو کے پاس چلی گئی تھی، تب طارق ادھر جانے لگے تھے۔"

"حالات اتنے سنگین تھے، پھر بھی ابراہیم بھائی نے اماں جی کے وعدے کو نبھایا۔"

شائستہ لمحہ بھر کو سوچ میں پڑ گئیں۔ اٹھتے ہوئے بولیں:

"رات کافی ہو چکی ہے، تم تھک گئی ہو گی، تھوڑی سی ٹیک لگا لو۔ میں طارق کو دیکھتی ہوں کہاں ہے۔ وہ تو کمرے میں آنے کا کہہ کر اٹھا تھا، کہاں چلا گیا؟" یہ کہتے ہوئے شائستہ کمرے سے نکل گئیں۔

طارق کے ذکر پہ حور کی دھڑکنیں منتشر ہو گئیں۔ طارق اس کا ہو چکا تھا اور کچھ ہی پل میں وہ اس کے نزدیک ہو گا۔ اتنا نزدیک...... کہ اس کے سارے گلے شکوے مٹ جائیں گے۔ وہ بچپن سے اس سے بے اعتنائی برتتا چلا آ رہا تھا۔ سب کچھ جاننے کے باوجود انجان بنتا تھا، اس کی بے تکلفی کو نظر انداز کر دیتا تھا، کبھی اس کے فون کا جواب نہیں دیا۔ آج وہ سارے حساب بے باق ہو جائیں گے۔ اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور سر بیڈ کے سرہانے سے ٹکا دیا۔

☆ ☆ ☆

"نانو! میرے پیپرز سر پر ہیں اور طارق کو دیکھیں تین دن سے چھٹی کر رہے ہیں، جبکہ آپ کہتی ہیں طارق بہت ذمہ دار ہے۔ خاک ذمہ داری ہے یہ۔ نہیں پڑھانا تو بندہ انکار کر دے۔ یوں بیچ میں کیوں انکارکھا ہے۔ جب دل کرتا ہے چھٹی کر لیتے ہیں۔"

"حور! تم سے ہزار بار کہا ہے، طارق تم سے بڑا ہے، اسے بھائی کہا کرو۔"

"نانو...... دنیا میں جتنے بھی مرد ہیں، وہ سب میرے بھائی ہیں سوائے ایک طارق کے۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

"نانو، پیاری نانو، فقط آپ سے ہی شرم نہیں آتی۔ آپ ہی تو میری دوست ہیں، سہیلی ہیں، ماں ہیں۔" وہ نانو سے لپٹ گئی۔

"میں تمہاری کچھ بھی نہیں ہوں، صرف نانی ہوں۔" نانو نے پیار سے جھڑکا تو اس نے منہ بنا لیا۔

"لڑکیوں کا اتنا منہ پھٹ ہونا اچھا نہیں ہوتا۔" تمہارے باپ نے تو دوسری شادی کر کے جان چھڑا لی۔ اب تو میری ہی تربیت پہ حرف آئے گا۔

"یہ میرے باپ کا حق تھا۔ اگر انہوں نے شادی کر لی ہے تو آپ یا کوئی اور مجھے بار بار کیوں جتلاتا ہے۔ میں جانتی ہوں، میں چھوٹی سی تھی تو میری ماں مر گئی تھی۔ آپ نے مجھے گود لے لیا۔ پاپا کو شادی تو کرنی ہی تھی ناں اور انہوں نے اچھا ہی کیا۔ کم از کم اس طرح میرے تین چار بہن بھائی تو ہو گئے، ورنہ میں دنیا میں تنہا رہ جاتی۔ اوہ مائی گاڈ...... اکلوتا ہونا کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔"

"اب تم نے تقریر ختم کر لی ہو تو میں بھی کچھ بولوں؟"

"میرا خیال ہے آپ نہ ہی بولیں تو بہتر ہے، کیونکہ جو آپ نے کہنا ہے، وہ میں کہہ دیتی ہوں۔ میری سوتیلی ماں بہت تیز عورت ہے۔ وہ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں سمجھتی۔ تاریخ گواہ ہے، کسی بھی سوتیلی ماں نے سوتیلی اولاد کو اچھا نہیں سمجھا۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں میری ماں صحیح ہے۔ آپس کی بات ہے، میں کون سا اسے اچھا سمجھتی ہوں۔" وہ کھی کھی کرنے لگی۔ نانو نے سر پکڑ لیا۔

"میرے چار بہن بھائی اعلیٰ اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میں نانا کے اخراجات پہ پل رہی ہوں۔ میرا باپ مجھے خرچا نہیں بھیجتا۔ اب اگر آپ مجھے نہ لے کر آتیں تو میں پاپا کے گھر میں ہی پرورش پاتی ناں۔ تب تو پاپا کو ہی سارے خرچے کرنے پڑتے۔ اب اس میں بابا کا تو کوئی قصور نہیں۔ وہ مجھ سے ملنے آ جاتے ہیں، میرے لیے یہی بہت ہے۔ کم از کم مجھے یہ تو احساس ہے کہ میں بالکل لاوارث نہیں ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھیگ گئی تھی اور اس کی ذہین اور خوبصورت آنکھیں پانی سے چمکنے لگی تھیں۔

"آپ بھی ناں یونہی مجھے باتوں میں لگا لیتی ہیں۔ طارق کو پھر چھٹی کرنے کا موقع مل جائے گا اور آج میں اسے چھٹی ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔" اس نے فون اٹھاتے ہوئے کہا تھا، فون دلشاد بیگم نے اٹھایا تھا، لہٰذا سلام کے بعد اس نے طارق کے بارے میں پوچھا۔ دلشاد بیگم کا خشک رویہ اس نے محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ یہاں دلشاد بیگم کو پتا ہی نہیں تھا۔ ان کے پتنگے لگ گئے۔

"کب سے آ رہا ہے تمہیں پڑھانے؟"

"یہی مہینہ ڈیڑھ ہوا ہے۔ بس چند دن کی اور بات ہے، مگر طارق نے اچانک چھٹیاں کرنی شروع کر دیں۔ نانو کہہ رہی ہیں فون کر کے پوچھوں، کہیں طارق کی طبیعت تو خراب

نہیں ہے؟'' دلشاد بیگم کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''تمہاری نانو کو فکر ہو رہی ہے یا تمہیں؟''

''بھئی نانو کو فکر ہو گی اپنے پوتے کی، مجھے تو اپنے پیپرز کی فکر ہے۔ طارق نے کہا تھا، وہ مجھے گیس پیپرز بھی لا کر دے گا۔ کیا اسے نہیں پتا کہ مجھے ڈیٹ شیٹ مل چکی ہے؟''

''کیوں......؟ طارق کیا کسی اسکول میں ٹیچر لگا ہوا ہے جو اسے اتنی معلومات ہوں گی؟ دل نشیں بھی میٹرک کے امتحان دے رہی ہے، اس کی تو اسے فکر نہیں اور تمہیں پڑھانے پہنچ جاتا ہے۔''

حور نے یکدم لب بھینچ لیے، مگر شرارت اس کی آنکھوں سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ دو منٹ کے بعد حور نے ریسیور، کریڈل پہ ڈال دیا اور ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

نانو حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

''آج طارق کی خیر نہیں ہے۔ ممانی جان، طارق کا بھرکس نکال دیں گی۔''

نانو نے سر پیٹ لیا۔

''تم سے کہا کس نے تھا وہاں فون کرو......''

''لو بھلا اور سنو...... آپ کے سامنے ہی تو فون کیا تھا۔ تب تو آپ کو خیال نہیں آیا۔ اب ساری بات مجھ پہ ڈال رہی ہیں، اگر قصور میرا ہے تو قصوروار آپ بھی ہیں۔'' اس نے مزے سے چوکڑی مارتے ہوئے کہا تو نانو نے چشمہ اتار کر ماتھا بے بسی سے ہتھیلی پہ ٹکا لیا۔

دو دن کے بعد طارق گھر آیا تو بہت غصے میں تھا۔ وہ سلام کر کے دادی کے پاس بیٹھ گیا۔

''ارے کیا ہوا بیٹا! کئی روز سے آ نہیں رہے تھے؟ طبیعت تو ٹھیک تھی تمہاری؟''

''دادو! آپ کو معلوم ہے، ماما مجھے کتنا چاہتی ہیں؟'' غصے اور ضبط کے باعث طارق کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''وہ مجھے اتنا چاہتی ہیں کہ ان کا بس نہیں چلتا کہ میں سانس بھی لوں تو ان کی مرضی سے۔ میرا دن بھر کا شیڈول ماما کے سامنے ہے۔ میں اپنے دوستوں میں بھی جاتا ہوں تو ماما کو بتا کر۔ میں یہاں حور کو پڑھانے صرف آپ کے اصرار پر آیا کرتا تھا اور یہ سب کچھ ماما سے پوشیدہ تھا اور اب جب انہیں پتا چلا ہے وہ مجھ پہ سخت برہم ہیں......''

حور نے کچن کی جالی سے دادی پوتے کی باتیں سنیں تو پھدک کر کچن سے باہر آئی۔

''بھئی واہ! اُلٹا الزام ہمارے سر۔ اگر آپ کی ماما یہ سب پسند نہیں کرتی تھیں تو آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟''

''سن رہی ہیں دادو آپ۔ ذرا بھی عقل نہیں ہے اس لڑکی میں۔''

''خبردار مجھے جو کم عقل کہا تو...... جب تک آپ میرے استاد تھے، میں نے سن لیا۔ اب معاملہ برابری کا ہے۔ ٹیوٹرز کی دنیا میں کمی نہیں تھی مگر نانو کا دل نہیں ٹھہرتا تھا۔ کہتی تھیں زمانہ خراب ہے۔ گھر کا بچہ ہے۔ چند دن کی ہی تو بات ہے پڑھا دے گا، مگر نانو سمجھتی نہیں ناں زمانے سے زیادہ تو اپنے خراب ہوتے ہیں۔''

وہ یہ کہہ کر دھپ دھپ کرتی واپس چلی گئی۔ طارق نے افسوس سے اس کی طرف دیکھا۔

''حور بیوقوف ہے بیٹا!'' ان کے چہرے پر واضح شرمندگی تھی۔ ''یہ سب کو اپنے جیسا سمجھتی ہے، من کا ستھرا...... مگر نہیں جانتی کہ سب ایک سے نہیں ہوتے، تو اس سے اپنا دل خراب نہ کرنا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ٹھہراؤ آ جائے گا اس میں۔'' یہ الفاظ اس نے جاتے ہوئے سنے تھے اور ایک سکون کی لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کی سیاہی دن کے اُجالے میں سمٹنے والی تھی۔ سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں اُفق سے پھوٹ رہی تھیں۔ کہر نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ دریچے کے بائیں جانب ماربل کے ستون سے پشت لگائے سردی کی پرواہ کیے بغیر آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ پورا گھر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا ہے۔ اس کی زندگی کا سکون برباد کر کے، رات وہ اپنے باپ کے ارمانوں کی بھینٹ چڑھا تھا۔ اسی نے باپ کی خواہش پوری کی تو ماں ناراض ہو گئی۔ ماں کی خواہش پوری کرتا تو باپ عاق کر دیتا۔ آخر...... آخر...... اس معاملے میں اتنی شدت پسندی کیوں تھی؟

ولید...... اس سے دو سال چھوٹا ہی تو ہے لیکن اس کی بغاوت اور سرکشی...... اس کے بعد معیز...... پھر دل نشیں...... ان دونوں میں بھی ہٹ دھرمی کچھ کم نہیں تھی۔ اپنی من مانی کرنا، شروع سے ہی ان کا وتیرہ تھا۔

ایک...... وہی...... وہی...... ایسا کیوں رہ گیا تھا۔

حساس...... ذمہ دار...... ذرا سی بات کی پرواہ کرنے والا۔ کبھی من مانی نہیں کی۔ یہاں

تک کہ ملازمین تک سے بھی بدتمیزی نہیں کی۔ کبھی جان بوجھ کر کسی کا دل نہ دکھایا، پھر بھی سکون اس کے حصے میں نہیں آیا۔

تب ہی اس کے کندھے پہ کسی نے ہاتھ رکھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ولید کھڑا اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم سوئے نہیں ابھی تک؟'' طارق نے گھٹنے رسید کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''تم رات بھر یہیں رہے ہو؟'' ولید اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ طارق نے اپنے دونوں بازو سینے پہ لپیٹے اور سر جھکا لیا۔

''میں رات کو بابا کے کمرے میں تھا۔'' طارق کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''کیوں...... بابا کی طبیعت خراب تھی کیا......؟'' ولید کے لہجے میں کاٹ تھی۔

ماما اور بابا کے درمیان شدید ناراضگی چل رہی ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''یہ کون سی نئی بات ہے۔ ان لوگوں کی تو عادت ہے۔ پہلے غلط فیصلے کرتے ہیں، پھر آپس میں لڑتے ہیں۔''

''وہ ہمارے ماں باپ ہیں ولید!''

''جانتا ہوں......کوئی نئی بات بتاؤ۔''

''پلیز، لیوی الون......'' طارق اس وقت بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''اور وہ جو رات بھر تمہارا انتظار کرتی رہی ہوگی، اس کے بارے میں سوچا ہے تم نے، اس کا کیا قصور ہے۔''

''میں ذمہ دار نہیں ہوں اس کا۔''

''بہت خوب! وہ نکاح میں تو تمہارے ہی آئی ہے ناں۔''

''ولید......!'' طارق کا لہجہ سخت ہوا۔

''آج میں کہہ رہا ہوں کل زمانہ کہے گا۔ کس کس کا منہ بند کرو گے؟''

''یہ باتیں تم مجھ سے نہیں، اپنے ماں باپ سے کہو۔'' طارق نے رکھائی سے کہا۔

''کہہ سکتا تھا، بہت پہلے کہہ سکتا تھا لیکن ہر بار تم...... طارق تم سامنے آ جاتے تھے۔ اب بھگت رہے ہو ناں، فرماں برداریوں کا صلہ۔'' ولید نے اس پہ گہری چوٹ کی۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے۔ نقصان میرا ہی ہے ناں۔ تم جا کر اپنا کام کرو اور آئندہ میرے

معاملات میں دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ معاملات صرف تمہارے یا میرے نہیں ہیں، ہم سب کے معاملات ہیں۔ سب ہی کے والدین پالتے پوستے ہیں مگر جوان ہو جانے پہ اس کا معاوضہ نہیں لیتے۔ پہلے ان لوگوں نے دل آویز کی زندگی برباد کی، پھر تمہاری اور حور کی۔''

''اوہ! تمہیں یہ فکر ہو رہی ہے کہ اب تمہارا نمبر آنے والا ہے۔'' طارق کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس سے پہلے کہ ولید کوئی جواب دیتا کہ بائیں جانب سے کھٹر پٹر کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ ملازمین کی گھر میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔

''کیوں ملازموں کو بھی تماشا دکھا رہے ہو۔ اپنے کمرے میں نہیں جاتے تو میرے ہی کمرے میں آ جاؤ۔'' طارق چپ چاپ اٹھ کر ولید کے پیچھے چل دیا۔

☆ ☆ ☆

''اب تمہیں اپنے کمرے میں جانا ہے یا میرے کمرے میں؟'' ولید سیڑھیوں کے قریب رک گیا، کیونکہ طارق کا کمرہ اوپر تھا اور ولید کا نیچے۔ طارق چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ حور بیڈ پہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس کا سنگھار بدستور تھا۔ ظاہر ہے رات بھر اس نے انتظار میں گزاری ہوگی۔ اسے حور سے کوفت محسوس ہونے لگی۔

وہ اتنی ناسمجھ، جلد باز اور منہ پھٹ لڑکی تھی کہ وہ اسے اپنا کوئی بھی مسئلہ بتانے کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اس پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کی ماں شروع سے ہی اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ ماں ہی کیا بہنیں بھی اسے اس قابل نہیں سمجھتی تھیں کہ وہ اس گھر میں بہو بن کر آئے۔

ان کے نزدیک وہ نہایت تیز طرار تھی۔ سوتیلی ماں کو اس نے ناکوں چنے چبوا رکھے تھے۔ وہ سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ بچپن میں ہی ماں مر گئی تھی۔ اسی لیے دوسرے لوگوں کے بے جا لاڈ پیار نے اسے خودسر اور ضدی بنا دیا تھا۔ اتنا خودسر اور نڈر کہ وہ بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی اور وہ خود بھی اس کی ان ساری خوبیوں سے واقف تھا۔ اس کی ماں چاہتی تھیں کہ وہ اپنی بھتیجی اصباح کو بہو بنائیں لیکن اسے اصباح سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بچپن سے ہی اس کا رجحان ددھیال کی طرف زیادہ تھا۔ ظاہر ہے سب سے بڑا پوتا تھا۔ دادا دادی کی توجہ اور محبتوں کا مرکز بنا رہا۔ البتہ دل آویز ماں کے ہمراہ جایا کرتی

تھی۔ پھر اس نے بھی آنا جانا کم کر دیا۔ ان ہی کی دیکھا دیکھی باقی بہن بھائیوں کا رجحان بھی ننھیال کی طرف نہ ہو سکا۔ عید تہوار پہ بھی دلشاد بیگم کو اپنے بھائیوں کے گھر اکیلے جانا پڑتا۔

اس بات پہ بھی گھر میں خاصی لے دے ہوا کرتی تھی۔ دلشاد بیگم، ابراہیم صاحب کو ہی اس کے لیے موردِ الزام ٹھہراتیں کہ بچے ان کے منع کرنے کی وجہ سے ننھیال نہیں جاتے، مگر انہیں وقت کے ساتھ ساتھ پتا چل گیا کہ اس کی وجہ ان کے بھائیوں کے گھر کا ماحول ہے۔

ابراہیم صاحب نے بچوں کی بہت آزاد ماحول میں پرورش کی تھی۔ جبکہ ان کے بھائیوں کے گھروں کا ماحول ابھی بھی روایتی تھا ...... پھر دلشاد بیگم نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

طارق یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اس کے تین ماموؤں کی کتنی اولادیں ہیں اور اصباح کون سے ماموں کی صاحبزادی ہیں۔ ہاں دلشاد بیگم اصباح کے قصیدے پڑھتی رہتیں۔ اکثر جب یہ موضوع زیرِ بحث ہوتا تو ابراہیم صاحب ہنس پڑتے۔

''تم اصباح کو ولید سے بیاہ کر لے آؤ، میں قطعاً اعتراض نہیں کروں گا۔ لیکن طارق کی شادی حور سے ہی ہوگی کیونکہ یہ اماں جی کی خواہش تھی۔''

اس بات پہ دلشاد بیگم سیخ پا ہو جاتیں۔

''ولید اس قابل نہیں ہے، جو میری معصوم اور بے زبان بھتیجی کا جیون ساتھی بنے۔ اگر تمہیں اپنی ماں کا وعدہ نبھانا ہے تو تم ولید سے اپنا ارمان پورا کرو۔ تمہارے لیے تو دونوں بیٹے برابر ہیں۔''

''میں یہ بھی کر دیتا، اگر اماں جی طارق کا نام نہ لیتیں۔'' ابراہیم صاحب بے بس ہو جاتے۔

''اولاد میری اور فیصلے تمہاری ماں کریں گی؟ طارق میرا بیٹا ہے، میں جو چاہوں گی، وہی ہوگا۔ وہ چڑیل میرے گھر میں ہرگز نہیں آئے گی۔ میرا ہیرے جیسا بیٹا اس چلتر لڑکی کے لیے ہے۔''

''وہ بچی تمہاری بیٹیوں جیسی ہے دلشاد!''

''میری بیٹیوں جیسی مت کہنا اسے۔ سارے خاندان میں اپنے رشتے کی بات اپنے منہ سے پھیلا رکھی ہے اس نے۔ اتنی سی تو شرم نہیں اس میں، کر رہے ہیں میری بیٹیوں سے مقابلہ۔''

''مانتا ہوں وہ لڑکی ذرا بولڈ ہے۔''

''بولڈ نہیں۔ بے حیا، بے غیرت ......!'' دلشاد بیگم نے جی بھر کر بھڑاس نکالی۔

''یہاں آ کر اپنی عادتیں بدل لے گی۔ جیسا تم چاہو گی، ویسی ہی ہو جائے گی۔''

''میں نے یہاں کوئی اسکول نہیں کھولا ہوا کہ اس کی تربیت کروں گی۔ کہاں گئے تمہاری ماں کے وہ آدرش، ادب، تہذیب، طور طریقے، سلیقے۔ میں جب بیاہ کر آئی تھی تو کیا کہتی تھیں وہ کہ مجھے اٹھنے بیٹھنے کی بھی تمیز نہیں۔ میں ان کے سامنے بولتے ہوئے ڈرتی تھی، کہیں وہ کوئی لفظ نہ پکڑ لیں۔ کبھی میرے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کیا تمہاری ماں نے۔ کہتی تھیں میرے ہاتھ میں لذت نہیں۔ بڑے شاہی کھانے بنتے تھے تمہارے گھر میں، میں تو جیسے کسی گرے پڑے گھر سے آئی تھی۔ کہاں دیکھی تھی میں نے ایسی آن بان، مگر پھر بھی چپ رہتی تھی۔ تین چار سال تک بچے نہیں ہوئے تو اس کے لیے مجھے دوش دیا گیا کہ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں، اس لیے مجھے اولاد نہیں ہوگی۔ یاد ہے تمہیں وہ وقت کہ تمہاری دوسری شادی کا پکا ارادہ کر لیا تھا تمہارے گھر والوں نے اور مجھے اٹھا کر میرے باپ کے گھر پھینک دیا تھا۔''

''یہ تم غلط تہمت لگاتی ہو۔ میری ماں نے کبھی تمہیں تمہارے میکے نہیں بھجوایا۔ تم خود ہی یہاں رہنے سے ہچکچاتی تھیں۔ آئے دن تمہارے بھائی تمہیں لینے آ جاتے تھے۔ اماں جی نے تمہارے میکے جانے پر پابندی کبھی نہیں لگائی۔''

''کیوں لگاتیں وہ پابندی۔ وہ تو چاہتی ہی یہی تھیں کہ میں اپنے میکے میں پڑی رہوں اور ان کے چہیتے بیٹے سے دُور رہوں۔ کب آنے دیتی تھیں وہ کمرے میں۔ نندوں کا الگ پہرہ رہتا تھا مجھ پر اور یہ ندرت اس کی بیٹی کو اپنی بہو بناؤں گی میں؟ کیا کیا بیج نہیں بوئے اس نے میرے لیے، کیسے باتیں بناتی تھی مجھ پہ ...... آخر کیا کمی تھی مجھ میں؟''

''یہ سب تمہاری غلط فہمیاں ہیں دلشاد ...... میں ساری عمر بھی تمہیں یقین دلاتا رہوں، تب بھی تم میری بات پہ یقین نہیں کرو گی۔''

''ٹھیک ہے میں یقین نہیں کروں گی لیکن تم بھی مجھے جھٹلا نہیں سکتے۔ ساس کے ساتھ میرا جو وقت گزرا ہے، بڑا کٹھن وقت تھا۔ ٹھیک ٹھاک نظر انداز ہوتی رہی ہوں میں۔''

''اس میں تمہاری اپنی بھی کمزوریاں تھیں دلشاد!'' ابراہیم صاحب کہتے کہتے رک گئے۔

''ہم اپنے ماضی کو بھولیں گے تو بچوں کے مستقبل کے صحیح فیصلے کر سکیں گے۔'' وہ عاجز ہوئے۔

''یہ بات تمہارے ماں باپ نے تو نہیں سوچی اور خاص طور پر اماں جی نے۔ جب انہیں معلوم تھا کہ وہ اپنی چہیتی نواسی کو طارق سے بیاہنا چاہتی ہیں تو اس کی تربیت اچھی کیوں

نہیں کی، کیوں اسے بے مہار چھوڑ دیا میری زندگی کو اجیرن کرنے کے لیے؟ اتنا بیر تھا تمہاری ماں کو مجھ سے کہ جاتے جاتے بھی ایک عذاب مسلط کر گئی مجھ پہ...... مگر وہ مر چکی ہے...... اور میں زندہ ہوں۔ ہوگا وہی جو میں چاہوں گی۔ دل آویز اور دل نشیں نے کہہ دیا ہے کہ اگر بابا اپنی ضد پہ قائم رہے تو وہ طارق کی بارات میں نہیں جائیں گی۔''

''آہ......'' طارق کو جھٹکا لگا اور اس نے سر صوفے کی پشت سے لگا لیا۔

''میں پھنس گیا ہوں اور اس کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ حور میری ماں بہنوں کی عزت کر کے ان کے دل جیتنے کی کوشش کرے لیکن حور...... کیا وہ ایسا کر پائے گی؟''

طارق نے بے یقینی سے حور کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی بے خبر سو رہی تھی۔ وہ اس کے قریب چلا گیا۔

شاکنگ پنک کامدانی لہنگے میں، ہم رنگ جیولری اور میک اپ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ اتنی حسین کہ طارق کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

اس نے جھکتے ہوئے ہاتھ حور کی طرف بڑھایا اور آہستہ سے اس کا آویزہ درست کیا جو مڑ کر اس کی گردن کو گھائل کر رہا تھا۔ تب ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کی آنکھوں نے دیکھا کہ وہ اس پہ جھکا کھڑا تھا۔ حور کو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ سمجھی کہ شاید خواب ہے۔ وہ طارق کی طرف بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ وہ اس خواب سے جاگنا نہیں چاہتی تھی۔ تب ہی طارق کو بولنا پڑا: ''صبح ہو گئی ہے، تم فریش ہو جاؤ۔ میں نے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

طارق کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ یقین و بے یقینی کی حالت میں ذرا سا اٹھ بیٹھی۔

طارق سست روی سے قدم اٹھاتا سامنے صوفے پہ جا بیٹھا۔

طارق دانستہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک جو اس کی نگاہ اٹھی تو وہ وفورِ شوق سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طارق کو اس کی دیوانگی کا بخوبی اندازہ تھا۔ اسے دل ہی دل میں ندامت سی ہوئی لیکن وہ اپنی ندامت اس پہ واضح نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میرا خیال ہے اب تک تمہیں یقین آ جانا چاہیے کہ میں کمرے میں موجود ہوں۔''

طارق نے اس کی بے یقینی کو نوٹ کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ روبوٹ کی طرح شرمندہ ہو کر اٹھ جائے گی لیکن وہ اپنے آویزے اتارتے ہوئے آہستگی سے بولی:

''میری ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آنکھ لگی تھی۔ نیند کی وجہ سے اب بھی سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''تو کیا ضرورت تھی اٹھنے کی؟'' طارق نے نظریں چرا کر کہا۔

حور نے بڑے تحیر سے طارق کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی پل اپنی جیولری اتارتے ہوئے ترش لہجے میں بولی: ''اگر کوئی مجھے آ کر بتا دیتا کہ تمہاری پیشی ہے تو میں تمہارا انتظار نہ کرتی اور سو جاتی۔'' اس کی کٹیلی بات پہ طارق کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا۔

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟'' وہ اٹھ کر بستر کے قریب آ گیا۔

''سردیوں کی راتوں میں سناٹا بہت ہوتا ہے۔ اس لیے رات کے پچھلے پہر سب کچھ صاف سنائی دے رہا تھا۔'' طارق نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اس کا مطلب ہے تم سب کچھ سن چکی ہو، تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ معاملہ کیا ہے؟ اس لیے اب مجھے تمہید باندھنے کی ضرورت تو ہے نہیں۔ تم خود بھی سمجھدار ہو۔''

''میں...... اور سمجھدار!'' حور نے اچنبھے سے طارق کی طرف دیکھا۔

''مجھ سے زیادہ تو تم سمجھدار تھے۔ اگر معاملات اتنے ہی پیچیدہ تھے تو میری زندگی کیوں برباد کی......؟''

''تمہاری زندگی...... میں نے...... یا میرے گھر کے کسی فرد نے برباد نہیں کی۔ یہ فیصلہ پھوپھو کے مرنے کے بعد دادو نے کیا تھا اور تم جی جان سے اس فیصلے پہ رضامند دکھائی دیتی تھیں۔'' طارق کا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا۔

حور نے سلگتی نگاہوں سے طارق کی طرف دیکھا۔

''تو کیا اس کی مرضی شامل نہیں تھی اس فیصلے میں؟''

حور اپنی جیولری اتار چکی تھی۔ اس نے اپنے بالوں کو پنوں سے آزاد کیا۔ بھاری دوپٹہ بیڈ پہ پھینکا اور ہلکے پھلکے کپڑوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ گویا اس نے طارق کی بات کو اہمیت ہی نہ دی ہو۔

''یہاں میرے کپڑے نہیں ہیں۔ ساری وارڈروب خالی پڑی ہوئی ہیں۔''

''تمہارا سب سامان نیچے سٹور میں پڑا ہوا ہے۔''

''اور تمہارے گھر کے کپڑے یعنی میری بری کے کپڑے، وہ کہاں ہیں......؟'' حور طارق کے سامنے کھڑی تھی۔

''وہ بھی وہیں ہوں گے۔'' طارق اس کے وجود سے پھوٹتی خوشبو کو نظرانداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تو میں یہاں اس کمرے میں کیوں ہوں؟ مجھے بھی اسٹور میں ہی ڈال دیتے۔'' اس نے تنک کر کہا۔

''نخرے تو تم اس طرح دکھا رہی ہو جیسے میں لا کر دوں گا تمہیں سب چیزیں۔ پہلے سامان نہیں بھجوا سکتے تھے تم لوگ۔'' طارق نے جھنجھلاتے ہوئے اسے ڈانٹا۔

''میں جہیز کے کپڑے نہیں مانگ رہی۔ مجھے بری کا سوٹ چاہیے، کیونکہ اب میں تمہارے گھر میں آ چکی ہوں اور اب تمہارے ہی کپڑے پہنوں گی۔ میری بلا سے ساری عمر میرا جہیز اسٹور میں پڑا رہے۔'' اس کی ہٹ دھرمی پہ طارق کے پھر سے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''حورالعین......! تم اس طرح اس گھر میں زندگی نہیں گزار سکتیں۔ تمہیں اپنا رویہ بدلنا ہو گا۔ اپنے اندر صبر اور برداشت پیدا کرنا ہوگی، ورنہ تم ایک پل بھی یہاں نہیں رہ سکو گی۔''

''میں کسی بھی طرح کا لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔ ''مجھے فی الحال اس بوجھ سے نجات پانی ہے۔''

طارق نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے سراپے پہ ڈالی اور کمرے سے نکل گیا۔

یہ ظلم نہیں تو کیا تھا۔ اس کے کمرے میں کوئی ضروری چیزیں بھی رکھنے والا نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے تو ہمیشہ ہی بہنوں سے محبت کی تھی اور ان کا مان رکھا تھا۔ دل آویز کم از کم اتنا تو کر سکتی تھی۔ دو چار کپڑے، تولیہ، یہ سب چیزیں اب وہ خود لے کر جا رہا تھا۔ اسٹور میں بمشکل سوٹ کیس ڈھونڈ کر اس میں سے کپڑے نکالے اور کمرے میں لے آیا۔ کمرے میں آیا تو محترمہ واش روم میں جا چکی تھیں۔

''کمال ڈھٹائی ہے، اپنے کپڑے تو لے جاتی۔''

طارق نے سارے کپڑے بیڈ پر پٹخ دیے۔ ابھی تک گھر کا کوئی فرد نہیں جاگا تھا۔ یہ تو شکر تھا کہ اسٹور بھی اس کے کمرے کے نزدیک ہی تھا۔ اگر اسے نیچے سے یہ سب کچھ لانا پڑتا تو کتنی سبکی محسوس ہوتی۔

ابھی وہ اپنی سوچوں میں ہی اُلجھا ہوا تھا کہ وہ واش روم سے نکل آئی۔ طارق اس کا حلیہ دیکھ کر اُچھل پڑا۔ وہ اس کی قمیص شلوار میں ملبوس تھی۔ قمیص پیروں کو چھو رہی تھی اور شلوار یقیناً اس نے اڑس رکھی تھی۔ آستینیں اس نے فولڈ کر لی تھیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال جھٹکنے لگی۔ پانی کی بوندیں طارق پہ آئیں تو وہ جھنجھلا گیا۔

''تولیہ واش روم میں موجود تھا۔ جہاں سے کپڑے پہنے تھے تولیہ بھی لے لیا ہوتا۔'' وہ جھنجھلاتے ہوئے ذرا فاصلے پہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مصروف تھی۔

''میں نے یہ کپڑے لا دیے ہیں۔ خوا مخواہ مولا جٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا حلیہ درست کر کے اپنے باقی کپڑے خود لا کر وارڈ روب میں سیٹ کر لینا۔ یہاں سب کچھ تمہیں خود کرنا پڑے گا۔ کوئی تمہاری خدمت نہیں کرے گا۔'' وہ سنی اَن سنی کیے بال جھٹکتی رہی۔

''کپڑوں کے علاوہ اور بھی دیگر اشیاء، وہاں بکھری پڑی ہیں، جا کر سنبھال لینا۔''

وہ بال پشت پر ڈال کر بیڈ کی طرف مڑی اور کپڑے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک سوٹ پسند کر کے اٹھا لیا۔

''یہ تو پریس بھی نہیں ہے۔ کیا میں اسے ایسے ہی پہنوں گی؟''

''تو تمہیں یہاں کون دیکھ رہا ہے۔ اگر بغیر استری کے پہن لو گی تو کون سی قیامت آ جائے گی۔''

حور نے تیکھے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''میں خود کو اچھی لگتی ہوں، میرے لیے یہی بہت ہے۔ میں بغیر استری کے کپڑے نہیں پہنتی۔ یا تو مجھے یہ پریس کر کے لا دو، یا مجھے استری لا دو۔ میں خود پریس کر لوں گی۔''

''وٹ نان سینس! تم اتنی کم عقل، ضدی اور بیوقوف ہو۔ تمہارے اندر ذرا سی بھی انا ہوتی تو تم ضرور یہ سوچتیں کہ جن لوگوں نے رات سے میرے ساتھ یہ سلوک روا رکھا ہے، میں بھلا ان سے کیا مانگوں اور کیوں مانگوں، لیکن تمہیں تو جیسے پرواہ ہی نہیں ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ بس خوشی ہے تو اس بات کی کہ تم اس گھر میں دلہن بن کر آ گئی ہو۔ اتنی بچگانہ سوچ ہے تمہاری، بھلا کیا ساتھ دے سکو گی تم میرا......''

''مائنڈ اٹ! یہ سب مسائل تمہارے ہیں، میرے نہیں۔ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے، یہ سب تمہیں سوچنا چاہیے، مجھے نہیں۔ مجھے تو یہ سوچنا ہے کہ میری زندگی سے کیونکر کھیلا جا

رہا ہے اور ایک بات اور مجھے اس گھر کی بہو بننے کا کوئی ارمان نہیں تھا۔ میں نے بھی نانو کا وعدہ نبھایا ہے۔''

''واہ......!'' طارق نے تمسخر سے کہا۔''کم از کم میں اس بات کی سچائی پہ اعتبار نہیں کر سکتا۔تم نے تو کھلم کھلا اظہارِ عشق کیا ہے مجھ سے۔ بارہا مجھ سے پوچھا ہے، میں تمہیں پسند ہوں یا نہیں۔''

''تو پھر بتا دیتے، کیوں نہیں پھوٹے تھے۔'' وہ گویا چلا پڑی اور طارق لاجواب سا ہو گیا۔

''میں یہاں بھاگ کر نہیں آئی ہوں جو یہ سب کچھ سہوں گی۔ میں یہاں کسی سے نہیں دبوں گی، چاہے وہ تم ہو یا تمہاری ماں۔ اپنی سب خوش فہمیاں دل سے نکال دینا۔''

طارق کو بخوبی اندازہ تھا کہ اس کے پاس سے ایسے ہی فرمان جاری ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف فرمان، بلکہ وہ عمل بھی کر کے دکھا سکتی تھی۔

''تم اس طرح خود اپنی زندگی کو جہنم بنا لوگی۔'' طارق نے اسے تنبیہہ کی۔

حور اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ مسکرائی اور کپڑے لے کر واش روم میں جاتے ہوئے بولی:''یہ میری زندگی ہے،تم اپنی فکر کرو۔''

اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا۔ طارق سر پکڑ کر بیٹھ چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر کے سارے ملازم ایک ہی جگہ جتے ہوئے تھے۔ وہ جگہ کون سی تھی، کسی کو پتا نہیں تھا سوائے حورالعین کے۔ دن کے بارہ بجے جب دلشاد بیگم سو کر اٹھیں تو گھر میں ہلکا ہلکا سا شور سنائی دے رہا تھا۔ انہوں نے ملازموں کو آوازیں دیں تو باری باری سب ملازم ان کے سامنے جمع ہو گئے۔

''یہ تم سب لوگ صبح صبح کیسا ہنگامہ کر رہے ہو، حالانکہ تمہیں پتا بھی ہے کہ ہم لوگ رات دیر سے سوئے تھے۔''

''جی بیگم صاحبہ......لیکن......ہم بھی کام کر رہے تھے۔ دلہن بیگم نے کہا تھا کہ اسٹور سے ضروری سامان ان کے کمرے میں پہنچا دیں۔ رات تو جیسے جہیز آیا ویسے ڈالتے رہے تھے، لیکن اب ترتیب سے جمانے میں وقت تو لگتا ہے ناں!''

''جے......ہیز......!'' دلشاد بیگم نے جل کر دہرایا۔

''آخر ایسا بھی کیا جہیز تھا جو ساری رات سے اب تک سیٹ ہی نہیں ہوا اور تم سب لوگ فارغ تھے جو ایک ہی کام میں جت گئے۔ جس کا جہیز ہے وہ خود سیٹ کر لے گی۔ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ مجھے ایک کپ کافی بنا کر دو۔''

خانساماں کافی بنانے چلا گیا۔ چوکیدار گیٹ پر چلا گیا اور اس کی بیوی زرینہ روزمرہ کی صفائی کرنے میں مصروف ہو گئی۔ دلشاد بیگم ڈرائنگ روم میں اخبار لے کر بیٹھ گئیں۔

ابھی خانساماں کچن میں گیا ہی تھا کہ کانچ کا برتن گرنے کی زوردار آواز آئی۔

''صبح صبح کر دیا نقصان!'' دلشاد بیگم اخبار کی ہیڈ لائنز دیکھتے ہوئے ناگواری سے بولیں تو خانساماں بوکھلاتے ہوئے کچن سے باہر آ گیا۔

''بیگم صاحبہ...... یہ میں نہیں......دلہن بیگم ہیں۔''

''دلہن......بیگم......!'' دلشاد بیگم کو زبردست جھٹکا لگا۔

''جی بیگم صاحبہ......دلہن بیگم ناشتہ بنا رہی ہیں۔ ان ہی سے ٹوٹا ہے یہ گلاس۔''

حور کی اتنی دخل اندازی پہ انہیں تو جیسے پتنگے ہی لگ گئے۔ وہ اخبار میز پر پٹخ کر کھڑی ہو گئیں اور تن فن کرتی کچن میں جا پہنچیں۔ حور اطمینان سے بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ گئی اور کچھ جھکتے ہوئے سلام کیا جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا۔

''ممانی جان! آیئے ناں......بیٹھیے......ناشتہ کیجیے۔ وہ دراصل طارق نے کہا تھا کہ مجھے اپنے سارے کام خود کرنا ہوں گے۔ یہاں کسی کے لیے کچھ کرنے کا رواج نہیں ہے اور جب انہوں نے کہا کہ تمہیں اپنا ناشتہ خود بنانا پڑے گا تو مجھے پہلے عجیب لگا۔ پھر میں نے سوچا یہ گھر میرے لیے کون سا اجنبی ہے۔ اپنا ہی گھر ہے، ماموں کا گھر اپنا ہی ہوا ناں۔ پہلے بھی تو میں یہاں آتی تھی اور ہر چیز سے واقف بھی تھی۔ سو......'' یہ کہتے ہوئے حور نے کندھے اُچکائے۔

''ایک ہی رات میں طارق اتنا بدل گیا کہ اپنے گھر کے متعلق کہنے لگا کہ یہاں کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ یہاں اس کے نازنخرے کوئی نہیں اٹھائے گا۔ یہ طارق کا ہی دیا گیا اعتماد ہے جو یہ میرے سامنے اس طرح کھڑی ہے۔'' دل ہی دل میں سوچتے ہوئے انہوں نے تیز چبھتی نگاہوں سے سرتاپا اسے گھورا اور کچن سے باہر آ گئیں۔

ان کے کچن سے نکل جانے کے بعد حور نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ ناشتہ ہی بنا کر لے جائے۔ وہ سوچتے ہوئے چائے کے سپ لینے لگی۔ تب ہی خانساماں کچن میں

دوبارہ آ گیا۔

"خان بابا! کیا آپ ممانی کے لیے ناشتہ بنا رہے ہیں؟ مجھے بتادیں، میں بنا دیتی ہوں۔"

"بڑی بیگم صاحبہ...... صرف کافی پیتی ہیں یا پھر جوس لیتی ہیں۔ فی الحال ان کا آرڈر یہ ہے کہ آپ کچن سے نکل جائیں تو تب میں ان کے لیے کافی بناؤں۔"

خان بابا نے حور کو بتایا تھا۔

"کیوں...... میں ان کی کافی کو نظر لگا دوں گی؟" وہ استہزائیہ مسکرائی۔ "خیر میں ناشتہ کر چکی ہوں، میں نے بھی اخلاقاً پوچھا تھا۔ میں کون سا ان کی خدمتیں کرنے کے لیے بے چین ہو رہی ہوں۔"

اس نے خان بابا کو راز داری سے بتایا اور کچن سے نکل گئی۔

حور کھٹا کھٹ کرتی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دلشاد بیگم کو اس کی بجتی ہیل ہتھوڑے کی مانند لگی۔ ایسا ہتھوڑا جو ان کے ماضی کے در کھول رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

کتنے دن تک اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اس گھر میں کتنے کمرے ہیں اور کچن کہاں ہے۔

اماں جی خود ہی ناشتا بناتی تھیں اور اپنے بچوں کو خود کرواتی تھیں۔ ندرت اور مدحت کالج جاتی تھیں اور شائستہ کی شادی ہو چکی تھی۔ ابراہیم، ماں کے پاس ہی ناشتہ کرتا تھا۔ عادل اور عزت اسکول جاتے تھے۔ شروع کے چند ماہ تو ایسے ہی گزر گئے تھے۔ ندرت اور مدحت کالج سے آجاتیں تو پھر اماں جی کے ساتھ کاموں میں لگ جایا کرتیں۔

ایک روز ابراہیم صاحب نے اسے ٹوکا۔

"میں تو کام کرنا چاہتی ہوں۔ پر اماں جی اور آپ کی بہنیں ہر بار یہ کہہ کر انکار کر دیتی ہیں کہ پہلے میٹھے کو ہاتھ لگوائیں گے پھر کچھ اور کرنے دیا جائے گا۔"

"آخر سال ہونے کو ہے، کب تم میٹھے میں ہاتھ لگاؤ گی؟ میں آج ہی اماں جی سے بات کرتا ہوں۔"

پھر ابراہیم نے اماں جی سے بات کی اور یوں اس نے بڑی جی جان سے کھیر پکائی۔ لیکن جب وہ کھیر گھوٹ رہی تھی تو اماں جی کے چہرے پر عجیب سی ناگواری تھی۔ پھر کھیر پکنے کے بعد سب ہی نے کھائی۔ نہیں چکھی تو فقط اماں جی نے۔ انہوں نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ

کر دیا تھا۔

دلشاد کو وہ خود پسند کر کے لائی تھیں۔ خاندانی لوگ تھے مگر انہیں کیا پتا تھا کہ لڑکی اُلٹے ہاتھ سے کھانا بناتی ہے اور اُلٹے ہاتھ سے ہی کھاتی ہے۔ اماں جی کو تو سوچ سوچ کر کراہت آرہی تھی۔ ان کی پاکیزہ اور نفیس طبیعت نئی نویلی بہو کی طرف سے مکدر ہو چکی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ دلشاد کام بھی سستی سے کرتی تھی۔ جس کام میں لگ جاتی، پورا دن وہیں لگا دیتی۔

ایک روز دلشاد کچن میں کھانا پکا رہی تھی۔ اس کی سسرالی رشتے دار خواتین اماں جی کے پاس بیٹھی تھیں۔ دلہن سے ملنے کے لیے کچن میں آئی تو دیکھ کر چھی چھی کرنے لگیں۔

"اے بٹی! تمہارے سیدھے ہاتھ میں کوئی تکلیف ہے کیا جو تم اُلٹے ہاتھ سے روٹیاں ڈال رہی ہو......؟"

وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔ اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کے اُلٹے ہاتھ کے استعمال پر اعتراض بھی ہو سکتا ہے۔ بقول اس کی ماں کے، بہت سے لوگ اُلٹے ہاتھ کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ ان خواتین کی موجودگی میں نروس ہونے لگی اور فی الفور اس نے سیدھے ہاتھ سے روٹی ڈالنی چاہی لیکن روٹی کیسے پکتی اس کا اپنا ہاتھ ہی جل گیا۔ گھبراہٹ میں اس نے چولہا بند کر دیا۔ پھر دسترخوان لگا بھی مہمان خواتین کے ہمراہ، وہ بھی کھانا کھانے بیٹھی اور جب اس نے اُلٹے ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو اس پہ بھی اعتراض ہوا۔

"زیب النساء...... پہلی بہو لینے چلی تھیں۔ کم از کم یہ تو دیکھ لیتیں کہ وہ بایاں ہاتھ کیوں استعمال کرتی ہے۔ یہ ہاتھ تو نجاست کے لیے ہے اور یہ اس سے کھانا کھا رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے نماز میں تشہد بھی اُلٹی انگشت سے پڑھتی ہوگی۔ انگشت شہادت کو تو اس نے ناپاک کیا ہوا ہے۔ چھی چھی چھی اس کی تو نماز بھی نہیں ہوتی ہوگی۔ اے بٹی...... تمہاری ماں نے بھی روکا نہیں تمہیں۔ کل کلاں کو بچے ہوں گے تو وہ بھی ماں سے یہی عادتیں لیں گے۔ ہمیں تو دلہن تمہاری یہ عادت اچھی نہیں لگی۔"

مارے شرم کے دلشاد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اب اسے سمجھ میں آیا تھا کہ اماں جی اس کے ہاتھ کا کھانا کیوں نہیں کھاتی تھیں۔ عورتوں کے ہاتھ تو ایک اچھا موضوع آ گیا تھا۔ زیب النساء البتہ خاموش تھیں۔

وہ اس معاملے میں کسے موردِ الزام ٹھہراتیں، کیونکہ بہو تو وہ خود پسند کر کے لائی تھیں۔

دلشاد کے رونے کی کسر باقی تھی جب وہ ان لوگوں کے درمیان سے اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس کے بعد تو یہ بات سب کو پتا چل گئی کہ کس وجہ سے اماں جی اس کا کسی چیز میں ہاتھ لگوانا پسند نہیں کرتیں۔

اماں جی نے کبھی دلشاد کو اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ ان کے نزدیک اب اسے کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ اس کی عادت پختہ ہو چکی تھی، لہٰذا وہ اپنی بیٹیوں سے ہی سارے کام کروا لیتیں۔

ندرت کام کاج میں بہت طاق اور پھرتیلی تھی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اس نے گھرداری بھی سنبھال رکھی تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ اس کی موجودگی میں، ماں کچن میں نہ جائیں، کیونکہ اماں جی شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اور کام کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپتے تھے۔

ندرت کا یہ پھرتیلا پن دلشاد کو بہت کھٹکتا تھا۔ اس کی وجہ سے دلشاد کٹی کٹی رہتی تھی۔ ان ہی حالات کی وجہ سے اس کا زیادہ وقت میکے میں گزرنے لگا۔ اس دوران ندرت اور مدحت کی شادیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور سال بھر میں وہ اپنے گھر بار کی ہو گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ دلشاد اپنی جگہ بناتی لیکن نہ بنا سکی کیونکہ نہ وہ سسرال میں رہتی تھی اور نہ ہی ان کے طور طریقوں سے واقف ہوئی تھی، مگر اب مجبوری یہ تھی کہ دلشاد کو ہی کام کرنا تھا اور یہ مجبوری اماں جی کو وارا نہیں کھاتی تھی۔ عزت اسکول جاتی تھی۔ اماں جی نے اسی پہ انحصار کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنا کھانا خود بناتیں۔ ایک دن ان کا ہاتھ جل گیا۔ ندرت سسرال سے آئی تو بہت ناراض ہوئی۔

''تو کس نے کہا ہے اماں جی کام کریں؟ دلشاد تو کرنا چاہتی ہے، مگر...... اماں جی اس کے ہاتھ کا کام پسند نہیں کرتیں۔'' ابراہیم نے دبے دبے انداز میں صورتحال واضح کی، حالانکہ اصل بات سے ندرت اور اماں جی دونوں ہی واقف تھیں۔ اماں جی بیٹے کو اس کی حمایت کرتا دیکھ کر بھڑک گئیں۔

''عمر کے آخری حصے میں، میں نجاست نہیں کھاؤں گی۔ وہ باورچی خانے میں جاتی ہے تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ ہر چیز پلید کر دی ہے اس نے۔''

ابراہیم نے حمایت طلب نگاہوں سے بہن کی طرف دیکھا۔

''سوال پاکی یا ناپاکی کا نہیں ہے۔ سوال ان عادتوں کا ہے جو بھابھی بیگم میں پائی

جاتی ہیں۔ دن بھر وہ اپنے کمرے میں رہتی ہیں، حالانکہ اماں جی اکیلی ہی ہوتی ہیں۔ دن بھر آنے جانے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ آنے جانے والوں کو دیکھنا کیا ملازموں کی ذمہ داری ہے، گھر کی بہو کا کوئی فرض نہیں ہوتا؟''

ندرت کے الفاظ دلشاد کو تیر کی طرح لگ رہے تھے مگر اس میں اتنا اعتماد نہیں تھا کہ نند کے سامنے کوئی ٹھوس بات کر سکے۔

پیسے کی کمی اس کے ماں باپ کے گھر میں بھی نہیں تھی لیکن بات چیت، اٹھنے بیٹھنے، پہننے اوڑھنے میں تہذیب و سلیقہ برائے نام بھی نہیں تھا، جبکہ سسرال میں یہی سب کچھ نمایاں تھا۔ وہ ان چیزوں میں کامیاب تو تب ہوتی، جب اسے کوشش کرنے کا موقع ملتا۔

لیکن...... ایسا کچھ نہ ہوا...... اُلٹا وہ ان حالات کی وجہ سے نفسیاتی دباؤ میں آتی چلی گئی اور سب سے الگ تھلگ سی ہو گئی، کیونکہ اماں جی نے اس کا باورچی خانے میں جانا تو کیا اس کے کھانے پینے کے برتن بھی الگ کر دیے تھے۔

یکدم کچھ گرنے کی آواز پہ دلشاد بیگم کو جھٹکا سا لگا اور وہ ماضی سے حال میں آ گئیں۔

''ایک وہ وقت تھا اور ایک یہ وقت ہے۔'' وہ جلتی کڑھتی بڑی بیٹی کے کمرے میں آئیں۔

دل آویز بستر میں پڑی تھی۔ انہیں اچھی طرح پتا تھا، وہ جاگ رہی ہے۔

''کب تک یوں لیٹ کر اپنی برباد زندگی کا ماتم کرو گی؟ دیکھو اٹھ کر، ایک رات کی بیاہتا پورے گھر میں کیسے دندناتی پھر رہی ہے۔ اپنا ناشتا تک خود بنا کر کھا گئی ہے اور ایک تم ہو...... تین...... تین سال میں تم اپنے لیے چائے کا ایک کپ بھی وہاں نہیں بنا سکیں۔ میں تو اس بالشت بھر کی لڑکی کو دیکھ کر حیران ہوں۔ وہ کس دھڑلے سے اس گھر پہ اپنا حق جما رہی ہے۔''

''کون...... ماما؟'' دل آویز کسل مندی سے اٹھ بیٹھی۔

''وہی...... جسے ہم رات بیاہ کر لائے ہیں۔'' دلشاد بیگم نے دانت کچکچائے۔

''اچھا...... مگر...... اس میں عجیب بھی کیا ہے ماما...... آپ کا بیٹا پہلے سے ہی چاہتا تھا اسے۔ اب تو وہ اسے سر پہ بٹھا کر رکھے گا۔''

''اپنے سر پہ بٹھا کر رکھے، ہمارے سر پہ کیوں بٹھا رہا ہے اسے۔'' وہ بے بس دکھائی دے رہی تھیں۔

''اونہہ......! ہمارے سر پہ تو وہ بیٹھ چکی ہے۔ کیا حیثیت ہے ہماری، مرضی نہ ہونے کے

باوجود بھی ہم اسے بیاہ لائے۔"

"آپ لوگ کمپرومائز کر لیں اس چڑیل سے...... میں تو ہرگز نہیں کروں گی اور اس سے کہہ دینا میری نظروں کے سامنے مت آئے۔" دل نشیں سخت جزبز ہو رہی تھی۔

"ارے بھئی...... تم لوگ ابھی تک بستروں میں ہی پڑی ہو۔ شام کو ولیمہ میں جانے کی تیاری نہیں کرنا؟"

ابراہیم صاحب نے بیوی اور بیٹیوں کی طرف دیکھتے ہوئے مصالحانہ انداز میں پوچھا تھا۔ تینوں چپ ہوگئیں۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ ولیمہ میں جانا پسند نہیں کریں گی۔" ولید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو دل نشیں طیش میں آگئی۔

"تم کون ہوتے ہو، ہمارے معاملات میں دخل اندازی کرنے والے؟"

"میں اس گھر کا فرد ہوں، مائی ڈیئر سسٹر......!" ولید نے گویا اس کا مذاق اُڑایا۔

"ایسے ہوتے ہیں بھائی...... اتنا بھی ہوش نہیں تھا رات تمہیں کہ کتنے معزز لوگ آئے ہوئے تھے اور تم تھے کہ جوکر بنے ہوئے تھے۔ میری فرینڈز نے اتنا مذاق اُڑایا ہے میرا۔"

"سوچنے کی بات ہے، اتنی گیدرنگ میں وہ صرف مجھے ہی دیکھ رہی تھیں۔ میرے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں دیکھنے کو؟"

"اتنی گیدرنگ میں اول جلول حرکتیں کرتا ہوا ایک ہی جوکر نظر آرہا تھا۔"

"جوکر نہیں، ہیرو کہو۔ چارمنگ پرسنیلٹی جو دیکھتا ہے، دیکھتا رہ جاتا ہے۔" ولید اترایا۔

"ہونہہ...... آئینہ دیکھا ہے کبھی؟" دل نشیں کب باز آنے والی تھی۔

"اچھا، اب بس کرو۔ میں تم لوگوں سے یہ کہنے آیا تھا کل رات کی طرح لیٹ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ فنکشن تم لوگوں کا ہے اور میزبان پہلے پہنچتے ہیں۔ ہو سکے تو حورالعین کو بھی جلد تیار کروا لینا۔" یہ کہہ کر ابراہیم صاحب جلدی سے باہر نکل گئے۔

"ماما! اگر یہ فنکشن میں جائے گا تو پھر میں نہیں جاؤں گی۔ جتنا تماشا اس نے کل رات لگانا تھا، لگا لیا۔"

دل نشیں تنک کر بولی تو ولید زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا:

"کل سے پہلے تم لوگوں کی یہ ضد تھی کہ حورالعین اگر طارق کی دلہن بنی تو تم بارات میں

ہی شامل نہیں ہوگی۔ کل رات وہ گھر میں آگئی اور باقاعدہ باعزت طریقے سے تم لوگ خود لے کر آئے۔ طارق میرا بھائی ہے میں اس کا ولیمہ ضرور اٹینڈ کروں گا۔ اب تم سوچو کہ تم نے کیا کرنا ہے۔ بائی داوے میں اس لیے آیا تھا کہ بھابھی کو ولیمہ کے لیے کون تیار کروانے لے جائے گا۔" دلشاد بیگم نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"تمہیں اس بات کی فکر کیوں ہے؟"

"لو بھلا...... اس بات کی فکر میں نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ رات وہ گھر میں آئی، کوئی اس کے استقبال کے لیے موجود نہیں تھا۔ اب بھی کچھ ایسا ہی ڈرامہ ہونے والا ہے کیا؟"

"تو تم لے جاؤ۔ تم ہو ناں، اس کے بڑے ہمدرد۔" دل آویز نے جل کر کہا۔

"ٹھیک ہے، شام چار بجے میں بھابھی کو خود لے جاؤں گا۔ ہاں، اگر کسی اور نے چلنا ہو تو تیار رہنا، میری گاڑی میں بہت جگہ ہے۔"

"دیکھا ماما آپ نے، یک نہ شد دو شد...... اکٹھے دو بیٹوں کو پھنسایا ہے اس چڑیل نے۔" دل نشیں نے ولید کے جانے کے بعد ماما کو بھڑکایا۔

"اونہہ...... ابھی دیکھنا کیسے کیسے چاند چڑھتے ہیں اس گھر میں اور یہ سب آپ کی ڈھیل کا نتیجہ ہوگا۔" دل آویز بھی ماں کو کچھ کہنے پہ اُکسا رہی تھی۔ جو دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے دلچسپ انسان ہو گے۔ میں حیران ہوں۔ اس سے پہلے میں نے تم سے بات کیوں نہیں کی، حالانکہ بچپن سے میرا ماموں کے ہاں آنا جانا تھا۔ تم کہیں نظر ہی نہیں آتے تھے مجھے۔"

"اصل میں بھابھی جان! بات یہ ہے کہ آپ کو طارق سے ہی فرصت نہیں ہوتی تھی تو آپ ہمیں کیا دیکھتیں۔" دلہن بنی حور جھینپ گئی۔

"نہیں، اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میں باقی لوگوں سے بھی بات کرتی تھی اور اکثر ممانی جان کے رویے کو بہت محسوس کرتی تھی۔ کچھ کچھ پراؤڈ سی لگتی تھیں وہ مجھے۔"

"لگتی تھیں نہیں، ہیں۔ صحیح تجزیہ کیا آپ نے ان کے بارے میں۔ بائی داوے طارق

کے بارے میں کیا ریمارکس ہیں آپ کے؟''

حور کے چہرے پہ کئی رنگ آ کر گزر گئے اور اس نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔ ولید قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اردگرد کھڑی خواتین نے مڑ کر ستائشی انداز میں اسے دیکھا تھا۔ بلیک سوٹ میں ملبوس وہ واقعی پرنس لگ رہا تھا۔ گرین کلر کے کامدانی لہنگا اور بھاری دوپٹے میں حور کسی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

''جوڑی تو بہت شاندار ہے۔'' یہ ابراہیم صاحب کے کاروباری حلقے کے لوگوں کی بیویاں تھیں جو آپس میں تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔

''چلیے آپ جواب نہ دیں لیکن میں آپ کو بتا دوں، میرا بھائی نہایت بزدل انسان ہے۔''

''بزدل......!'' حور کو جھٹکا لگا۔

''بھئی مصلحت اندیش، دُور اندیش۔ مصلحت کا مفہوم میرے نزدیک سراسر بزدلی ہے اور یہ بزدلی موصوف میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔''

''اچھا......!'' وہ مسکرا دی۔

''بائی داوے معیز نظر نہیں آ رہا۔ وہ مزاجاً کیسا ہے؟'' حور نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ماما کا چمچہ ہے۔ ہر وقت ماما کے پلو سے بندھا رہتا ہے۔ لگتا ہے طارق کے بعد چہیتے بیٹے کی سیٹ اسے ہی ملے گی۔ جب تک ماما گھر سے نہیں نکلیں گی، وہ کیسے یہاں آ سکتا ہے۔ اس کے نمبر نہیں کٹ جائیں گے۔ نمبر بنانے کے چکر میں اپنی شخصیت ہی زنانی کر لی ہے اس نے۔''

''اچھا......!'' وہ ذرا کی ذرا حیران ہوئی۔

''ہاں...... ہاں...... سچ کہہ رہا ہوں۔ آنے والا ہے دیکھ لینا۔ ماما کی تیسری بیٹی ہی لگتا ہے۔'' حور بے ساختہ ہنس پڑی۔

''سارے مہمان آ چکے ہیں۔ ماما سے فون کر کے پتا تو کروں آ بھی رہی ہیں...... یا......'' خودکلامی کرتے ہوئے ولید نے موبائل جیب سے نکالا۔ تب ہی سامنے سے اسے ماں اور بہنیں آتی نظر آئی تھیں۔

''لو بھئی، آپ کی ساس نندیں آ گئی ہیں، اب ان کے ساتھ انجوائے کرنا۔ میں ذرا اپنی گرل فرینڈ سے گپ شپ لگا لوں۔'' یہ کہتے ہی دوسرے پل وہ فون پہ مصروف ہو گیا۔

''تم اسے لے کر یہاں آ گئے۔ تمہیں اتنا پتا نہیں تھا کہ ہم لوگ تمہارا انتظار گھر پر کر رہے تھے۔'' دلشاد بیگم اسٹیج پر پہنچ چکی تھیں اور سخت برہم دکھائی دے رہی تھیں۔

''گھر پہ ولیمہ ہو رہا تھا کیا؟'' ولید نے ایک کان سے سنی اور دوسرے سے اُڑائی۔

''زیورات دینے تھے اسے اور یہ...... یہ پہن کر بیٹھی ہے یہاں۔ اسے تمیز نہیں تھی کہ اتنے مہنگے لباس پہ...... یہ تولے ماشے کی چیزیں نہیں جچتیں۔'' دلشاد بیگم نے اس کے میکے کے زیورات پہ طنز کیا۔ حور پہلو بدل کر رہ گئی۔

''اتنے بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ کیا کہیں گے سیٹھ ابراہیم کی بہو نے فقط دو چار تولے سونا پہن رکھا تھا۔ ناک کٹوا کر رکھ دی ہے ہماری۔''

''اس میں اتنا واویلا کرنے والی کون سی بات ہے۔ اپنے ساتھ لے آتیں، اب پہن لیتی۔'' ولید بے حد لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔

جبکہ حور سوچ رہی تھی۔ ''کل تو آپ کی ناک نہیں کٹی۔ کل بھی تو میں یہی پہن کر رخصت ہو کر آئی تھی۔''

''ہم اس کے ملازم نہیں تھے جو یہاں لے کر آتے اور اسے پہناتے۔ جب اس میں خود ہی سلیقہ اور شعور نہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس کی فکر کرتے پھریں۔''

''چھوڑیں نا ماما......! چھوٹے گھر کی لڑکی ہے۔ اسے ہمارے اسٹیٹس کا کیوں خیال آنے لگا۔'' یہ دل آویز تھی۔

''سنا تھا اس کے منہ میں تو زبان ہی نہیں ہے اور یہ مجھے چھوٹے گھر کا کہہ گئی۔'' حور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''ارے مسز ابراہیم! اتنی دیر سے آپ لوگوں کو تلاش کر رہے تھے۔ اب آئے ہیں آپ لوگ......؟'' دلشاد بیگم شرمندہ ہو گئیں۔

''دراصل رات جاگنے کی وجہ سے بلڈ پریشر بہت ہائی ہو گیا تھا، دوا لی ہوئی تھی، پھر بھی طبیعت بحال نہیں ہو رہی تھی۔ اب بھی بچیاں ہی کھینچ کھانچ کر لائی ہیں، ورنہ میں تو بستر پہ پڑی تھی۔''

''ویسے بہو بہت پیاری لائی ہیں آپ۔'' مسز وقاص نے کہا۔

انہوں نے شپٹا کر ادھر اُدھر دیکھا پھر کہنے لگیں:

''اللہ کرے سیرت کی بھی پیاری ہی ہو۔''

''مسز ابراہیم! بہو اپنوں سے لائی ہیں یا...... غیروں سے......؟''

''ابراہیم کے رشتہ داروں میں سے آئی ہے۔ میرے اپنوں میں سے تو ہے نہیں۔ یہ تو برتنے کے بعد ہی پتا لگے گا کہ کیسی ہے۔'' انہوں نے ناک چڑھا کر کہا، پھر فوراً ہی موڈ بدلتے ہوئے بولیں:

''میری بیٹیوں سے نہیں ملیں آپ لوگ۔ ارے دل آویز! دل نشیں! آنٹی سے ملو ناں۔'' دونوں نے باری باری سلام کیا۔ خواتین کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی۔

''بہت پیاری ہیں آپ کی بیٹیاں...... ان میں سے کون سی بڑی ہے اور کون سی چھوٹی؟''

''بس یوں سمجھ لیں، دونوں ہی اوپر تلے کی ہیں۔'' دلشاد بیگم نے سفید جھوٹ بولا۔

''اس کا مطلب ہے پھر تو شادیاں بھی ان کی ساتھ ہی کریں گی۔'' ایک خاتون نے شرارت سے کہا تو دلشاد بیگم خوش دلی سے بولیں:

''کیوں نہیں، بس اچھے رشتے مل جائیں۔''

اتنے بڑے جھوٹ پہ حور کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''ارے مسز ابراہیم! ہم نے تو سنا تھا کہ آپ نے ایک بیٹی کی شادی کر دی ہے۔ جاوید بتا رہے تھے کہ جب سے شادی کی ہے، آپ کی بیٹی آپ کے ہاں ہی رہ رہی ہے۔ نہایت ہی نکما اور بدمزاج داماد ملا ہے آپ کو۔ وہ بیٹی ان سے بڑی ہے کیا؟ اسے آپ ساتھ نہیں لائیں؟''

ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ بوکھلا گئیں۔

''بس یہ بھی ایک داستان ہے مسز جاوید! پھر کبھی سناؤں گی۔ آئیں ناں، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

دلشاد بیگم ساڑھی کا پلو سمیٹتی خواتین کو لے کر اسٹیج سے اتریں۔ اچانک ہی ان کی نگاہ فرح شاہ پر پڑی۔ ٹاپ اور جینز میں ملبوس وہ باب کٹ بالوں کو لاپرواہی سے جھٹکتی بے چین نگاہوں سے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ایک لمحے کو ان کے قدم ڈگمگا گئے۔

''ولید اتنا حد سے تجاوز کر چکا ہے کہ اسے یہاں تک بلا لیا۔''

''مسز جاوید! آپ لوگ چلیں، میں ابھی آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ واپس اسٹیج کی طرف مڑ گئیں۔

''دیکھو، فرح یہاں آئی ہوئی ہے، کسی کو جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے اس طرح ملنا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور دل نشیں! تم خاص طور پہ یہیں بیٹھی رہو۔ اگر

وہ آ کر خود بولے تو اسے نظر انداز کر دینا۔''

''میں نے کہا تھا ناں ماما، یہ ولید ضرور آج بھی کوئی چاند چڑھائے گا۔ ذرہ برابر غیرت نہیں ہے اس میں۔ دیکھ لینا کل سے زیادہ تماشا لگے گا یہاں۔ میں تو ابھی اور اسی وقت گھر جا رہی ہوں۔''

''جذباتی مت بنو دل نشیں! اس طرح کر کے تم ایک پنچ لڑکی کو اہمیت دے رہی ہو۔ بہت سے اٹھائی گیرے گھس آتے ہیں بغیر اجازت۔ اس کا مطلب یہ ہے اپنا فنکشن خراب کر دیا جائے۔'' دل آویز نے بہن کو تنبیہہ کی تو دلشاد بیگم خوش ہو گئیں۔

''شاباش......! میں ادھر جا رہی ہوں دل آویز......! اسے کنٹرول میں رکھنا۔'' یہ سب باتیں سر جھکائے بیٹھی حورالعین، بآسانی سن رہی تھی۔

حورالعین کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر میں فقط ولید ہے جس کے سامنے یہ لوگ بے بس تھیں۔

''دیکھیں دل آویز آپا، ادھر ہی آ رہی ہے۔''

دل نشیں نے بے چینی سے دل آویز سے سرگوشی کی تو دل آویز تلملا گئی اور اسے گھورتے ہوئے بولی: ''ہزار بار کہا ہے تم سے، یہ آپا کی دم مت لگایا کرو میرے ساتھ۔ ماما کو کتنی چڑ ہے اس بات سے، اچھی طرح جانتی ہو تم۔'' ان کی گفتگو پہ حورالعین نے اپنی ہنسی کو بمشکل کنٹرول کیا۔ دونوں حورالعین کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔

دل آویز نے تنقیدی نگاہوں سے اس کے حسین سراپے کو دیکھا اور سلگتے ہوئے بولی:

''بڑی خاموش بیٹھی ہو تم، حالانکہ سنا ہے تم تو ایک پل بھی چپ نہیں رہ سکتیں۔''

دل آویز کے طنز پہ حور سٹپٹا گئی۔ دل نشیں سے بھی چپ نہ رہا گیا۔

''کمال ہے دل! آپ نے دیکھا نہیں، جس وقت ہم ہال میں داخل ہوئے ہیں، یہ ولید کے ساتھ کیسے ٹھٹھے لگا رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی ولید بھی بھاگ گیا اور اس کی سٹی بھی گم ہو گئی۔'' دل نشیں نے کڑی نگاہوں سے حور کو دیکھا تھا۔

''ولید تمہارا دیور ہے اور وہ کوئی ننھا منا بچہ نہیں ہے۔ طارق سے بس ڈیڑھ برس ہی چھوٹا ہے۔ تمہیں ولید سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' دل آویز نے سخت لہجے میں تنبیہہ کی۔ ''ٹھیک ہے، وہ تمہاری طرح تیز طرار ضرور ہے، مگر رشتوں کی کچھ حدود ہوا کرتی

ہیں۔ نجانے آج کل کیسا ٹرینڈ چل گیا ہے۔ کسی رشتے کا کوئی لحاظ ہی نہیں رہا۔'' نجانے اس کا ابھی مزید کتنا لیکچر باقی تھا کہ فرح شاہ ان کے سر پر پہنچ گئی۔

''ہائے...... واؤ فنٹاسٹک برائڈ از ویری سویٹ اینڈ پریٹی۔'' اس نے خوش دلی سے کہتے ہوئے حور کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''آئی ایم فرح شاہ......!'' حور نے جھجکتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا پھر ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اس طرح دل آویز اور دل نشیں سے بھی ہاتھ ملانا چاہا مگر دونوں نے لفٹ نہیں کرائی۔

''ولید نظر نہیں آ رہا۔ کدھر ہے وہ......؟''

دل آویز نے نظریں پھیر لیں۔ دل نشیں موبائل میں مصروف ہو گئی۔ فرح شاہ کندھے اُچکاتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی۔ پھر یکدم پلٹی اور حور کی طرف چھوٹا سا گفٹ پیک بڑھاتے ہوئے بولی: ''آپ کے لیے۔''

حور نے لاشعوری طور پر وہ گفٹ لے لیا۔ دونوں نندوں کی بھنویں تن گئیں۔

''بائی دا وے! آپ کے نصف بہتر کدھر ہیں؟ حالانکہ انہیں اس وقت آپ کے پہلو میں ہونا چاہیے تھا۔'' حور خاموش رہی تو فرح خود بولی:

''آپ کے ہاں مکس گیدرنگ نہیں ہے۔ کتنا آکورڈ لگتا ہے آج کے دور میں ایسا۔ میرا تو دم گھٹنے لگا ہے ایسا کچھ سوچ کر کہ میں ولیمہ کے روز تنہا بیٹھوں گی۔ مائی گاڈ، کتنا بیک ورڈ فیوچ ہے۔'' یہ کہہ کر فرح نے خود ہی ایک بے باک سا قہقہہ لگایا۔ دل نشیں سلگ گئی، تنک کر بولی

''اس کے باوجود بھی تم ولید کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔''

فرح، دل نشیں کی بات پہ ایسے کھلکھلائی جیسے کسی بچے کی بات کو ہنسی میں اُڑایا جائے۔

''مائی سویٹ ہارٹ! تم سے کس نے کہا ہے کہ میں ولید سے ہی شادی کروں گی۔''

''تو پھر کیوں ہر وقت ولید کے ساتھ چپکی پھرتی ہو۔''

''مائی گاڈ......!'' وہ ہنس پڑی۔ ''ویری سمپل، وہ میرا دوست ہے۔''

فرح نے جلانے والے انداز میں کہا اور ہنستے ہوئے وہاں سے چل پڑی۔ سامنے ہی اسے ولید نظر آ گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے۔

''دیکھو اس مجنوں کو، یہ بھی شرم نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔'' دل آویز کلس رہی تھی۔

یہ منظر نہ صرف دل آویز اور دل نشیں نے بلکہ حور نے بھی دیکھا تھا اور حور یہ بھی دیکھ

حیران رہ گئی تھی، بظاہر مکس گیدرنگ نہیں تھی۔ مردانہ ہال علیحدہ تھا اور زنانہ علیحدہ، اس کے باوجود بہت سے خواتین و حضرات خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ پھر بھی طارق کو یہاں آنے میں ہچکچاہٹ تھی۔ حور اُلجھنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر آنے کے بعد اس کا ابراہیم صاحب سے پہلی بار سامنا ہوا تھا۔ اس نے سلام کیا تو لاؤنج سے گزرتے ہوئے ابراہیم صاحب کے قدم رک گئے۔

ناچار انہیں سلام کا بھی جواب دینا پڑا اور سر پہ ہاتھ رکھ کر دعائیں بھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہزار کا ایک نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

حور نے پہلے وہ نوٹ دیکھا پھر ابراہیم کی طرف اور معصومیت سے بولی:

''ماموں! یہ کیوں؟''

وہ شرمندہ سے ہو گئے اور نظریں چُراتے ہوئے بولے:

''کل سے اب تک فرصت نہیں ملی کہ تمہیں سلامی دے سکوں۔ یہ تمہاری سلامی ہے۔''

''یہ آپ رکھیں، میری سلامی تو اُدھار ہے۔'' حور بے تکلفی سے بولی۔ ابراہیم صاحب تو چونکے ہی تھے، دلشاد بیگم اور ان کی بیٹیوں کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔ دوسرے ہی پل وہ ہنس پڑے اور آہستگی سے بولے:

''سلامی اس طرح واپس نہیں کرتے، سمجھیں! میں تمہارا سسر ہوں۔'' ان کا انداز گو کہ شفیق تھا مگر اس میں شرارت کی آمیزش بھی تھی۔

''سسر یوں راہ چلتے سلامی نہیں دیتے۔ میں بھی آپ کی بھانجی ہوں۔''

ابراہیم صاحب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ''آج بھی تم ویسی ہی ہو، جیسی اماں جی کی زندگی میں ہوا کرتی تھیں۔ ننھی منی سی، نٹ کھٹ سی۔'' حور مسکرا کر رہ گئی۔

''اچھا بتاؤ کیا لو گی سلامی......؟''

حور نے اشارہ کیا کہ کان ادھر لائیں۔ ابراہیم صاحب اس کی طرف جھک گئے۔ اس نے کان میں کچھ کہا تو وہ...... یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے سیدھے ہو گئے۔

حور نے کندھے اُچکا دیے۔ ابراہیم کی سنجیدگی نے سب کو متجسس کر دیا۔

”اچھا...... جاؤ جا کر آرام کرو۔ پھر ملاقات ہونے پہ بات ہوگی۔“

انہوں نے نرمی سے کہا تو وہ خوش ہوگئی اور اپنا بھاری لباس سنبھالتی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ ابراہیم صاحب بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تو دل آویز نے ٹھٹک کر ماں کی طرف دیکھا۔

”یہ تماشے...... میری برداشت سے تو باہر ہیں۔ ایک معمولی......لڑکی کو اتنا سر پہ چڑھایا جا رہا ہے۔ آپ تو کہتی تھیں کہ وہ اس گھر میں نہیں آئے گی۔ آ بھی گئی تو معمولی ملازمہ بنا کر رکھیں گی اسے، لیکن مجھے تو لگ رہا ہے چند ہی روز میں وہ ہماری چھٹی کروا دے گی۔“

”ایسی سوچ کیوں ہے آپ کی دل آویز آپا! ایسا بالکل نہیں ہوگا۔“ طارق نے محبت و اپنائیت سے بہن کا خدشہ دُور کرنے کی کوشش کی، لیکن دل آویز بکھر گئی۔ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے۔

”جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی ہے وہ ہمیں اور تم کہہ رہے ہو یہ فقط میری سوچ ہے۔ ماما نے زندگی بھر دادو کی ذلت و تحقیر سہی اور تحقیر میرے لیے محرومیوں کا سبب بن گئی۔ ایسا عذاب جس سے میں چاہوں بھی تو چھٹکارا نہیں پا سکتی۔“ یہ کہہ کر دل آویز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ طارق کی جان پہ بن گئی۔

”مگر ان سب باتوں کا حور سے کیا تعلق ہے......؟“

وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھا اور بس یہی اس کا سب سے بڑا گناہ تھا۔

”دیکھیں ماما! کیسے فیور کر رہا ہے یہ اپنی وائف کی۔ وہ کل آئی ہے اس کی زندگی میں اور ایک ہی رات میں یہ سب کچھ بھول بھال گیا۔“ اس الزام پہ وہ تلملا گیا۔

”میں نے یہی تو پوچھا ہے۔ ہمارے جو مسائل ہیں ان سے حور کا تعلق کیا ہے؟“

”ہاں...... ہاں......تم تو اب یہی کہو گے۔ تین سال سے میں اُجڑی بیٹھی ہوں، کب ہمدردی ہوئی کسی کو مجھ سے؟ میرے لیے ہی دیکھنا تھا ایسا بر، کیا میں لاڈلی نہیں تھی؟ ناز و نعم میں نہیں پلی تھی۔ دو کوڑی کی حیثیت ہوگئی میری سسرال میں، کوئی سپورٹ کرنے والا نہیں تھا۔ مسائل کا انبار پہلے دن ہی سر پر آن پڑا اور......تم......تم لوگ...... اپنی اپنی زندگی کی خوشیوں میں مست ہو۔“ یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

”تو......آپ کا مطلب ہے حور کے ساتھ وہی کیا جائے جو آپ کے ساتھ ہوا ہے۔ تب

آپ کے غم کا مداوا ہوگا۔“ ولید کے الفاظ آہنی ہتھوڑے کی طرح دل آویز کے سر پر پڑے تو وہ بلبلا گئی۔

”میرا مذاق اُڑا رہے ہو تم۔ میں کیوں کسی کا گھر اُجاڑنے لگی۔ پہلے بھی میں تو الگ تھلگ ہی رہتی تھی، خود کو اور قید کر لوں گی۔“ وہ پھر سسکنے لگی تو دلشاد بیگم کا کلیجہ ہل گیا۔

”یہ نہیں سمجھیں گے تیرے دکھ کو۔ مجھ سے پوچھ تجھے بیاہ کر کتنا پچھتائی ہوں۔“ وہ بیٹی کو گلے لگا کر دلاسے دے رہی تھیں۔

فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں جب طارق کمرے میں آیا۔ حور ابھی تک جاگ رہی تھی۔ وہ سونا چاہتی تھی لیکن ایک انجانی سی بے چینی اسے سونے نہیں دے رہی تھی اور وہ بے چینی کیوں نہ ہوتی، آخر اس گھر میں اسے دوسرا دن تھا لیکن جس کے توسط سے اس گھر میں آئی تھی، اس کی طرف سے محبت و اپنائیت کا کوئی احساس نہیں ملا تھا۔ لاکھ بولڈ تھی لیکن جذبات تو وہ بھی رکھتی تھی۔ جس شخص کو وہ بچپن سے چاہتی تھی، اس کی ہو کر بھی ادھوری تھی۔

طارق نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ پھر صوفے پہ بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔ حور چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

”تم سوئیں نہیں ابھی تک؟“ حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

طارق نے جوتے اتارے، پھر موزے۔ اس کے بعد کوٹ اتار کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی اور آنکھیں موند لیں۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔

”میرے مسائل بہت گمبھیر ہیں حور!“ وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولا۔

”میں تمہیں وہ خوشیاں نہیں دے سکوں گا جو تمہارا حق ہے۔“ اس کے بعد بہت دیر تک خاموشی رہی۔

شاید اس کی سماعتیں حور کی طرف سے کسی دلاسے کی متمنی تھیں، لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو خود ہی کہنے لگا:

”دل آپا ایک نفسیاتی کیس بن چکی ہیں۔ پتا نہیں اس کا ذمہ دار کون ہے، حالانکہ میں سمجھتا ہوں وہ بچپن سے ہی نفسیاتی مریضہ تھیں۔ میں جانتا ہوں بچپن سے انہیں وہم کا مرض تھا۔ وہ بار بار ہاتھ دھوتی تھیں۔ نہانے جاتی تھیں تو گھنٹوں باتھ روم میں بند رہتیں۔ ماما کبھی اس چیز کا نوٹس نہیں لیتی تھیں، لیکن...... بابا، دل آپا کی حرکتوں کا نوٹس لیا کرتے تھے۔ وہ

الگ تھلگ کیوں رہتی ہے، اسے صفائی کا اتنا کریز کیوں ہے، وہ عام بچوں کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتی؟ دل آپا، بہت ہی کم گو تھیں۔ وہ بابا سے کبھی فرمائش نہیں کرتی تھیں لیکن بابا انہیں ہمیشہ سب پہ فوقیت دیتے تھے اور دل آپا کو اس چیز کی عادت پڑ گئی، یعنی سہاروں کی عادت۔ بابا ہر دم انہیں سپورٹ کرتے تھے۔ جائز و ناجائز...... اگر میں یہ کہوں کہ بابا سب سے زیادہ دل آویز آپا کو چاہتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس محبت اور توجہ کو اب شیئر نہیں کر پائیں۔ سو تمہیں......"

طارق نے یہ کہہ کر آنکھیں کھولیں اور سیدھا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ حور سراپا سماعت بنی اسے سن رہی ہوگی اور اسے سننا بھی چاہیے تھا۔ یہ باتیں کوئی معمولی اور عام نہیں تھیں لیکن طارق یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ تو مزے سے سو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

دل آویز بستر پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ آج اگر اس میں بھی حور جتنا اعتماد ہوتا تو وہ یہاں نہ پڑی ہوتی۔ تین سال میں دو بچے تو اس کے بھی ہو ہی جاتے۔ تب زندگی کیسی مختلف ہوتی۔ بچوں کے تصور سے ہی اسے یکدم کراہت کا احساس ہوا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور نادیدہ اشیاء کو خود پر سے جھاڑنے لگی۔

بچے...... کلثوم کے بچے بھی تو بچے ہی تھے۔ وہ ایک پل بھی برداشت نہیں کرتی تھی انہیں۔ وہ زمین پہ کھیلتے کھیلتے اس کے بیڈ پہ چڑھ جاتے۔ کسی کی ناک بہہ رہی ہوتی تو کسی کی نیپی گیلی ہوتی۔ کلثوم ان باتوں کی پرواہ ہی نہیں کرتی تھی۔ اس نے تو بس پیدا کر کے انہیں چھوڑ دیا تھا۔

"دیکھو، تم لوگوں نے بستر کی ساری چادر خراب کر دی ہے۔"

اس نے اپنی بیڈ شیٹ کا حشر نشر ہوتے دیکھا تو برداشت نہ کر سکی۔

"آپ کو تو ہمارا کمرے میں آنا ہی بُرا لگتا ہے۔" دس سالہ تنزیل بدتمیزی سے بولا۔

"میں کہتی ہوں، نیچے اترتے ہو یا تمہاری امی کو بلاؤں؟"

"امی نے ہی تو ہمیں یہاں بھیجا ہے۔ وہ بازار گئی ہوئی ہیں شاپنگ کرنے، جب تک وہ نہیں آتیں ہم یہیں رہیں گے۔"

نبیل اور تنزیل نے تکیے اٹھا اٹھا کر ایک دوسرے پہ پھینکنا شروع کر دیے تھے۔

اسی دھینگا مشتی میں جوجو نے سوسو کر دی، حالانکہ جوجو تین برس کی ہونے والی تھی پھر بھی اسے کوئی تمیز نہیں تھی۔

"جوجو نے سوسو کر دی، جوجو نے سوسو کر دی۔"

اس کے بڑے بہن بھائی چھلانگیں لگاتے ہوئے بیڈ سے اتر گئے۔ دل آویز کے لیے یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت تھا۔

"تمیز نہیں ہے تمہیں۔ یہ تمہیں ٹوائلٹ نظر آ رہا تھا۔ اب کون صاف کرے گا اسے۔ میرا دس ہزار کا میٹرس ضائع کر دیا، جسے میں نے دس دن بھی استعمال نہیں کیا تھا۔"

"مائی گاڈ، کن جنگلی لوگوں میں پھنس گئی ہوں۔"

تب ہی فون کی بیل پر اس نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف دلشاد بیگم تھیں۔

"کیا کر رہی ہو دل؟"

"کچھ نہیں ماما! بس اپنی قسمت پہ رو رہی تھی۔"

"کیا ہوا، کچھ بتاؤ تو سہی؟" دل آویز نے ساری روداد کہہ ڈالی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں کچھ بھی دھونے یا صاف کرنے کی۔ ایسا ہی پڑا رہنے دو۔ اس کی ماں آ جائے تو اس سے دھلوانا۔"

"مگر ماما...... رمیض...... وہ کبھی نہیں مانے گا۔ وہ مجھے ہی کوئی بات کہہ کر ختم کر دے گا۔"

"اور تم اس کی باتیں سن لوگی، جیسا کہ ایک ماہ سے سنتی آ رہی ہو۔ کوئی چیز نہیں چھوڑی، ان آفت کے پرکالہ بچوں نے تمہاری۔ نرا گندگی کا ڈھیر۔ اب تمہارے کمرے کو ٹوائلٹ بنا لیں گے، تب بھی برداشت کر لوگی تم؟"

"ہرگز نہیں ماما! آپ کو پتا ہے مجھے گندگی سے کتنی الرجی ہے۔ میں ایک کام کرنے سے پہلے دس بار ہاتھ دھوتی ہوں اور یہ کلثوم، یہ گندے ہاتھوں سے کھانا بناتی ہے۔ مجھ سے تو دیکھ کر ہی برداشت نہیں ہوتا، کھانا تو درکنار۔"

"تو تم خود بنا لیا کرو اپنے لیے، کیوں تم کسی کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہو۔ یہ بات ہزار دفعہ تمہارے بابا اور میں بتا چکے ہیں تمہیں کہ اس گھر کی مالکن کلثوم نہیں، تم ہو۔ یہ گھر تمہارے میاں کی کمائی پہ چل رہا ہے، کلثوم کی نہیں۔ وہ طلاق لے کر یہاں آ بیٹھی ہے۔ کلثوم تو بوجھ ہے اس گھر پہ۔ میں تو کہتی ہوں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ اس کی یہاں سے چھٹی ہی ہو

جائے۔ کب تک اس گندگی کے ڈھیر کو برداشت کرو گی تم۔''

''میرا خیال ہے ماما! کوئی آ رہا ہے، میں فون بند کر رہی ہوں پھر بات کروں گی۔'' اس کے ساتھ ہی دل آویز نے فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

کلثوم ہانپتی کانپتی شاپنگ بیگز اٹھائے دل آویز کے کمرے میں چلی آئی۔ اپنی چادر اتھا کر ایک طرف پھینکی اور شاپنگ بیگز بیڈ پہ اچھال دیے۔

''ذرا ایک گلاس پانی تو پلانا، بہت تھک گئی ہوں۔ صرف بچوں کے یونیفارم لینے گئی تھی، اس میں ہی دو گھنٹے لگ گئے۔

دل آویز پانی پلانے کے بجائے کراہت سے شاپنگ بیگز کو دیکھ رہی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، کھول کر دیکھ لو۔ یونیفارم لائی ہوں بچوں کے۔'' کلثوم استہزائیہ بولی۔

''میں تو یہ دیکھ رہی ہوں نیا کپڑا جوجو کے پیشاب میں کیسے بھیگ رہا ہے۔''

''اف خدایا! جوجو یہاں پیشاب کر گئی۔ چلو خیر کوئی بات نہیں اس گدے کو اُلٹ دو۔''

''اُلٹ دوں؟'' دل آویز نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ہاں، ہاں پلٹ کر بچھا لو۔'' کلثوم نے لاپرواہی سے کہا۔ پھر وہ اپنے شاپنگ بیگز اٹھاتے ہوئے بولی: ''بچے تو ایسا کرتے ہی رہتے ہیں۔ آج نہیں تو کل تمہارے بچوں نے بھی تو یہی کچھ کرنا ہے۔''

''میں اب اس پر سو جاؤں، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ اسے دھوئیں تب ہی استعمال میں آ سکتا ہے۔''

''کیا مطلب؟ اتنے بھاری گدے کو میں اٹھا بھی نہیں سکتی، دھوؤں گی تو بھلا کیا۔'' کلثوم کی حیرانی عروج پہ تھی۔ ''مجھے لگتا ہے تمہیں ضرورت سے زیادہ وہم کا مرض لاحق ہے۔ معمولی معمولی باتوں پہ تمہیں اتنی کراہت آتی ہے۔ سچ سچ بتاؤ، میاں کے ساتھ تمہارا رویہ کیسا ہے؟'' یہ کہہ کر کلثوم ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

''میاں کے ساتھ رویہ؟'' دل آویز کو بہت کچھ یاد آنے لگا۔

پہلی بار جب رمیض اس کے نزدیک آیا تو اسے عجیب کراہت سی محسوس ہوئی تھی اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بہت چاہا کہ وہ اپنی اس کیفیت پہ قابو پا لے، لیکن اس کی ناپسندیدگی

رمیض سے چھپی نہ رہ سکی۔

''کیا بات ہے، تم اس طرح کیوں کر رہی ہو؟'' بالآخر رمیض پوچھنے پہ مجبور ہو گیا۔

''وہ...... وہ دراصل میری طبیعت شاید ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ اٹکتے ہوئے بتانے لگی تو رمیض کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''یعنی تمہیں خود بھی اندازہ نہیں کہ تمہاری طبیعت صحیح ہے یا غلط، امیر باپ کی بیٹی ہونا، اس لیے نخرے دکھا رہی ہو۔ اگر آج تمہارے ان نخروں میں آ گیا تو سمجھو ساری عمر بس نخرے اٹھاتے گزر جائے گی۔''

رمیض کی باتیں دل آویز کو بُری لگ رہی تھیں، لیکن وہ اسے کیسے بتاتی۔ اس کی بیزاری سے رمیض بددل ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے واش روم چلی گئی اور خود کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی اور پھر وہ تین گھنٹے کے بعد واش روم سے نکلی تھی۔

تیسرے دن ہی رمیض کی برداشت نے جواب دے دیا۔

''آخر کیا وجہ ہے جب میں تمہارے نزدیک آتا ہوں، جب ہی تمہاری طبیعت خراب ہونے لگتی ہے۔ ٹھیک طرح سے بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟'' اس نے ڈپٹ کر پوچھا کہ دل آویز سراسیمہ ہو گئی۔

''کہاں گم ہو، جواب کیوں نہیں دیتیں؟'' رمیض نے اسے گم صم پا کر جھنجھوڑ ڈالا۔

دل آویز رو پڑی، پھر رمیض نے لاکھ چپ کرانے کی کوشش کی لیکن وہ روتی ہی رہی۔ رمیض صوفے پر جا کر لیٹ گیا اور نجانے کب سو گیا۔

اور پھر...... دل آویز، ماں کے پہلو سے لگ کر بہت روئی۔ وہ ماں کو بتانے پہ مجبور ہو گئی کہ اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ دلشاد بیگم معاملہ فہم خاتون نہیں تھیں جو بیٹی کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرتیں۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ رمیض اس کے ساتھ نامناسب رویہ رکھتا ہے۔

''تمہیں اب سسرال جانے کی ضرورت نہیں۔ یہیں رہو، رمیض آئے گا تو میں اسے سمجھاؤں گی، اسے اندازہ نہیں ہے کہ ہم نے تمہیں کس قدر ناز و نعم میں پالا ہے۔''

جب دلشاد بیگم نے بیٹی کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو رمیض نے پھر ان کے گھر جھانکا تک نہیں۔ انہوں نے رمیض کو روزانہ ڈنر پر انوائیٹ کیا لیکن وہ نہیں آیا۔ وہ اور ہی مزاج کا مرد تھا۔ وہ شادی کے بندھن کو جی بھر کر انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ

انڈراسٹینڈنگ کس چڑیا کا نام ہے۔

رمیض نے اپنے دوستوں سے سن رکھا تھا کہ امیر گھرانوں کی لڑکیاں اپنی ناز برداریوں کے لیے ایسے ناز نخرے کرتی ہیں۔ فطرتاً رمیض بُرا نہیں تھا۔ وہ اس بندھن کو نبھانا چاہتا تھا لیکن جب اس نے دل آویز کا ایسا ہتک آمیز رویہ دیکھا تو سخت بددل ہوگیا۔ تب رمیض نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی یہ کہہ کر کہ اب وہ خود اس سے اپنے رویے کی معافی مانگے گی، تب یہ رشتہ استوار ہوگا۔ بھلا دل آویز ایسا کیونکر کرتی۔ اس کی تو ایک طرح سے جان ہی چھوٹ گئی تھی۔ بات رمیض کی حد تک نہیں تھی۔ دن بھر کلثوم کے بچے اس کے کمرے میں ہوتے۔ کوئی پردے سے ناک صاف کر رہا ہے تو کوئی اس کی بیڈ شیٹ کو گیلا کر رہا ہے۔ کارپٹ کا تو حشر ہی ہو جاتا۔ ٹوائلٹ بھی استعمال ہوتا تھا اور وہ دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتی۔ پھر ماں کو بتاتی تو ماں اُلٹے سیدھے سبق پڑھاتیں۔

''انہیں کمرے سے بھگا دیا کرو۔ کلثوم سے دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رمیض سے کہو کہ وہ اپنی بہن کا علیحدہ بندوبست کرے۔''

اب وہ ماں کو کیا بتاتی کہ رمیض تو رات کو اس وقت آتا ہے جب وہ سو چکی ہوتی ہے اور صبح بھی اس کے اٹھنے سے پہلے گھر سے نکل جاتا ہے۔ اس نے آج تک رمیض سے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ وہ رات کو دیر سے کیوں آتا ہے۔ اسے رمیض سے ابھی تک کوئی لگاؤ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ کبھی اس کا کوئی ذاتی کام بھی نہیں کرتی تھی۔ ابھی تک یہ سب کام کلثوم ہی کر رہی تھی۔

''رمیض اتنا غیر ذمہ دار نہیں تھا جتنا شادی کے بعد ہوگیا ہے۔ تمہاری موجودگی کے باوجود رمیض گھر سے باہر کیوں رہنے لگا ہے؟'' ایک دن کلثوم دل آویز سے پوچھ رہی تھی۔

دل آویز چونک گئی۔ اسے اندازہ تھا کلثوم یہ سوال ضرور کرے گی۔

''مجھے کیا معلوم، میں دو دن امی ابو کی طرف ہوتی ہوں، تو دو دن یہاں۔ مجھے کیا معلوم کہ ان کی مصروفیت کیا ہے؟'' اس نے نظریں چرا کر کہا۔

کلثوم ہنس پڑی اور دل آویز کی طرف دیکھ کر بولی: ''مجھے بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟''

''میری طرف سے تو کوئی معاملہ نہیں ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا تو کلثوم حیران رہ گئی۔

اب کلثوم کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ وہ تمام معاملات کا سنجیدگی سے جائزہ لے اور

جب اس نے نوٹس لینا شروع کیا تو اُلجھنے لگی۔ دل آویز میں عام لڑکیوں جیسی بات نہیں تھی۔ وہ تو ان لوگوں کے ساتھ کھانا بھی نہیں کھاتی تھی۔ کھاتی بھی تو اپنی الماری سے اپنی ذاتی ڈنر سیٹ کی پلیٹیں گلاس وغیرہ نکال کر لاتی، پھر کھانا کھاتی۔ انہیں خود دھو کر پھر واپس رکھ دیتی۔ کلثوم سوچتی کہ وہ اپنی امارت کا رعب جھاڑ رہی ہے، تو اگلے ہی پل کلثوم کو اس سوچ سے دستبردار ہونا پڑتا جب دل آویز اپنے کمرے کی خود صفائی کرتی اور ملازمہ کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتی۔ وہ نہانے جاتی تو تین گھنٹے سے پہلے باتھ روم سے نہیں نکلتی تھی۔ کلثوم صرف میٹرک پاس تھی۔ اس کے باوجود اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا کہ ضرور یہ کوئی نفسیاتی کیس ہے۔

''مگر اتنے دولت مند ماں باپ کی بیٹی اور ایسی حرکتیں؟ کیا اس کے ماں باپ اس بات سے ناواقف تھے؟''

''جب سے تمہاری شادی ہوئی ہے۔ تمہارے اندر کوئی خوشی، کوئی امنگ نظر ہی نہیں آتی اور تو اور، تم نے گھر سے بھی باہر رہنا شروع کر دیا ہے۔ آخر معاملہ کیا ہے؟'' رمیض چپ رہا۔

''مجھے بتاؤ رمیض! آخر کیا گڑبڑ ہے، کیا دل آویز تمہیں پسند نہیں آئی؟ بظاہر اس میں ناپسندیدگی والی تو کوئی بات نہیں۔'' رمیض اب بھی خاموش رہا۔

''کیا وہ تمہیں ناپسند کرتی ہے؟'' کلثوم نے آخر وہ بات پوچھ ہی لی، جو اس کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ رمیض کے دل میں کانٹا سا چبھا۔

''ہاں......!'' سناٹے میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اس نے بہن کے سامنے اعتراف کر لیا۔

''کیا مطلب ہے اور تم دستبردار ہوگئے؟'' کلثوم نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''مت کریں مجھ سے یہ سوال۔'' رمیض پھٹ پڑا۔ کلثوم، بھائی کا چہرہ دیکھ کر حق دق رہ گئی۔

''گویا میری زندگی کی طرح تمہاری زندگی بھی برباد ہوگئی۔''

اور یہ الفاظ دل آویز نے اپنے کانوں سے سنے تھے۔

''رمیض! تم بولتے کیوں نہیں، تم ایسے تو نہیں تھے۔ کیوں گونگے بہرے ہو گئے ہو۔ اگر تم اس سے خوش نہیں ہو تو......'' کلثوم چیخ پڑی۔

رمیض نے ہاتھ اٹھا کر کلثوم کو چپ کرا دیا۔ سامنے سے دل آویز آ رہی تھی۔

''کلثوم آپا! میں نہیں چاہتا کہ کوئی اپنی غلطی چھپانے کے لیے تمہیں نشانہ بنائے۔'' یہ کہہ

کر رمیض اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پھر کیا تھا، دل آویز، کلثوم کو پھانس کی طرح چبھنے لگی۔ اٹھتے بیٹھتے اس پہ طنز کرنے سے وہ باز نہ آتی۔

دوسری طرف رمیض کے دوست اس کی جان کو آ رہے تھے۔ کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ۔ رمیض اندر ہی اندر اُلجھنے لگا۔ دل آویز ماں کو سارے حالات بتاتی رہتی تھی۔ اس کے باوجود اس کے دل کا بوجھ ہلکا نہیں ہوتا تھا۔

زندگی کی کہانی سلجھتی ہی نہیں تھی۔ پھر رمیض اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر خود ہی دل آویز کی طرف بڑھا تھا لیکن دل آویز کا وہی خشک اور کھنچا کھنچا رویہ تھا اور ایک دن بالآخر وہ ہو گیا جو رمیض نہیں چاہتا تھا۔ طیش میں آ کر رمیض نے اس کو تھپڑ مار دیا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی۔ دل آویز اب ایک لمحے کو یہاں رکنے کو تیار نہیں تھی اور اس نے ماں کو فون بھی کر دیا تھا۔ دلشاد بیگم کے لیے یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو لینے گئیں تو رمیض نے دل آویز کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ دلشاد بیگم کو اس صاف جواب کی امید ہی نہ تھی۔ دلشاد بیگم گھر تو آ گئیں، مگر رو رو کر گھر سر پہ اٹھا لیا۔ ابراہیم صاحب کے لیے بھی یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا کہ ان کی لاڈلی چہیتی بیٹی کے ساتھ سسرال میں ایسی بدسلوکی ہو رہی تھی اور شوہر مارنے بھی لگا تھا تو ان سے رہا نہ گیا۔ وہ بیٹی کو لینے کے لیے خود آ گئے۔ وہاں آ کر ابراہیم صاحب نے داماد کے منہ سے جو لفظ سنے تو ان کی گردن جھک گئی۔ انہیں لگا جیسے ان کی سماعتیں سُن ہو گئی ہوں، جب رمیض نے کہا:

''آپ کی بیٹی دودھ پیتی بچی نہیں تھی جو اسے شادی شدہ زندگی کے معاملات کا پتا نہ ہو۔ اگر وہ اتنی ہی کم عقل تھی تو اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھنا تھا، کیوں میری زندگی برباد کی۔ جب اسے اس بات کا شعور آ جائے تو اسے میرے پاس بھیج دیجیے گا، ورنہ میری بہن میری دوسری شادی کا بندوبست کر رہی ہے۔''

ابراہیم صاحب کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی میں تو جو نقص ہے، وہ ہے۔ داماد بھی، باشعور اور سلجھا ہوا نہیں ہے جو اپنی بیوی کی کمزوری کو اس طرح اُچھال رہا ہے۔ اس سے زیادہ ابراہیم صاحب کو اپنی بیوی پہ افسوس تھا۔ چھ ماہ سے وہ ان حالات سے واقف تھیں، پھر کیوں نہ وہ ان حالات کو کنٹرول کر سکیں۔

دل آویز گھر کو آ چکی تھی۔ گھر میں خاموشی طاری تھی۔ ہر ایک دوسرے سے بدظن تھا۔ دلشاد بیگم، ابراہیم صاحب سے بدظن تھیں کہ شادی کا فیصلہ ان کا تھا اور ابراہیم ان سے بدظن تھے کہ انہوں نے انہیں آگاہ کیوں نہیں کیا۔ دل آویز اپنی کمزوری کے باوجود ماں اور باپ دونوں سے ہی بدظن تھی۔ کئی دن کے بعد یہ خاموشی تب ٹوٹی جب ابراہیم صاحب نے بیٹی کو سائیکاٹرسٹ کو دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس فیصلے سے دلشاد بیگم کو سخت تکلیف ہوئی۔

''ایک وقت تھا جب تم نے مجھے بھی نفسیاتی مریضہ قرار دیا تھا حالانکہ مجھے ان حالات تک پہنچانے والی تمہاری ماں تھی جنہوں نے مجھے اچھوت بنا دیا تھا جو اپنے پانی کے گھڑے کو بھی ہاتھ لگانے نہیں دیتی تھیں۔ آج تمہیں بیٹی پاگل نظر آ رہی ہے۔''

جب ڈاکٹر سمیع الحق نے دل آویز کی مکمل ہسٹری سنی، اس سے چند سوال کیے تو انہوں نے یہی سوال اٹھایا:

''دیکھیں، بچے کی جو غیر معمولی حرکات ہوتی ہیں۔ ان سے سب سے پہلے ماں آگاہ ہوتی ہے اور عادتیں محض مسلسل ایک ہی عمل کو دہرانے کا نام ہیں جو رفتہ رفتہ ہماری شخصیت کا حصہ بنتی جاتی ہیں۔ اگر یہ بچی بچپن سے ہی بہت سی چیزوں سے الرجک تھی تو یہ بات آپ لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہو گی۔''

ابراہیم صاحب نے بیوی کی طرف دیکھا، مجبوراً دلشاد بیگم کو ہی بولنا پڑا۔

''میں نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ یہ کن چیزوں سے الرجک ہے۔ ہاں، البتہ یہ بچپن سے ہی الگ تھلگ رہنے کی عادی تھی۔ کم گو ہونے کی وجہ سے اس کی کسی سے دوستی بھی نہیں تھی۔ یہ اپنے بہن بھائیوں میں چونکہ بڑی بھی تھی، اس لیے ان کے ساتھ بھی زیادہ کھیل کود پسند نہیں کرتی تھی اور سچ پوچھیں تو مجھے اس کی یہ سب عادتیں اچھی لگتی تھیں کہ اس نے مجھے بچپن سے لے کر اب تک بالکل نہیں ستایا اور اسی وجہ سے ہمارے دل میں اس کی خاص جگہ ہے۔''

ڈاکٹر سمیع ان کی بات بغور سن رہے تھے، آخر میں تھوڑا سا مسکرائے۔

''کیا آپ کے باقی سب بچوں میں بھی ایسی ہی عادتیں ہیں؟''

''نہیں، ہمارے دوسرے بچے ویسے ہی ہیں جیسے نارمل بچے ہوتے ہیں لیکن دل آویز بچپن سے ہی محتاط رہا کرتی تھی۔ یہ اپنی صفائی کا بھی بہت دھیان رکھتی تھی اور......'' یہ کہتے کہتے ابراہیم صاحب خاموش ہو گئے۔

''جی ہاں، بتایئے اور کیا؟''

''ڈاکٹر صاحب! مجھے ایک بات کھٹکتی تھی، جب دل آویز نہانے جاتی تھی تو بہت وقت لگاتی تھی۔ دوسرا یہ کہ یہ بار بار ہاتھ بھی دھویا کرتی تھی اور یہ بات میں اپنی مسز سے بھی کہا کرتا تھا۔ پھر دیگر بچوں میں اُلجھ کر ہم نے اس بات پر دھیان دینا چھوڑ دیا۔''

''کیا آپ کی اب بھی یہی عادت ہے؟'' ڈاکٹر سمیع نے دل آویز کی طرف دیکھا۔

دل آویز نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''کیا آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ صاف نہیں ہوئیں اور اسی وجہ سے آپ ہاتھ دھونے کا عمل بھی دہراتی رہتی ہیں؟''

''پتا نہیں ڈاکٹر صاحب! لیکن اب یہ عادت اتنی پختہ ہوگئی ہے کہ نہ کروں تو بے چینی سی محسوس ہوتی رہتی ہے۔''

دل آویز کے اعتراف پہ ڈاکٹر سمیع نے ابراہیم اور دلشاد بیگم کی طرف دیکھا۔

''بظاہر آپ خوش حال خاتون لگتی ہیں، لیکن پھر بھی پریگنینسی میں، کسی دباؤ، کسی ذہنی ٹینشن میں تو مبتلا نہیں تھیں آپ؟''

ڈاکٹر سمیع کا یہ سوال کرنا تھا اور دلشاد بیگم کی نظروں میں اپنے ماضی کی فلم چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

کیسا وقت تھا وہ جب اسے محض بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی سزا میں علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ ان کے برتن ان کا سب کچھ، بالکل الگ تھلگ ہوکر رہ گئی تھیں، حالانکہ یہ کوئی بڑی خرابی نہیں تھی۔ اماں جی چاہتی تو اس بات کو نظر انداز بھی کر سکتی تھیں۔ ابراہیم صاحب، ماں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اماں جی گوارہ نہیں کرتی تھیں کہ وہ اپنی بیوی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں اور ابراہیم صاحب نے بھی اس بات پہ احتجاج نہیں کیا۔ اس دوران ابراہیم صاحب کا کاروبار زوال پذیر ہونے لگا تو اماں جی نے برملا کہنا شروع کر دیا:

''بہو کا پاؤں اچھا ثابت نہیں ہوا۔'' دلشاد گھٹ کر رہ گئیں۔

دلشاد کا وقت تنہائی میں گزرتا یا والدین کے گھر۔ اس دوران دل آویز پیدا ہوئی۔

دلشاد کے ساتھ سسرال میں بدسلوکی کی وجہ سے ان کے اپنے گھر والوں کا رویہ ان کی بچی کے ساتھ کھنچا کھنچا سا رہتا۔ خصوصاً ان کی ماں، دل آویز کو پسند نہیں کرتی تھی۔ بیٹی کو وہ دل و جان

سے اپنے ہاں رکھتیں لیکن نواسی انہیں کانٹے کی طرح چبھتی۔ وہ برملا کہتیں، یہ اپنی دادی جیسی ہے۔ اپنی بچی کے ساتھ میکے والوں کے رویہ پر دلشاد زیادہ تر سسرال میں ہی رہنے لگی۔ دل آویز، ابراہیم صاحب کی پہلی اولاد تھی۔ اس لیے دادی اسے اپنے پاس رکھا کرتیں، اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتیں اور دلشاد کو بار بار ٹوکتی رہتیں کہ اسے کبھی اُلٹے ہاتھ سے کھانا نہ کھلائے۔

پھر جلد ہی دلشاد دوبارہ امید سے ہوگئیں۔ دل آویز مستقل دادی کے پاس رہنے لگی۔ بار بار کی روک ٹوک کی وجہ سے دل آویز ذری سہمی سی رہا کرتی تھی کیونکہ اماں جی بھی وقت کے ساتھ ساتھ ذرا چڑچڑی ہوگئی تھیں۔ ان ہی دنوں دلشاد کا پانچ ماہ کا حمل ضائع ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے وہ چارپائی سے لگ کر رہ گئیں۔ تب ابراہیم صاحب نے دلشاد کی طرف توجہ دینا شروع کی۔ وقت گزر رہا تھا۔ دل آویز نے چلنا، بولنا اور کھانا پینا سیکھ لیا تھا۔ اب دلشاد کے بیٹی کی وجہ سے اماں جی سے تعلقات استوار ہو رہے تھے۔ دل آویز کے بعد جلد ہی طارق بھی آ گیا۔ پوتے کی ولادت پہ اماں جی کی خوشی دو چند ہوگئی تھی۔ طارق کے بعد دلشاد کی صحت گری گری رہتی تھی جس کی وجہ سے ان کی توجہ بیٹی پر نہ تھی۔

اسی دوران اسماعیل کی بھی شادی ہوگئی۔ گھر میں دوسری بہو آ گئی۔ شازیہ نے گھر میں آتے ہی اپنی جگہ بنا لی۔ وہ اماں جی کے دل سے لے کر گھر بھر پر چھا گئی۔ دلشاد بڑی بہو ہوتے ہوئے بھی وہ حیثیت نہ پا سکیں جو شازیہ کے حصے میں آئی۔ اس وجہ سے سب سے زیادہ جلن اور کھنچاؤ کا شکار دلشاد رہا کرتیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ابراہیم صاحب نے خاموشی سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ دلشاد کے ساتھ اماں جی کا رویہ ٹھیک نہیں تھا اور اسی وجہ سے دلشاد کی صحت بھی متاثر ہوئی تھی۔ انہوں نے علیحدہ رہائش اختیار کر لی۔ اپنا گھر، اپنی راج دھانی پا کر دلشاد بہت خوش تھیں، لیکن اس خوشی کو پاتے پاتے اس نے کیا کچھ کھویا تھا انہیں آج وقت گزر جانے کے بعد احساس ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابراہیم صاحب بیوی اور بیٹی کے ہمراہ ڈاکٹر کے ہاں سے واپسی پر سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہیں احساس ہو رہا تھا، ان سے کتنی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اپنے مسائل میں اُلجھ کر ان کو یہ بھی ہوش نہیں کہ بچے کن عادتوں کو اپنا رہے ہیں۔ وہ عادتیں درست بھی ہیں یا نہیں۔

''کیا سوچ رہی ہو دل آویز؟'' کچھ دیر خاموشی کے بعد دلشاد بیگم نے بیٹی سے کہا۔

''کچھ نہیں ماما...... ! سوچ رہی ہوں کیا مجھے سائیکاٹرسٹ کے پاس بہت پہلے چلے جانا چاہیے تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو کیا میری زندگی میں یہ مسائل نہ آتے؟''

دلشاد بیگم نے تڑپ کر بیٹی کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو کہ تم بیمار ہو اور تمہیں واقعی کسی نفسیاتی معالج کی ضرورت تھی۔ یہ تو ہم لوگ بس یونہی تمہیں یہاں لے آئے تھے۔ تم بالکل ٹھیک ہو۔ ہے ناں ابراہیم! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟'' دلشاد بیگم نے ابراہیم صاحب کو خاموش پا کر متوجہ کیا۔

''ہوں!'' ابراہیم صاحب کی ہوں توقف کے بعد اُبھری، جو سوچوں سے بوجھل ہو رہی تھی۔

''اچھا بات سنیں، ہمیں کسی اچھے سے ہوٹل میں چلتے ہیں۔ آج ڈنر اور کافی باہر ہی پیتے ہیں۔ کیوں دل آویز؟'' دلشاد بیگم نے مسکراتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھا تو دل آویز نے بُرا سا منہ بنا لیا۔

''نہیں ماما...... ! آپ کو پتا ہے، میں کبھی بھی ہوٹلنگ پسند نہیں کرتی۔ میں نے تو کبھی ہوٹل کا کھانا نہیں کھایا۔ نجانے کیسے کیسے گندے ہاتھ یہ لوگ استعمال کرتے ہیں۔''

دلشاد بیگم اور ابراہیم کو یکدم دھچکا سا لگا تھا۔ یہ کچھ نیا تو نہیں تھا، طارق یا ولید کبھی سوپ، فرائی فش، رائس یا کچھ اور لے آتے۔ سوائے اس کے سب ہی چکھ لیتے تھے۔ صرف وہی ناک منہ چڑھاتی اور کہہ بھی دیتی تھی۔

''معلوم نہیں تم لوگ یہ کیسے کھاتے ہو...... مجھے تو دیکھ کر ہی کراہت آتی ہے۔''

تب ہی اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا نوٹس لیا جاتا تو آج یہ مسئلہ اتنا بڑا نہ ہوتا۔ ابراہیم صاحب اور دلشاد بیگم دل ہی دل میں یکساں سوچ میں گھرے ہوئے تھے۔

''اگر آپ لوگوں نے ڈنر کرنا ہے تو آپ لوگ چلے جائیں۔ اتنے میں، میں تھوڑا سا میوزک سن لوں گی۔ ویسے بھی مجھے بھوک تو ہے نہیں۔ گھر جا کر دودھ کا ایک گلاس ہی پیوں گی۔''

دل آویز نے ماں باپ کو گم صم پا کر ٹوکا تو ابراہیم صاحب کو بولنا ہی پڑا۔

''تم چڑیا جتنا کھانا کھاتی ہو۔ جب ہی تمہاری صحت اتنی کمزور ہے اور دل نشیں تم سے بڑی لگنے لگی ہے۔''

''فار گاڈ سیک بابا! آپ کو اچانک میری صحت کی فکر کیوں ہوگئی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں،

ایک دم فٹ۔''

''نہیں دل آویز! تم ٹھیک نہیں ہو۔ اچھی صحت، اچھی سوچ کے باعث ہوتی ہے۔ دراصل ہم نے تمہاری صحت پہ توجہ ہی نہیں دی، ورنہ آج تم ایسی نہ ہوتیں۔''

''کیا مطلب ہے بابا! میں کیسی نہ ہوتی، کیا کمی ہے مجھ میں؟ کیا میں ابنارمل ہوں، کم شکل ہوں، کم تعلیم یافتہ ہوں، ذہنی مریضہ ہوں، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' دل آویز یکدم چڑ گئی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' ابراہیم صاحب نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

''آپ کا مطلب یہی تھا جب ہی تو آپ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔''

''لیکن ڈاکٹر نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔'' ابراہیم صاحب نے بیٹی کو بکھرتا دیکھ کر بہلانا چاہا۔

''ڈاکٹر نے ایسی بات نہیں کی تو رمیض کیوں کرتا تھا، کیوں مجھے وہمی کہتا تھا۔ کیوں مجھے زچ کرتا تھا ان باتوں سے جن سے مجھے نفرت تھی۔ یہ میری زندگی ہے، میں جیسے مرضی چاہے جیوں۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں میری زندگی پہ جبر کرنے کا اور اس جبر کی ابتداء آپ نے کی۔ مجھے اس جاہل کے پلے باندھ دیا جو عورت کی قدر کرنا نہیں جانتا۔ میری زندگی برباد کر دی ہے آپ لوگوں نے۔'' یہ کہتے کہتے دل آویز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

دروازے پر ٹھک ٹھک ہو رہی تھی۔ جب دل آویز کو آنسو اپنے گالوں پہ بہتے محسوس ہوئے۔ نجانے کب سے دروازہ بج رہا تھا اور وہ خیالات کی یورش میں اتنی بہہ گئی تھی کہ اسے وقت کا بھی پتا نہ چلا۔ دل آویز نے آنسو صاف کیے اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے ملازمہ کھڑی تھی۔

''دل آویز بی بی! آپ کو بڑی بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔ کہہ رہی ہیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، کھا لیں آ کر۔''

دل آویز نے اُچٹتی سی نگاہ ملازمہ پہ ڈالی، پھر واپس اپنے بستر میں آ گئی۔

''ان سے کہو مجھے بھوک نہیں ہے اور ہاں، ذرا ہیٹر جلاتی جانا۔ ٹھنڈ بہت ہو رہی ہے اور یہ جگ میں پانی بھی گدلا ہو رہا ہے۔ ہاتھ دھو کر اس جگ کو بھی اچھی طرح صاف کر کے پانی رکھ جانا۔''

یہ کہہ کر دل آویز نے لحاف منہ پہ ڈال لیا۔ ملازمہ کمرے میں آ گئی۔ پہلے اس نے ہیٹر آن کیا، پھر جگ دھو کر پانی بھر لائی، پھر شش و پنج میں کھڑی رہی، پھر ہمت کر کے بول پڑی:

''دل آویز بی بی!'' دل آویز نے منہ سے لحاف ہٹایا۔ ''ایک بات کہوں آپ سے۔ آپ اس طرح کب تک بھوکی پیاسی رہ کر زندگی گزاریں گی۔ اس کمبخت نے آپ کی قدر نہیں کی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آپ اپنی جان کو یوں ہلکان کریں۔''

''تم سے کس نے کہا ہے کہ میں اس کے غم میں ایسا کر رہی ہوں؟'' دل آویز کا لہجہ ترش تھا۔ ملازمہ گڑبڑا گئی۔

''نہ جی، مجھے کون کہے گا۔ مجھے تو آپ کی حالت پہ خود ہی ترس آتا ہے۔'' دل آویز نے چبھتی ہوئی نگاہیں ملازمہ پہ جما دیں۔

''تم کون ہوتی ہو مجھ پہ ترس کھانے والی؟''

''نہ بی بی جی! توبہ توبہ میں بھلا کی کمین آپ پہ ترس کی باتیں کروں۔ وہ تو جی مجھے آپ سے اور دل نشیں بی بی سے دلی لگاؤ ہو گیا ہے، اس لیے بول بھی پڑتی ہوں۔ گناہ گار زبان ہے ناں جی، اس لیے پھسل بھی جاتی ہے۔ ویسے ایک بات کہوں، اپنی نئی نویلی بھاوج کو دیکھیں، دو دن ہوئے ہیں اس گھر میں آئے ہوئے اور کیسے دندناتی پھر رہی ہے، جیسے برسوں سے اسی گھر میں رہ رہی ہو۔''

''ہو گئی تمہاری بکواس ختم؟''

''جی، جی!'' ملازمہ کے لب سل گئے۔

''اب تم جا سکتی ہو۔'' ملازمہ کے جانے کے بعد دل آویز نے اپنا سر تھام لیا۔

☆ ☆ ☆

طارق لاؤنج سے گزر رہا تھا کہ دل نشیں کو فون پہ محو پا کر اس کے قدم رک گئے۔ آج وہ دل نشیں میں بہت سی تبدیلیاں محسوس کر رہا تھا۔ خصوصاً فون پہ مصروفیت تو اس کی کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ پردے کے پیچھے کھڑا رہا۔

دل نشیں اتنی منہمک تھی کہ اس نے کسی کی آہٹ محسوس ہی نہیں کی۔

''دیکھو بات یہ ہے، اس روز جو کچھ بھی ہوا اس میں سراسر عامر کا قصور تھا۔ اسے تو اپنے رویے پہ ذرا بھی ندامت نہیں ہوئی اور تم تھے کہ ندا سے معافیاں مانگنے چلے گئے۔''

''ہاں مجھے بُرا لگا۔ تمہیں اچھی طرح پتا ہے ندا کتنی پراؤڈ لڑکی ہے۔ اس نے صرف مجھے زچ کرنے کے لیے تمہیں نیچا دکھایا ہے۔''

''فارگاڈ سیک، تمہیں پتا ہے اپنے گروپ میں کس طرح اِترا اِترا کر تمہیں ذلیل کیا ہے اس نے؟''

''اس بات کی تکلیف سب سے زیادہ مجھے ہو رہی تھی، اچھی طرح جانتی ہے وہ۔''

''ہاں، سب جانتے ہیں کہ میں تمہارے لیے حساس ہو جاتی ہوں۔'' دل نشیں کا لہجہ دھیما اور معنی خیز تھا، پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''یعنی میرے منہ سے سننا چاہتے ہو تم......؟ بائی داوے اتنے نادان تو تم بھی نہیں ہو۔''

یہ کہہ کر دل نشیں پھر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی شرارتی تھی۔

طارق پردے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دوسرے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ دل نشیں نے طارق کو دیکھ کر بات مختصر کرتے ہوئے فون بند کر دیا اور چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ طارق تذبذب میں بیٹھا رہا کہ کیا کرے۔ ماں اور باپ کی توجہ دل نشیں اور معیز پہ بالکل بھی نہیں تھی۔ ولید کو وہ ایک طرح سے اپنے ہاتھوں سے کھو چکے تھے۔ معیز بظاہر ماں باپ کے سامنے جی حضوری کرتا رہتا لیکن درپردہ اس کے حالات بھی ٹھیک نہیں تھے۔ طارق اس کے دوستوں سے مل چکا تھا اور معیز کو بُرا بھلا بھی کہہ چکا تھا جس کا اثر یہ ہوا تھا کہ اس نے طارق کے سامنے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

طارق کچھ سوچتے ہوئے دل نشیں کے کمرے میں آ گیا۔ دل نشیں یونیورسٹی جانے کے لیے اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی۔

''آج کوئی خاص فنکشن ہے یونیورسٹی میں، جو خاص تیاری ہو رہی ہے؟'' اس کے لباس کی طرف دیکھتے ہوئے طارق نے ملائمت سے پوچھا تھا۔

دل نشیں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کندھے اُچکائے ہنستے ہوئے بولی:

''آج صبح صبح میرے کمرے میں آنے کی کوئی خاص وجہ ہے کیا؟''

وہ پہلے ہی یہ بات محسوس کر چکا تھا جب سے اس کی شادی ہوئی تھی، دل نشیں اس کی پہلے کی طرح عزت نہیں کرتی تھی۔

''کیوں، کیا میں پہلے تمہارے کمرے میں کسی خاص وجہ کے تحت آتا تھا؟'' طارق

مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے پہ دل نشیں کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

''طارق بھائی! کوئی کام تھا مجھ سے؟''

''کام تو میں تم سے پہلے بھی نہیں کرواتا تھا۔ ہاں، البتہ ضروری بات کرنی ہے۔ میں نے ابھی تمہاری فون پہ گفتگو سنی تھی۔'' یہ کہہ کر طارق نے ذرا توقف کیا، پھر دل نشیں کی طرف دیکھ کر بولا:

''یہ بات شاید میں نظرانداز بھی کر دیتا لیکن کچھ دن سے میں تمہارے اندر غیر معمولی تبدیلیاں محسوس کر رہا ہوں۔ جب گھر کی گاڑی اور ڈرائیور تمہیں پک اینڈ ڈراپ کرتے ہیں اس کے باوجود تم اپنی دوستوں کے ساتھ کیوں آتی ہو؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' دل نشیں انجان بن کر بولی۔

''کبھی کبھار میرے پیریڈز فری ہوتے ہیں، تب میں اپنی دوستوں کے ساتھ آ جاتی ہوں۔''

''جانتا ہوں، لیکن فی میل دوستوں کے ساتھ آنا جانا اور بات ہے اور میل دوستوں کے ساتھ آنا جانا اور بات۔''

''فار گاڈ سیک۔'' دل نشیں نے گویا مذاق اُڑایا۔

''جب میں کو ایجوکیشن میں تعلیم حاصل کر رہی ہوں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میرے دوست میل ہوں یا فی میل۔''

''فرق پڑتا ہے، کیوں فرق نہیں پڑتا؟ ہم لوگ کتنا بھی ترقی پسند بن جائیں لیکن اپنی روایات سے انحراف نہیں کر سکتے۔''

''میں جانتی ہوں ان سب باتوں کو۔'' دل نشیں کو جیسے اُکتاہٹ محسوس ہوئی تھی۔ ''اور ماما بابا بھی جانتے ہیں سب کچھ۔ انہوں نے مجھ پہ اعتماد کیا ہے، میرے لیے یہی بہت ہے۔''

''ان کا اعتماد کرنا سب کچھ نہیں ہے۔ تمہارا اعتماد برقرار رکھنا سب کچھ ہے۔ لڑکوں سے اس طرح باتیں کرنا اور مراسم بڑھانا، ہمارے خاندان کا شیوہ نہیں ہے۔ اگر تم نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو سمجھ لینا تمہیں پہلے ہی سال یونیورسٹی کو خیر باد کہنا پڑے گا، کیونکہ ماما بابا نے میری ہی سفارش پہ تمہیں یونیورسٹی جوائن کرنے کی اجازت دی تھی۔''

یہ کہہ کر طارق کمرے سے نکل گیا اور دل نشیں حق دق رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

''اصل میں بات یہ ہے کہ آپ سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

''اچھا!'' حورالعین، ولید کی بات پہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''حالانکہ آج تک مجھے تو ایسا نہیں لگا کہ تم نے مجھ سے اپنے دکھ شیئر کیے ہوں۔''

''ارے بابا! دکھ سکھ تو دُور کی بات ہے، یہاں تو نارمل بات چیت کے لیے بھی انسان نہیں ملتے۔''

''حالانکہ تم بہن بھائیوں کی عمروں میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے۔'' حورالعین نے تعجب سے کہا۔ ''اس کے باوجود بھی ہم لوگوں میں بے تکلفی نہیں ہے۔ مل بیٹھ کر ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنا، دکھ درد شیئر کرنا یا کچھ اور...... ایسا ماحول ہمارے گھر میں کبھی بنا ہی نہیں۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ......؟'' حورالعین، ولید کے مقابل بیٹھ گئی۔

دل آویز آپا شروع سے ہی الگ تھلگ رہنے کی عادی تھیں، رہی سہی کسر ان کی شادی نے پوری کر دی۔ ان کی شادی ناکام ثابت ہوئی۔ ایک تو کریلا، اوپر سے نیم چڑھا۔ طارق کو شروع سے ماما بابا کی نظروں میں اچھا بننے کا شوق تھا۔ اس لیے وہ ہمیشہ ان کی چمچہ گیری میں لگا رہتا تھا۔ مجھے اپنے دوست گھر سے باہر بنانا پڑے۔''

''یہ اور بات ہے کہ تمہیں سب ہی دوست لڑکیاں ملیں، لڑکے نہیں۔'' حور نے گویا اس کا مذاق بھی اُڑایا تھا۔ ولید اس بات پہ دل کھول کر ہنسا۔

''لڑکے بھی دوست ہیں لیکن لڑکیوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں نا وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ، بس انہی میں وقت گزر جاتا ہے۔''

''خیر سے کتنی ہیں؟'' حور نے چھیڑا۔

''یوں تو بہت ساری ہیں، مگر خاص دو تین ہی ہیں۔''

''دو تین یعنی ایک بھی خاص نہیں ہے۔'' اس نے جتایا تو ولید ہنسنے لگا۔

''کیا تمہاری اس ہابی پہ لے دے نہیں ہوتی؟'' وہ یکدم سنجیدہ ہو گئی۔

''روز مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم ملتا تھا لیکن اب یہ چیپٹر بھی کلوز ہو گیا۔ وہ اب کچھ نہیں کہتے، وہ میرے گرنے کی حد دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''اور تم گر کر دکھا رہے ہو؟'' حور نے افسوس سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں صرف اپنی من پسند زندگی گزار رہا ہوں۔ میں کسی دوسرے کی زندگی نہیں جی سکتا۔

زندگی کے چار دن ہیں اور بس۔'' ولید کی بات پہ حور کے چہرے پہ اداسی چھا گئی۔

''میں بھی یہی سمجھتی تھی کہ زندگی کے چار دن ہیں اور بس۔''

''لیکن شادی کے بعد آپ کا سارا جوش ختم ہو گیا ہے ناں۔ یہاں کی آب و ہوا ہی ایسی ہے۔ زندہ انسانوں کا سانس رکنے لگتا ہے۔'' ولید نے حور کی بات مکمل کی، پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا:

''ایک بات پوچھوں آپ سے، سچ سچ بتائیں گی؟'' حور نے استفہامیہ نگاہ ڈالی۔

''طارق کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟''

حور ہنس پڑی۔ اس کے لیے یہ سوال غیر متوقع ہی نہیں، دلچسپ بھی تھا۔

''تمہیں زیادہ اندازہ ہونا چاہیے۔ آفٹر آل وہ تمہارا بھائی ہے۔''

''ایک بات کہوں، وہ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک نہیں ہے۔ ایک دن وہ خود پچھتائے گا۔ خیر چھوڑیں اس بوسیدہ موضوع کو۔ چلیں میں آپ کو کہیں گھما پھرا کر لاتا ہوں، جو آپ کی من پسند جگہ ہو، وہاں سے آئس کریم کھا کر آتے ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھا تو حور نے ہچکچاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، پھر گھڑی کی طرف۔ شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

''میرا خیال ہے پھر کبھی چلیں گے۔'' فی الحال اسے یہی جواب بن پڑا۔

''کیا مطلب؟ آپ کو میرے ساتھ جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے؟ بُرا سہی لیکن رشتوں کا احترام کرنا جانتا ہوں۔''

''ارے بھئی، تم میری بات کا غلط مطلب سمجھے۔ میرا مطلب تو صرف اتنا تھا کہ...... کم از کم ماما سے تو پوچھنا پڑے گا اور وہ گھر پر نہیں ہیں۔''

''کم آن، اتنی سی بات تھی۔ آپ ایسا کریں طارق سے فون پہ پوچھ لیں۔ پوچھنا بھی کیا ہے، بس اسے بتا دیں کہ آپ میرے ساتھ ذرا باہر تک جا رہی ہیں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں، اس نے خود تو اس بات کا خیال نہیں کیا، شاید میرا سن کر اسے خیال آ جائے۔''

ولید کے کہنے پہ حور منہ کھولے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کیسے طارق سے پوچھ سکتی تھی۔ طارق اور اس کے درمیان ایسا رشتہ ہی کب بنا تھا۔ ابھی تک تو ڈھنگ سے بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی، حقوق و فرائض تو درکنار۔

''کہاں کھو گئیں؟'' اسے متذبذب پا کر ولید نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ کچھ

کھسیانی سی ہو گئی۔

''پتا نہیں، یہ سب ٹھیک بھی ہے یا نہیں؟''

''گویا اندر سے آپ بھی وہی بودی، بے وقوف اور بزدل ہیں۔'' پھر یکدم سنجیدہ ہو کر بولا: ''میں تو آپ کو بہت مختلف لڑکی سمجھتا تھا۔ آئی مین، بولڈ اینڈ بریو، تب ہی تو آپ نے سلامی میں بابا سے کیمرے والا موبائل فون مانگا تھا۔ اگر آپ معمولی لڑکی ہوتیں تو سسر سے ایک دم ایسی فرمائش نہ کرتیں۔'' نجانے ولید اس پر طنز کر رہا تھا یا اسے سراہ رہا تھا۔

''وہ میرے سسر ہی نہیں ماموں بھی ہیں۔'' حور چیخ سی گئی تھی۔ حور کو بہرحال دھچکا لگا تھا۔

''گویا اس بات کو گھر میں سب نے بُرا سمجھا ہے۔'' شاید اسی لیے موبائل فون دیتے ہوئے طارق غصے میں تھا۔

''تم نے بابا سے موبائل فون کی فرمائش کی تھی؟'' وہ غصے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس سے قبل وہ کچھ بولتی، وہ خود ہی بھڑک کر بول پڑا:

''اپنی ضرورت کی اشیاء کی مجھے لسٹ بنا دینا۔ اپنی ضرورتوں کے لیے میں نے کبھی ماں باپ کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اور تمہارے لیے بھی بھیک نہیں مانگوں گا۔'' اس کے الفاظ تھے کہ تیر، حور کی روح لہولہان ہو گئی۔

''میں نے کسی سے بھیک نہیں مانگی۔ ماموں ہیں وہ میرے۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''آواز کو نیچا رکھو۔ اگر تم بابا سے بیس لاکھ کی گاڑی مانگتیں تو بھی وہ تمہیں انکار نہ کرتے۔ یہ تو صرف بیس ہزار کا موبائل سیٹ تھا۔''

طارق کی کنپٹیاں غصے سے سلگ رہی تھیں۔

''مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی ضرورتوں کا ڈھنڈورا پیٹ کر تم مجھ پہ کیا جتانا چاہتی ہو؟''

''بس کریں پلیز، بس کریں طارق!'' حور رو پڑی تھی۔ ''یہ سلامی کا تحفہ تھا جو انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ فرمائش کر کے لوں۔''

''سلامی ہاہ!'' طارق طنزیہ مسکرایا۔

''اگر ایسا کچھ معاملہ تھا تو انہوں نے خود زحمت کیوں نہیں کی، مجھے درمیان میں کیوں گھسیٹا۔ یہ تحفہ تھا تو وہ تمہیں اپنے ہاتھ سے دیتے، میرے ہاتھ کیوں بھجوایا۔ صرف تمہاری نیچر مجھ پہ ثابت کرنے کے لیے فارگاڈ سیک۔'' طارق نے عالم طیش میں سر تھام لیا۔

''کیا تم اتنی نادان ہو، جس گھر میں تمہیں کسی نے خوش آمدید نہیں کہا، وہ لوگ تمہیں سلامی دینے کی چاہ میں بیٹھے ہوں گے؟ تم نے خود مانگ کر تحفہ لیا، کتنی گھٹیا ہو تم۔ یہی مسئلہ ہے تمہارا کہ تم معاملات کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتیں۔''

ولید نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونک پڑی۔

''کہاں کھو گئیں، بھابھی جان......؟''

''کہیں نہیں، میرا خیال ہے پھر کبھی چلیں گے۔''

''پھر کبھی نہیں، آج اور ابھی......''

ولید نے ضد کرتے ہوئے حور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا۔ سامنے ہی دل نشیں کھڑی تھی۔ وہ ولید کو کمرے میں دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

''دل نشیں! آؤٹنگ کے لیے جا رہے ہیں ہم لوگ۔ تم چلو گی ہمارے ساتھ؟'' ولید لاپرواہ انداز میں بولا۔

''آج کل کیا باہر کی دوستیاں ختم کر دیں جو گھر میں نظر آنے لگے ہو؟''

دل نشیں کی نظریں چبھتی ہوئی اور لہجہ معنی خیز تھا۔

''سب کچھ چلتا ہے۔'' ولید لاپرواہی سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

دل نشیں مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ حور تو پہلے ہی جانا نہیں چاہتی تھی، دل نشیں کے تاثرات سے مزید ٹھٹھک گئی۔

''اگر تم جانا چاہ رہی ہو تو چلی جاؤ۔ میں تو یہ بتانے آئی تھی کہ تمہارے گھر سے فون آیا تھا۔ غالباً تمہاری سٹپ مدر تھیں۔'' دل نشیں نے چباتے ہوئے کہا اور جانے کے لیے مڑ گئی۔

حور اس کے پیچھے پیچھے نیچے آ گئی۔

''فون ہولڈ پہ رکھا ہوا ہے یا......؟'' اس نے پوچھا۔ دل نشیں نے کوئی جواب نہیں دیا اور صوفے پہ بیٹھ کر ٹی وی آن کر لیا۔ حور نے فون اٹھایا، لائن کٹ چکی تھی۔

''شاید لائن کٹ گئی۔'' حور نے زیرِ لب کہا۔

دل آویز اور دل نشیں دونوں ہی صوفے پہ ایستادہ تھیں۔

''تم فون ملا لو۔ کیا تمہیں اپنے میکے کا فون نمبر یاد نہیں؟'' دل نشیں طنزیہ مسکراہٹ سے بولی۔

''ویسے اتنی آسائش میں آنے کے بعد تو تم اپنے پچھلوں کو بھی بھول گئی ہو گی۔ فون نمبر تو بہت معمولی سی چیز ہے۔'' یہ کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑی۔

حور کا دل چاہا تھا کہ ان کے پاس بیٹھے اور ان سے باتیں کرے لیکن اس کا دل یکدم ٹوٹ سا گیا تھا۔

وہ اسے جواب دے سکتی تھی مگر چپ چاپ مڑنے لگی۔ تب ہی دل نشیں بولی: ''بائی دا وے تم لوگ جا کہاں رہے تھے؟'' دل آویز نے ٹی وی کی آواز کم کر دی اور بہن کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''یہ ولید کے ساتھ آؤٹنگ پہ جا رہی تھی۔''

''میں......نہیں جا رہی تھی۔ ولید خوامخواہ کی ضد کر رہا تھا۔'' حور نے دل نشیں کی بات کاٹی۔

''ایسی ضد اس نے کبھی ہمارے ساتھ تو نہیں کی۔'' دل آویز کا لہجہ تیکھا تھا۔

''یہ تو آپ ولید سے ہی پوچھیں۔'' حور کو یوں کٹہرے میں کھڑے ہونا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

''ماما اور بابا کی بریفنگ دل آویز کے مسئلے کا حل نہیں ہے۔ آپ جیسی لڑکی سے دوستی اس کے مسئلے کا حل ہے۔ اگر آپ کی تھوڑی سی بولڈنیس دل آپا میں منتقل ہو جائے تو اس گھر کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔''

''ہونہہ!'' اس نے ولید کی گزشتہ گفتگو کو ذہن سے جھٹکا تھا۔

''دیکھا اس کا طمطراق......'' حور کے جانے کے بعد دل نشیں نے دل آویز کو اُکسایا۔

''کیسے قابو کر رہی ہے یہ ایک ایک فرد کو، جبکہ ماما کہتی تھیں، اول تو وہ اس گھر میں آئے گی نہیں اور آ بھی گئی تو صرف ملازمہ بن کر رہے گی اور اب ماما کو پرواہ ہی نہیں ہے۔''

''تو تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے ایسے لوگوں کی پرواہ کرنے کی؟'' دل آویز نے بظاہر بے نیازی ظاہر کی تھی، جبکہ اندر ہی اندر وہ بھی حور کے وجود سے چڑتی تھی۔

''آپ کو تو ایسی ہی عادت ہے ہر چیز سے یکدم قطع تعلق ہو جانا۔ آپ بھی تو سسرال میں رہتی تھیں۔ اتنی آزادی کون دیتا ہے، جس طرح یہ دندناتی پھرتی ہے۔''

''دل نشیں! ہزار بار کہا ہے تم سے، میری ذات کو درمیان میں مت گھسیٹا کرو۔ اب ان گئے گزرے لوگوں کے لیے کیا میں ہی مثال بنوں گی۔''

دل نشیں......دل آویز کے رویے پہ اندر ہی اندر کڑھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

طارق کمرے میں داخل ہوا تو حور بیڈ پر بیٹھی کپڑے تہہ کرنے میں مصروف تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے طارق کے کپڑے خود دھوئے تھے۔ اب تہہ کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ دو سوٹ پریس کر کے ہینگر کر دے گی۔ اسی خیال کے تحت اس نے دو سوٹ دوسری جانب رکھ لیے۔ وہ طارق کا ہر کام خود کرنا چاہتی تھی، مگر حالات کو دیکھتے ہوئے خاموش تھی۔

صبح جب وہ آفس جانے کے لیے تیار ہوتا تھا تو وہ اسے کن اکھیوں سے دیکھتی رہتی اور من ہی من میں سوچا کرتی کہ وہ اسے کوٹ پہنائے، اپنے پسند کے رنگ کی ٹائی باندھے، اپنے ہاتھوں سے کلون چھڑکے اور اپنے ہاتھ سے بنا ناشتہ کھلائے۔ اس دوران اس کی والہانہ نظروں کی رم جھم پھوار اس پہ برستی رہے۔ وہ جو بچپن سے ہی من ہی من میں اس کو چاہتی آئی تھی، آج اس کے قریب ہو کر بھی کتنی دُور تھی۔

وہ طارق کی قمیص ہاتھ میں لیے سوچوں میں گم تھی۔

''یہ میرے کپڑے یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' طارق صوفے پہ بیٹھ کر جوتے اتارتے ہوئے بولا۔

حور چونک گئی۔ پھر سنبھلتے ہوئے بولی: ''میں نے دھوئے تھے، تہہ کر رہی ہوں۔''

''تم نے...... تم نے دھوئے تھے کپڑے؟'' طارق کو خاصا اچنبھا ہوا تھا۔ حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں کہ تم نے میرے کپڑے کیوں دھوئے؟'' طارق اس کے جواب نہ دینے پر چڑ گیا تھا۔

''ماما نے ماسی سے کہلوایا تھا کہ میں آپ کے کپڑے نیچے نہ بھیجوں، اوپر ہی دھولیا کروں۔'' وہ کپڑے الماری میں رکھنے لگی تھی۔ طارق کو دھچکا لگا لیکن غصہ حور پہ ہی آیا۔

''تم نے غور کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟''

''میں کیا سوچتی اس بارے میں۔ انہوں نے کہا، سو میں نے کر لیا۔''

اس کی بے نیازی پہ طارق کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہونہہ......! اپنا وقار و عزت قائم رکھنا ہر ایک کا مزاج نہیں ہوتا۔ حقیقت تو یہی ہے کہ تم

ان ہی معمولی کاموں کے لائق ہو۔'' یہ کہتے ہوئے طارق نے اپنے موزے اتارے اور پاؤں سیدھے کرتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا لی۔

حور کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ جو الماری میں کپڑے رکھ رہی تھی، پلٹ کر طارق کے سامنے آ گئی۔

''میرے ساتھ اتنا ہی کرو طارق! جتنا میں برداشت کر سکوں۔ اچھی طرح جانتے ہو تم مجھے۔ میں کیا ہوں اور کیا کر سکتی ہوں۔'' وہ غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھی۔ اس کے سرخ ہوتے چہرے کو طارق نے بغور دیکھا۔

''کیا ہو تم...... اور کیا کر سکتی ہو، بتاؤ؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ حور نے منہ پھیر لیا۔ وہ یکدم بالکل اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

''بتاؤ، کیا کچھ کر سکتی ہو تم؟'' حور کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا۔

''کیا میرا تمہاری زندگی میں آنا تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا؟'' اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''ان جذباتی باتوں سے تم مجھے متاثر کرنا چاہتی ہو تو سنو۔ میں اس طرح متاثر نہیں ہو سکتا، انڈر اسٹینڈ۔'' وہ دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''میں کیوں متاثر کرنے کی کوشش کروں گی تمہیں۔ میں اس طرح یہاں نہیں رہ سکتی۔'' وہ بھڑک کر بولی۔

''ٹھیک ہے تو پھر چلی جاؤ یہاں سے۔ یہاں تو سب کچھ ایسا ہی رہے گا، حتیٰ کہ میں بھی......'' اپنی ہتک پہ وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔ وہ اسے ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''میں، میں چلی جاؤں گی یہاں سے، ایک دن ضرور چلی جاؤں گی، لیکن تمہیں اس چیز کا احساس دلا کر جاؤں گی طارق......! کہ محبت کس کو کہتے ہیں۔ آج میں تڑپ رہی ہوں، کل تم تڑپو گے۔ بس تمہارے اس خول کو توڑنا ہے۔ جسے تم نے خود پہ...... حور العین سے بچنے کے لیے چڑھا رکھا ہے۔'' اشکوں سے بھری آنکھیں اس نے بے دردی سے ہتھیلی سے رگڑ ڈالی تھیں۔

''یہ رومال لے لو، آنسو اس میں چھپ جاتے ہیں۔'' وہ گویا اس کی بے بسی سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''اس میں آنسو ہی نہیں...... اکثر چہرے بھی چھپ جاتے ہیں، اس لیے اس کی ضرورت

آپ کو زیادہ ہے۔"

وہ پلٹنے لگی تو طارق نے اسے بازوؤں میں لے لیا اور اس کی نم آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا: "کیوں آنسو بہا رہی ہو، کون سے مظالم ڈھا رکھے ہیں میں نے تم پہ......؟"

حور حق دق رہ گئی اور بلبلا کر اس کے بازوؤں کا گھیرا توڑنے کی کوشش کی تو وہ طنزیہ مسکرا کر بولا:

"یہی تو منافقت ہے تمہاری۔ بات کرو تو تمہیں نیند آ جاتی ہے، قریب آؤں تو تم بھاگنے کی کوشش کرتی ہو، پھر کس بات کی شکایت ہے تمہیں مجھ سے؟"

حور ابھی تک خود کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ اس کی سانسیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔

"یہ اکڑ لمحوں میں ختم ہو جائے گی اور میرے اوپر تمہارا کچھ قرض بھی باقی نہیں رہے گا۔ تھوڑا سا اپنی سطح سے نیچے اترنا تو پڑ رہا ہے لیکن...... مجبوری اور بس......" وہ بے چارگی سے ڈرامائی انداز سے ہنسا تھا۔ حور جل کر خاک ہو گئی۔

"مجھے تمہارے کسی احسان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھا......!" وہ اس کی طرف دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کہاں اس کا لمبا چوڑا سراپا اور کہاں اس کا دھان پان سا وجود...... اتنی سختی تھی اس کے حصار میں کہ وہ اس کے سینے سے جا لگی تھی۔

اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ تب ہی اس نے طارق کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔ طارق اس حملے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ یکدم اس کے بازو ڈھیلے پڑے اور وہ آزاد ہو گئی۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا تھا۔

"حورالعین اتنی معمولی نہیں ہے۔ وہ پورے وقار کے ساتھ تمہارے گھر میں آئی ہے اور اسی وقار کے ساتھ تمہاری زندگی میں بھی شامل ہو گی اور اس کے لیے تمہیں اپنی سطح سے نیچے نہیں، ایک ہی سطح پہ رہ کر اس کا استقبال کرنا ہو گا۔ بصورت دیگر وہ ساری عمر یوں بھی گزار سکتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں کھلا چیلنج تھا۔

طارق ہنس پڑا جیسے کسی بچے کی بات پہ ہنس پڑتے ہیں، پھر مزے سے بیڈ پہ نیم دراز ہوتے ہوئے بولا:

"ایک بات کہوں تم سے...... شاید تمہیں میری نرمی نے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ تم

بہت بہادر ہو اور ایسے معمولی ہتھکنڈوں سے پناہ کا راستہ اختیار کر لو گی۔" وہ اپنے بازوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن مسز طارق! بات سنو، یہ صرف تب تک ہے جب تک میں چاہوں۔ جب میں ہی ہٹ دھرمی پہ اتر آؤں گا تو تم کیا کرو گی۔"

اس کی ہنسی...... حورالعین کو نہایت گھٹیا لگی تھی۔

"میں سمجھتی تھی...... تم پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے انسان ہو لیکن یہ میری غلط فہمی تھی۔ تم بھی عام سے گھٹیا مرد ہو جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا۔ اسے صرف ایک "چیز" سمجھتا ہے، لیکن حورالعین تمہاری کسی ضرورت کا سامان نہیں بنے گی۔" وہ ہنس پڑا۔

"تم یوں کرو ماما کی تنظیم جوائن کر لو۔ اچھی خاصی تقریر کرنا آتی ہے تمہیں۔"

اس کے طنز پہ حور کلس کر رہ گئی اور دروازہ پٹختے ہوئے باہر نکل گئی۔ طارق اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"بہت بے وقوف ہو حورالعین! تمہاری یہی بیوقوفیاں مجھے نقصان پہنچا رہی ہیں، لیکن تم سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔" اس نے اپنے بازو پہ ہاتھ رکھا جہاں اب بھی میٹھا میٹھا درد محسوس ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بہت دنوں سے میں سوچ رہی تھی کہ آپ سے بات کروں لیکن آپ کی مصروفیت شاید ایسی ہے کہ گھر کے لیے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔"

وہ ابراہیم صاحب کے اسٹڈی روم میں ان کے مقابل بیٹھی ہوئی تھی۔

"آج سب لوگ باہر گئے ہوئے تھے تو میں نے سوچا......"

وہ جھجکتے ہوئے بول رہی تھی جو اس کی فطرت کو جانتے ہوئے ابراہیم صاحب کو بہت مختلف لگا تھا۔

"ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں۔ دراصل میری مصروفیت کچھ ایسی ہی ہے۔ رات دیر سے گھر آنا، صبح جلدی چلے جانا۔ اکثر میرے بچوں کو بھی مجھ سے یہی شکایت ہوتی تھی لیکن اب سب نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ تم سناؤ، تمہارا دل لگ گیا یہاں......؟"

"دل......!" حور کو یہ لفظ عجیب سا لگا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم بہت چپ چپ سی رہنے لگی ہو یا میں ہی محسوس کر رہا ہوں۔"

حور نے سر جھکا لیا۔

یہ وہی ماموں تھے جو سب سے زیادہ نانو کے پاس آتے تھے اور سب سے زیادہ اسے پیار کرتے تھے اور اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ پورا کرتے تھے۔ وہ کبھی ان کے کندھوں پہ جھول رہی ہوتی تھی تو کبھی ان کی گود میں بیٹھی نانو کی اور ان کی باتیں محویت سے سن رہی ہوتی تھی۔ نانو سے سب ہی بدل گئے تھے، حتیٰ کہ ماموں بھی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہی ہو؟'' ابراہیم صاحب نے کتاب بند کر کے ساری توجہ اس کی طرف کر لی۔ حور نے چہرہ اٹھایا اور سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

''یہی کہ میں نے تمہاری سلامی کا تحفہ تمہیں خود کیوں نہیں دیا۔ حور بیٹا! بات یہ ہے، بہت سی مجبوریاں انسان کو بُری طرح بے بس کر دیتی ہیں۔ میں خدانخواستہ کسی کے زیرِ اثر نہیں ہوں لیکن میں اپنی دونوں بچیوں کے معاملے میں بہت حساس ہوں۔ دل آویز کو سسرال میں وہ خوشیاں نہیں ملیں جو اس کا حق تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے کسی عمل سے دل آویز کا دل دکھے اور وہ خود کو تنہا محسوس کرے۔ وہ بہت حساس ہے اور دن بدن اکیلی ہوتی جا رہی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ابراہیم کے چہرے پہ دکھ کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں۔

''فی الحال میں نے طارق کا ہنی مون کا پروگرام بھی کینسل کروا دیا ہے، صرف اسی وجہ سے۔ میرا خیال ہے تم سمجھدار ہو، سمجھ سکتی ہو۔''

حور نے حیرت سے ابراہیم صاحب کی طرف دیکھا۔ آنسو گویا دل پہ گرا تھا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی، کیا حساس دل آویز ہی ہے؟ کیا دل آویز کے ہی سینے میں دل دھڑکتا ہے؟ کیا صرف وہی انسان ہے؟ کیا صرف اسی کا استحصال ہوا ہے؟ میرے ساتھ جو ہو رہا ہے، وہ کیا ہے؟

وہ صبح کے واقعہ کو یاد کرتے ہوئے انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے بیٹھی تھی۔

طارق نے صبح اسے یہ حکم دیا تھا کہ وہ کچن کی ذمہ داری سنبھال لے، وہ یہاں صرف روٹیاں توڑنے نہیں آئی ہے۔ وہ کام چور کبھی بھی نہیں تھی اور اسے تو دل لگانا تھا، وقت گزارنا تھا، خواہ کاموں میں ہی لگ کر۔ جب وہ کچن میں آئی تو دل آویز اپنے لیے ناشتا بنا رہی تھی۔

''لائیں آپی! میں بنا دیتی ہوں آپ کا ناشتا۔''

''آ...... پی!'' دل آویز نے حیرت سے حور کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... آپی......!'' میں آپ کا ناشتہ بنا دیتی ہوں۔''

''وَٹ ڈو یو مین، آپی؟ ماما بتاتی ہیں، تم مجھ سے بڑی ہو۔ تب تو ماما کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، جب سے تم دادو کے پاس ہوا کرتی تھی۔'' وہ ہنس پڑی۔

''آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ نانو بتاتی تھیں، میں تو ولید سے بھی چھوٹی ہوں۔''

''ضرورت سے زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرو۔''

''میں نے ایسی کون سی بات کی ہے جس سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔''

حور کا اتنا کہنا تھا کہ دل آویز نے چلّانا شروع کر دیا۔

''ماما...... ماما...... ماما! کہاں ہیں سب لوگ؟'' دلشاد بیگم فوراً کچن میں آ گئیں۔

''کیا مسئلہ ہے دل......! صبح صبح کیوں چلّا رہی ہو؟''

یکدم وہ حور کو دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

''ماما! کیا اب میں کچن میں بھی نہیں آ سکتی؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' دلشاد بیگم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھا، پھر اس کی جانب کڑوی نظر سے دیکھتے ہوئے بولیں: ''کیا کہا ہے دل کو......؟''

''میں نے تو کچھ نہیں کہا۔''

''کچھ نہیں کہا تھا، یہ ناشتہ ایسے ہی چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔'' اس نے دیکھا، دل آویز کچن سے نکل چکی تھی۔

تم ہماری کچھ نہیں لگتیں۔ صرف اس کی لگتی ہو جو تمہیں خدا ترسی میں بیاہ کر لایا ہے، یتیم مسکین سمجھ کر۔'' ان کا اشارہ ابراہیم صاحب کی طرف تھا۔

''مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری بیٹیوں سے بیر باندھ بیٹھو۔''

''مامی! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔'' حور نے وضاحت کی کوشش کی۔

''میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں، تم کو جو تربیت ملی ہے اسے اپنے تک ہی محدود رکھنا تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔'' پھر باہر جاتے جاتے مڑیں۔

''دل آویز...... بارہ سے ایک کے درمیان ناشتہ کرتی ہے اور دن بھر میں وہ صرف ناشتہ ہی لیتی ہے۔ اس کے سر پر سوار ہو کر اس کی واحد غذا بھی ختم مت کر دینا۔''

ان کے جانے کے بعد حور کو اپنا آپ نہایت کمتر لگا تھا۔

اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب یہ قطرے اس کی جھولی

میں گر کر اس کا دامن تر نے لگے۔ ابراہیم صاحب کی نگاہ پڑی تو وہ یکدم خاموش ہو گئے۔

''تم رو رہی ہو بیٹا؟'' چند ساعتیں خاموشی سے سرک گئیں۔ ''تم خوش نہیں ہو بیٹا!''

ان کی نگاہیں حور کے چہرے پر ٹکی تھیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی نظریں نہ چُرا سکی۔

☆ ☆ ☆

''معیز رات ہی آیا ہے۔ اس کے لیے خصوصی ڈشز تیار کروالینا۔ شام کو ماما کے چند گیسٹ بھی آئیں گے، کھانا اچھا بننا چاہیے۔ لاؤنج کی صفائی تمہیں خود کھڑے ہو کر کروانا پڑے گی، کیونکہ ماما کے خصوصی گیسٹ آ رہے ہیں۔ میرے کپڑے بھی شام کو تیار ہونے چاہییں اور ہاں اپنا حلیہ بھی درست کر لینا۔ کام کاج کے لیے اتنے ملازمین موجود ہیں، اس کے باوجود تم ماسی بنی پھرتی ہو۔ تمہیں شاید پتا نہیں ماما کو ایسے بکھرے اور گندے حلیے سے کتنی چڑ ہے۔ کسی دن انہوں نے غور کر لیا نا تو تمہاری اچھی خاصی کلاس ہو جائے گی۔''

وہ آئینے میں ٹائی باندھتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا، جو بستر کی چادر درست کر رہی تھی۔ لمبی سی بالوں کی چوٹی ایسے ہی بکھری اور اُلجھی پڑی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کا پرنٹڈ سوٹ جو وہ تین دن سے دیکھ رہا تھا۔

''گھر کے ملازمین بھی کیا سوچتے ہوں گے؟'' کڑھتے ہوئے وہ جوتے پہننے لگا تھا۔

''تو گویا میں اپنا حلیہ اس لیے درست رکھوں کہ ملازمین آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے اور ماما...... انہیں گندگی سے نفرت ہے۔ اس لیے مجھے سج سنور کر رہنا چاہیے، ہے نا......؟'' وہ جھٹکے سے سیدھی ہو چکی تھی۔ ''تو میری بات سنیں، ماما کے چہیتے فرزند! میں ماما کے نکاح میں نہیں آئی ہوں۔ میں جس کے نکاح میں آئی ہوں، جب اسے ہی پرواہ نہیں تو مجھے دوسروں کے لیے سجنے سنورنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''تمہاری یہ ہٹ دھرمی مجھے ہمیشہ سے زہر لگتی ہے اور تم یہ اچھی طرح سے جانتی ہو۔''

''اور آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہٹ دھرمی نہیں ہے۔ بائی دا وے یہ گھریلو کاموں کی ذمہ داری آپ نے اٹھا رکھی ہے جو بھی کام ہوتا ہے۔ آپ ہی آرڈر جاری کرتے ہیں۔ یہ آپ سے، آپ کی ماما کہلواتی ہیں یا بچپن سے یہ آپ کی ذمہ داریوں میں شامل تھا؟''

وہ حور کی بات پہ چکرا سا گیا۔ ظاہر ہے دل میں شرمندگی بھی محسوس ہوئی تھی مگر اس شرمندگی کو ظاہر کر کے وہ چھوٹا نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''جب گھر میں خواتین کی کارکردگی صفر ہو گی تو ظاہر ہے مردوں کو تو انوالو ہونا پڑے گا۔''

اسے کہنے کے بعد احساس ہوا کہ وہ یہ جملہ کہہ کر خود پھنس گیا ہے۔

''اوہ...... ہو...... اچھا...... اب سمجھی۔ اس گھر کی خواتین اتنی پھوہڑ اور غیر ذمہ دار ہیں کہ آپ کو یہ کام سنبھالنا پڑتا ہے۔ تو پہلے بتاتے نا، اب آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں آ گئی ہوں نا، ملازموں کے سارے عیش ختم۔'' وہ چٹکی بجا کر بولی تو وہ بھنا گیا۔

''ضرورت سے زیادہ ہوشیار بن رہی ہو، حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنی قابل ہو۔''

''ظاہر ہے، آپ تو میرے بچپن کے استاد رہ چکے ہیں۔ یہ جو میں تھوڑی بہت آپ کی عزت کرتی ہوں صرف اسی بنیاد پہ کرتی ہوں ورنہ آپ کو آتا ہی کیا ہے، سوائے غرّانے، چلاّنے اور......''

اس کے ساتھ ہی حور کی زبان بند ہو گئی۔ طارق نے سختی سے اس کی کلائی دبوچی تھی۔

''اور......؟'' وہ غراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

تب ہی طارق کا موبائل فون بج اٹھا۔ حور جو یکدم ٹپٹا گئی تھی، فوراً متحرک ہو گئی اور چہک کر بولی: ''فون اٹینڈ کر لیں ہو سکتا ہے ماما کا ہی ہو...... کہیں انہیں مزید کام نہ یاد آ گیا ہو۔''

یکدم اس کو یاد آیا کہ ماما نے پارلر جانا تھا اور وہ اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ اس نے جھٹکے سے حور کی کلائی چھوڑ دی اور اپنے سیل پہ نمبر دیکھتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ حور تاسف سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

''پورے لان کا ستیاناس کر رکھا ہے۔ کم از کم...... بے موسمی پودوں کو تو ایک کر دیا کریں تا کہ جنگلی گھاس نہ نکلے۔''

وہ مالی سے اُلجھتے ہوئے مٹی کی گوڈی کر رہی تھی، پھر تھک گئی تو کھرپی مالی کو تھما دی۔

''مجھے تو اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ یہاں میری شکل دیکھنے کو کھڑے ہیں۔ جلدی سے کام نمٹائیں۔'' وہ ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہی تھی۔

دل آویز کسی کام سے باہر نکلی تھی۔ وہ حور کو لان کی صفائی کرتا دیکھ کر بھڑک گئی۔

''مالی بابا! کیا ڈرامہ ہو رہا ہے یہاں......؟'' مالی حور کی شکل دیکھنے لگا۔

''انہیں بتاؤ کہ ہم لان کی صفائی کر رہے ہیں اور بلکہ تقریباً کر چکے ہیں۔'' حور نے مالی

سے کہا تو وہ پریشان ہو گیا۔

''یہ جواب آپ خود دے دیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔''

''یہ سارے لان کا کیا ستیاناس کر ڈالا ہے اور یہ کیا کیا، ساری ہی بیلیں کاٹ دیں۔'' دل آویز چیخ پڑی۔

''میں اندر جا رہی ہوں۔ فارغ ہو جاؤ تو مجھ سے مل لینا۔ میں نے نئے پودے منگائے ہیں۔'' حور یہ کہہ کر اندر چلی گئی۔ مالی اپنی شامت کے لیے منتظر کھڑا تھا۔

''کس نے کہا تھا تم سے یہ سب کرنے کے لیے؟'' دل آویز بُری طرح بھڑک چکی تھی۔

''کسی نے نہیں جی، میری ہی مت ماری گئی تھی۔ اس لیے میں نے سارا لان چٹیل کر دیا۔ یہ لیں جوتی اور یہ میرا سر......'' مالی سر پکڑ کر دل آویز کے سامنے بے چارگی سے بیٹھ گیا تھا۔ دل آویز غصے سے اسے گھورتی رہی پھر جز بز ہوتی اندر چلی گئی۔

مالی نے سر اٹھایا، بلا ٹل چکی تھی۔ تشکر سے آسمان کی طرف دیکھا۔ لاؤنج کی سیٹنگ کرانے کے بعد حور بے حد مطمئن تھی۔ اب اسے دل جمعی سے کھانا پکانا تھا اور اس کے بعد پھر اپنی تیاری۔

☆ ☆ ☆

مکمل تیاری کے بعد اس نے تنقیدی نگاہ خود پہ ڈالی۔ نمایاں قد، چھریرا جسم جس پہ بلیک ساڑھی غضب ڈھا رہی تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑنا اچھا نہیں لگا تو اس نے انہیں جوڑے کی شکل دے دی تھی۔ ہلکے سے میک اپ نے اس کو ایک منفرد شکل دے دی۔ پاؤں میں نفیس سی چھوٹی ہیل والی چپل تھی جسے پہن کر چلنے پھرنے میں اسے کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں تھی۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے آویزے اور چھوٹا نیکلس۔ کانچ کی چوڑیاں البتہ اس نے کلائیاں بھر کر پہنی تھیں۔

وہ کمرے سے نکل رہی تھی۔ تب ہی طارق سے ٹکراؤ ہو گیا۔ وہ تو اس کا روپ دیکھ کر ساکت ہی رہ گیا تھا۔ وہ اسی بے نیازی سے آگے بڑھنے لگی تو طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تم...... اتنی جلدی تیار ہو گئیں۔ تمہیں پتا ہے ابھی صرف آٹھ بجے ہیں، جبکہ گیسٹ دس بجے تک آئیں گے۔'' وہ شاید اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

''تو مجھے ایسا کون سا کام کرنا ہے جو میری تیاری خراب ہو جائے گی اور گیسٹ دس کے

بجائے نو بجے بھی تو آ سکتے ہیں۔''

''تمہیں نہیں معلوم، ماما کے سارے فنکشن لیٹ ہوتے ہیں۔ اس لیے اس حلیے میں باہر چلنے پھرنے سے بہتر ہے یہیں بیٹھی رہو۔''

کسی نہ کسی بہانے سے اسے باہر جانے سے روکنا تو تھا ناں۔

''کچن میں بہت سارا کام پڑا ہے۔ اوون میں روسٹ رکھا ہے، کھیر پہ ابھی بادام کاٹ کر ڈالنا ہیں اور ہاں گرین ٹی بھی بنانا ہے۔''

''افوہ......! سارے کام کیا تمہارے ہی ذمہ ہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولا تو حور حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

طارق کو فوراً ہی احساس ہو گیا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

''اچھا...... جاؤ...... مجھے بھی تیار ہونا ہے۔'' حور کھڑی رہی، پھر توقف سے بولی:

''کیا مرد بھی ہوں گے اس پارٹی میں......؟''

''پتا نہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولا تھا۔

حور نے پھر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اسی طرح جھنجھلاتا واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حورالعین پوری محفل میں ہر لحاظ سے نمایاں تھی۔ جہاں کھانے کی تعریف ہوتی تھی، وہاں حورالعین کے حصے میں داد آتی تھی۔

''آخر مہمانوں کو یہ بات کس نے بتائی ہے کہ کھانا ان محترمہ نے بنایا ہے؟'' دل نشیں کلستے ہوئے دل آویز سے پوچھ رہی تھی۔

جبکہ دل آویز جواب دینے کے بجائے سوچ رہی تھی کہ آئے دن ماما کی ایسی تقریبات ہوتی ہیں۔ کبھی اتنی گہما گہمی نہیں ہوتی جتنی آج ہے۔ اگر وہ بھی ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں دلچسپی لے تو حور سے بھی زیادہ داد حاصل کر سکتی ہے اور اگر آج یہی سب کچھ اس نے کیا ہوتا تو آج پوری محفل کی جان وہ ہوتی۔ ہر ایک اس میں دلچسپی لے رہا ہوتا۔ اس کا لباس، اس کا انداز کچھ بھی تو ایسا نہیں تھا کہ پہلی بار تعارف کے بعد کوئی اس سے بات بھی کرتا۔ آخر اس نے ایسی بات پہلے کیوں نہیں سوچی؟

حور اب سب کو قہوہ پیش کر رہی تھی۔ اس کا لباس، اس کا انداز، وہ ہر ایک سے اس طرح مل رہی تھی جیسے برسوں سے انہیں جانتی ہو۔ وہ پورے ماحول پہ چھا گئی تھی۔

دل آویز کا دل چاہا اٹھ کر جائے اور اسے ابھی کہیں غائب کر دے، منظر سے ہٹا ڈالے۔

''دل! قہوہ لو گی؟'' حور کی آواز پہ وہ چونک پڑی۔ دل آویز کو اس کے سامنے اپنا آپ بہت چھوٹا اور معمولی لگا۔

''بہو بہت خوبصورت ہے تمہاری۔ ایسی بہو اگر میرے بیٹے کے لیے مل جائے تو میرا بڑھاپا سنور جائے۔'' کوئی خاتون کہہ رہی تھیں۔

دلشاد بیگم مسکرا مسکرا کر مبارک باد وصول کر رہی تھیں اور دل ہی دل میں اپنی بیٹیوں پہ کڑھ رہی تھیں جو خوش شکل اور پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اس صلاحیت سے محروم تھیں۔



''جو دھوکا میں نے دل آویز کے معاملے میں کھایا ہے، اب میں اس سے بچنا چاہتی ہوں۔ میں پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا گھرانہ تلاش کر رہی ہوں اور تم لوگ ہو کہ بالکل بھی آگے نہیں آتیں۔ پیچھے پیچھے رہتی ہو۔''

''آپ کا کیا مطلب ہے، ہم ملازموں کی طرح جھک جھک کر لوگوں کی خدمتیں کریں گے، تب ہی انہیں نظر آئیں گے؟ کم از کم میں نے اتنا گر کر نظر نہیں آنا۔ میں سیٹھ ابراہیم کی بیٹی ہوں، میرے لیے یہ تعارف ہی بہت ہے۔''

یہ دل نشیں تھی جسے ماں کا لیکچر صرف اس لیے بُرا لگا تھا کہ ماں نے ان کا موازنہ حور العین سے کیا تھا۔ دلشاد بیگم، بیٹی کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

وہ مہمانوں کے درمیان ایسے چہک رہی تھی، جیسے وہی گھر کی مالکہ اور اصل میز بان ہے۔ ''یہ بات سب کو کس نے بتائی تھی کہ کھانا اس نے پکایا ہے؟'' دل نشیں نے پوچھا۔

''ظاہر ہے اس نے خود ہی بتائی تھی۔'' دلشاد بیگم نے جواب دیا۔

''ماما! آپ نے بھی تو حد کر دی۔ سارا گھر اسے سونپ دیا۔'' دل نشیں جل کر بولی۔

''اصل میں بات یہ ہے کہ ماما کو اپنی سرگرمیوں کو برقرار رکھنے کے لیے ایک گھر سنبھالنے والی کی ضرورت تھی۔'' معیز جو بہت دیر سے ان کی گفتگو سن رہا تھا، درمیان میں بول پڑا۔

''تو یہ کام دل آویز کریں گی۔ کم از کم میں تو اتنی فارغ نہیں ہوں کہ گھریلو سیاست کے چکر میں باورچن بن جاؤں۔'' دل نشیں کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

دلشاد بیگم نے پہلی بار سوچا کہ دل نشیں بہت منہ پھٹ اور بدتمیز ہو چکی ہے۔ دلشاد بیگم اتنا صرف اس لیے سوچ سکتی تھیں کہ وہ فلاحی این جی او سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ جہاں دن رات اخلاقیات پہ لمبی چوڑی بحث ہوا کرتی تھی۔ دلشاد بیگم نے بذاتِ خود کبھی کوئی تقریر نہیں کی تھی۔ انہیں لکھنا تو کیا پڑھنا بھی نہیں آتا تھا لیکن کچھ کچھ کہنا ضرور آ گیا تھا۔ ابراہیم صاحب مختلف تنظیموں کو فنڈ دیا کرتے تھے۔ اسی توسط سے لوگوں کا ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ ان کے اکثر دوستوں کی بیویاں بھی ان تنظیموں میں کام کرتی تھیں۔ ان ہی ملاقاتوں سے انہوں نے گھر سے باہر نکلنا سیکھا اور یوں ایک تنظیم کی ممبر بن گئیں۔ پھر تو ان کا اس میں ایسا دل لگا کہ وہ اپنا سارا ماضی ہی بھول گئیں۔

ابراہیم صاحب نے ان کے اس شوق پہ کبھی پابندی نہیں لگائی تھی۔ بذاتِ خود ابراہیم لبرل ذہن کے مالک تھے۔ جب تک ان کے والدین حیات رہے، زندگی والدین کی من پسند گزاری۔ کبھی اختلافِ رائے نہ کیا، لیکن اماں جی کے بعد انہوں نے اپنی فیملی کو ہر آزادی مہیا کی۔ اس کے باوجود وہ دل آویز کے ذہن سے ماضی کے اثرات دُور نہ کر سکے۔ دلشاد بیگم اپنے ہاتھوں سے سونے کی چوڑیاں اتارنے لگیں تو ان کی نگاہیں اپنے ہاتھوں پہ جم کر رہ گئیں۔ بڑھاپے کی جھریاں ان کے ہاتھوں پہ نظر آنے لگی تھیں۔

بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت کی پاداش میں کتنی سزا بھگتی تھی۔ زندگی کے اس حصے میں آ کر اگر وہ خود کو احساسِ کمتری کی سلاخوں سے باہر نہ نکالتیں تو شاید ان کا حال دل آویز سے کم نہ ہوتا۔

انہوں نے یہ سوچ کر جھرجھری سی لی اور تب ہی ابراہیم صاحب کی موجودگی کو محسوس کر کے مسکرا دیں۔

''کیا بات ہے، بڑی گہری سوچ میں مبتلا تھیں؟''

''دل آویز کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اگر وہ میرے ساتھ باہر آنا جانا شروع کر دے اور کسی این جی او کی ممبر بن جائے تو اس کی زندگی کا سکوت ٹوٹ سکتا ہے۔ پڑھی لکھی ہے، سمجھدار ہے، مگر یہ لڑکی نجانے کیا چاہتی ہے۔''

ابراہیم نے تاسف سے ان کی طرف دیکھا۔

''بیمار ذہن کا حل فلاحی تنظیم نہیں ہوتا۔''

''میری بیٹی بیمار نہیں ہے اور اگر وہ بیمار ہے تو اس کے ذمہ دار آپ اور آپ کی ماں ہے، جنہوں نے مجھے ان حالات پہ پہنچایا اور میری بچی کے ذہن پہ ان کی باتوں کا اثر پڑا۔''

ابراہیم صاحب تلخی سے ہنس پڑے۔ ''یہ بحث اب پرانی ہو چکی ہے۔'' انہوں نے خودکلامی کے سے انداز میں کہا اور کروٹ بدل لی، مگر ان کا دل چلا چلا کر کہنا چاہتا تھا کہ یہ زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔

کمزور لائف پارٹنر سب سے زیادہ نقصان اپنے ساتھی کو پہنچاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

سرخ سگنل پہ ٹریفک کا ازدحامِ بے کراں تھا۔ طارق کو فوری طور پہ بینک پہنچنا تھا۔ جس کے بند ہونے میں صرف ایک گھنٹہ ہی باقی تھا۔ اگلے دو روز کی چھٹی تھی۔ سو اسے بہت سے معاملات نمٹانا تھے۔ وہ کبھی گھڑی دیکھتا تھا اور کبھی ہارن بجاتا تھا۔ تب ہی اچانک اس کی نگاہ دل نشیں پہ پڑی۔ وائٹ کار میں وہ کسی انجان لڑکے کے ساتھ بیٹھی محوِ گفتگو تھی۔ اس کی نگاہیں اس پہ ٹھہر گئیں۔ وہ دونوں اتنے مصروف تھے کہ انہیں اردگرد کا بھی ہوش نہ تھا۔ پھر اچانک وہ گاڑی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوگئی اور بے تحاشا ٹریفک نے سارا منظر بدل دیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ سگنل کھل چکا ہے اور پیچھے سے ہارنز کا شور صرف اسے اپنی جگہ سے ہلانے کے لیے دیا جا رہا ہے۔ اس نے فل اسپیڈ میں گاڑی آگے بڑھا دی۔

کام سے فراغت کے بعد بھی اس کا ذہن اُلجھا ہوا تھا۔ وہ جلد ہی گھر آ گیا۔ اس وقت پانچ بج چکے تھے۔ اس نے آتے ہی سب سے پہلے دل نشیں کے بارے میں پوچھا۔ پتا چلا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے تو اس نے بے چینی سے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دوسری دستک پہ دل نشیں نے دروازہ کھولا۔

''بالکل یہی کپڑے پہن رکھے تھے اس وقت اس نے۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ وہ کوئی اور نہیں دل نشیں تھی۔''

دل نشیں نے آنکھیں مسلتے ہوئے طارق کی طرف دیکھا۔ ''کیا بات ہے طارق بھائی! ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' وہ سو کر اٹھنے کی ایکٹنگ کر رہی تھی، کیونکہ اس نے بھی طارق کو دیکھ لیا

تھا اور طارق سوچ رہا تھا کہ اس سے کیسے بات کرے، پھر اسے یکدم خیال آیا۔

''تمہاری یونیورسٹی کس وقت آف ہوتی ہے؟''

''یہی دو بجے۔'' جواب لاپرواہی سے ملا۔

''تم آج کس وقت گھر آئی ہو؟''

''تقریباً اڑھائی بجے۔'' صاف جھوٹ بولا گیا۔

اس نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں، میں یہ بتانے آیا تھا، کل سے میں خود تمہیں پک اینڈ ڈراپ کیا کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دل نشیں نے بے حد مشتعل ہو کر دروازہ بند کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حور نے مچھلی میں مسالا لگا کر صبح سے رکھ دیا تھا۔ آٹا بھی گندھا رکھا تھا۔ بس املی کی چٹنی بنانا تھی اور تھوڑا سا سلاد۔ مچھلی کی خوشبو اتنی اشتہا انگیز تھی کہ دل آویز بے چین ہو کر کمرے سے نکل آئی، لیکن جب حور کو کچن میں مصروف پایا تو دروازے میں ٹھٹھک گئی۔

حور نے دل آویز کو دیکھ لیا تھا، سو فوراً وضاحت کر دی۔

''طارق آ گئے ہیں، میں ان کے لیے کھانے کا انتظام کر رہی تھی۔''

''چھ بجے......!'' دل آویز نے استہزائیہ کہا۔ طارق کب سے ڈنر چھ بجے کرنے لگا؟ وہ اکثر لیٹ نائٹ ڈنر کرنے کا عادی رہا ہے اور وہ بھی باہر۔''

حور کھسیا سی گئی، پھر بھی اعتماد سے بولی: ''پتا نہیں، شاید ایسا ہی ہو۔''

''پر نانو کہتی تھیں مرد جیسے ہی گھر لوٹیں، انہیں اسی وقت گرم کھانا پیش کر دینا چاہیے۔ اس طرح وہ......'' حور نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''کیا......؟'' دل آویز کی دلچسپی عروج پہ تھی۔

''اس طرح وہ باہر کا رخ نہیں کرتے۔''

دل آویز کو یہ بات دلچسپ بھی لگی اور عجیب بھی، کیونکہ اس نے بچپن سے جوانی تک کبھی نہیں دیکھا تھا کہ ابراہیم صاحب کے آنے کے بعد دلشاد بیگم نے ان کے کھانے پینے کے لیے

بھاگ دوڑ کی ہو۔ سب ہی رات کا کھانا دیر سے کھاتے تھے۔

کوئی باہر سے کھا کر آ جاتا تھا اور کوئی ملازموں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھا لیتا تھا۔ دلشاد بیگم نے کھانا پکانے میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ شروع سے ہی ان کے ہاں خانساماں کھانا بناتا تھا اور اس چیز کو کوئی محسوس بھی نہیں کرتا تھا۔

''تو گویا تم روایتی ہتھکنڈوں سے طارق کے دل پہ حکمرانی کرنا چاہتی ہو۔''

حور کو حیرت ہوئی۔ خوشگوار سی حیرت، اسے امید ہی نہیں تھی کہ دل آویز کبھی اس طرح کی بات بھی کرے گی۔ حور نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے اور اعتماد سے بولی:

''اگر عورت چاہے تو مرد کے دل ہی پہ نہیں، دماغ پہ بھی حکومت کر سکتی ہے۔''

''ان معمولی خدمتوں سے۔'' دل آویز قہقہہ لگا کر ہنسی تو حور نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

''جذبے کبھی معمولی نہیں ہوتے۔ طارق مجھ سے محبت نہیں کرتا، نہ ہی وہ مجھے اپنانا چاہتا تھا، مگر میں اتنی بے صلاحیت بھی نہیں ہوں کہ اس کی زندگی میں آنے کے بعد اسے اپنے ہونے کا احساس بھی نہ دلا سکوں۔'' دل آویز کو اس اعتراف پہ خاصی حیرت ہوئی تھی۔

''تم یہ بات جانتی ہو پھر بھی اتنی خوش اور مطمئن نظر آتی ہو؟'' دل آویز مچھلی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر کھانے لگی۔

''ہاں ...... وہ اس لیے کہ میری زندگی میں اول و آخر صرف طارق ہی تو نہیں ہے، بہت سے لوگ ہیں جو مجھے چاہتے ہیں، میری قدر کرتے ہیں اور مجھے اپنا سمجھتے ہیں۔ یہ خوشی اور اعتماد ان ہی کا دیا ہوا ہے۔''

''تو پھر تم طارق کے ساتھ کیسے رہ رہی ہو؟ جب تمہیں اس سے اور اسے تم سے محبت نہیں ہے۔''

حور نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ طارق سے محبت نہیں کرتی لیکن اس نے فی الحال اس کی تردید نہیں کی اور دل آویز کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی: ''وہ اس لیے کہ عورت، مرد کے بنا اور مرد، عورت کے بنا مکمل نہیں۔''

دل آویز نے حور کی اس بات کو گویا نظرانداز کر دیا اور رشک سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: ''ویسے تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں طارق جیسا جیون ساتھی اور ایسا گھر ملا۔ کوئی بھی

لڑکی یہاں بآسانی ایڈجسٹ ہو سکتی ہے۔''

اس کی خوش فہمی پہ حور کو غش آنے لگا تھا۔

''میرے تو مسائل ہی بڑے عجیب تھے۔'' دل آویز نے کہا تو حور گنگ رہ گئی۔ کیا وہ اس قابل تھی کہ دل آویز اس سے اپنے مسائل ڈسکس کر سکے۔

''کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا، تم طارق کا کھانا لے جاؤ۔'' یکدم دل آویز نے بات بدل دی اور کہتے ہوئے کچن سے نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

''رمیض کا فون آیا تھا۔ وہ آپ لوگوں سے ملنا چاہتا ہے۔'' طارق کی اطلاع پہ دلشاد بیگم ہی نہیں ابراہیم بھی مشتعل ہو گئے۔

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' دلشاد بیگم نے سوال کیا۔

''پتا نہیں، وہ جب آپ سے ملے گا، تب ہی پتا چلے گا۔ ویسے سنا ہے کہ اس کی بہن بیمار ہے اور وہ بہت پریشان ہے۔''

''تو وہ اس لیے ملنا چاہتا ہے کہ اسے دل آویز کی خدمتوں کی ضرورت ہے۔ میری بیٹی ملازمہ نہیں ہے جو اس کے بھانجا، بھانجی اور بہن کو سنبھالے گی۔ اب وقت پڑا تو اسے دل آویز یاد آ گئی۔ اس سے پہلے دل آویز اس کے قابل ہی نہیں تھی۔ تم نے جواب کیوں نہیں دیا اسے کہ ہم اس سے ملنا نہیں چاہتے۔'' ابراہیم نے سختی سے کہا۔

''نہ ملنا مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔'' طارق نے مشورتاً کہا۔

''تو گویا تم اس مسئلے کا حل نکالنا چاہتے ہو۔ چاہتے ہو کہ وہ جھوٹے منہ یہاں آئے اور ہم دل کو اس کے ساتھ روانہ کر دیں۔''

''بابا! میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

''تو پھر...... رمیض کی ہمت کیسے ہوئی تم سے رابطہ کرنے کی۔ ہم بڑے بیٹھے تھے، اس نے ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ اس لیے نا کہ تم نے اس سے تعلق ختم نہیں کیا تھا۔''

''بابا! اتنی بدگمانی......!'' طارق کے لہجے میں غم و غصہ تھا۔

''ہاں، اتنی ہی بدگمانی۔ اعتبار ہی نہیں رہا مجھے تمہارے اوپر......''

''کیا مطلب ہے؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' طارق کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ

ہو رہا تھا۔

''تمہیں دل آویز ہی نہیں، دل نشیں بھی کھٹک رہی ہے۔ کون سا جرم سرزد ہو گیا تھا اس سے کہ تم نے اس کا موبائل فون لے لیا۔ اس پر پابندی لگا دی کہ وہ کسی لڑکے سے دوستی نہ کرے۔ نہ صرف پابندی بلکہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ وہ آگے نہیں پڑھے گی۔ پھر یہ کہ اسے لانا لے جانا شروع کر دیا۔ کیا ہو گیا ہے طارق تمہیں؟ کیا وہ دس بارہ سال کی بچی ہے؟ کیا سوچیں گے اس کے فرینڈز اس کے بارے میں؟ وہ کو ایجوکیشن میں پڑھ رہی ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس کے فرینڈز میل ہوں یا فی میل۔'' طارق دم بخود سا باپ کو دیکھ رہا تھا کہ ابراہیم غیض و غضب میں بولے: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے سراسر میری معصوم بچی پہ بداعتمادی کی ہے جس کی وجہ سے وہ اتنا بددل ہو گئی ہے کہ اس نے مزید نہ پڑھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''وہ مجھے غلط سمجھ رہی ہے بابا! میں اس کا بھائی ہوں اور میں نے اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے وہ دل برداشتہ ہو، لیکن وہ نا سمجھ ہے۔ ہم لوگ اس کے بارے میں زیادہ بہتر سوچ سکتے ہیں۔''

''بہتر سوچ سکتے تھے، جب تک تم اکیلے تھے۔'' دلشاد بیگم بہت دیر کے بعد ان کی گفتگو میں شامل ہوئی تھیں۔

''کیا مطلب ہے ماما آپ کا......؟'' طارق کچھ نہیں سمجھا تھا۔

''دراصل تمہاری سوچ کا زاویہ بدل گیا ہے۔ اس کم حیثیت لڑکی نے تمہاری سوچ بھی پست کر دی ہے۔'' پھر وہ ابراہیم کی طرف متوجہ ہو کر بولیں:

''ضرور اس نے ہی اس کے اُلٹے سیدھے کان بھرے ہوں گے، ورنہ اس سے پہلے تو اس نے ایسا کبھی نہیں کہا۔''

''ماما......!'' غم و غصے سے طارق کی کنپٹیاں پھٹنے لگی تھیں۔ وہ کیا بتاتا انہیں کہ حور کو وہ کیا حیثیت دیتا ہے اور کتنی اہمیت دیتا ہے۔ بے ساختہ اس نے باپ کی طرف دیکھا اور اسی لمحے ابراہیم نظریں چُرا گئے، یعنی ان کی بھی یہی سوچ تھی۔

''میرے خدا......!'' طارق کو لگ رہا تھا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

''حالانکہ اسے خود اس گھر میں کس قدر آزادی مل رہی ہے، اس کے باوجود وہ میری

بچیوں کی خوشیوں کی دشمن بن رہی ہے۔''

''بس کریں ماما...... بس کریں۔'' طارق نے اپنا سر تھام لیا۔ ''میرے کسی بھی معاملے میں اس کا کیا عمل دخل ہے، آپ خوامخواہ اسے گھسیٹ لائی ہیں۔''

''دیکھ رہے ہیں آپ کس طرح حمایت کر رہا ہے یہ اس کی۔ چار دن میں اتنا اس کا ہو گیا ہے کہ اس کے خلاف کچھ نہیں سن رہا۔ ایک آپ تھے، جنہوں نے ساری عمر میری بُرائیاں سنیں اور کبھی اپنی ماں کو جواب نہیں دیا۔''

دلشاد بیگم ابراہیم سے اُلجھنے لگیں تو طارق غصے میں باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

سردی بہت زیادہ تھی اور رات گہری ہو چکی تھی۔ وہ سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑا رہا تھا۔ گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ جس باپ کے لیے اس نے قربانی دی تھی، آج اسی نے اسے اتنا ذلیل کر دیا تھا۔ کم از کم وہ ماما کی سوچ کو رد کر سکتے تھے، مگر وہ کیوں ایسا کرتے......؟ ماما کی خوشنودی کے لیے ہمیشہ ہی وہ جائز و ناجائز کرتے آئے ہیں اور وہ کتنا بے وقوف ہے۔ بلاوجہ اپنی زندگی کو خود ہی اجیرن کر رہا ہے، کیا ملا اسے اور مل بھی کیا سکتا تھا۔ ہر انسان اپنی زندگی میں مگن ہے۔ ہر ایک، دل آویز سے لے کر معیز تک اور دل نشیں جسے وہ معصوم اور ناسمجھ سمجھتا رہا ہے، کتنا کاری وار کیا ہے اس نے۔ کیا وہ ناسمجھ ہو سکتی ہے۔ گھر میں ہر ایک کو صرف حور سے تکلیف ہے۔ کوئی بھی حور کو اچھا نہیں سمجھتا۔ کتنے تحقیر آمیز جملے تھے ماما کے۔ اس کم حیثیت لڑکی نے اس کی سوچ بھی پست کر دی ہے۔ اوہ...... ماما...... طارق کو شدید تکلیف پہنچی تھی، ان جملوں سے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ماں کسی انسان کے بارے میں ایسی سوچ بھی رکھ سکتی ہیں۔

اس نے اسٹیرنگ موڑ لیا، اسے گھر تو آنا ہی تھا۔ گھر آ کر وہ چپ چاپ کپڑے بدل کر اپنے بستر میں لیٹ گیا۔ صبح وہ جلدی اٹھنے کا عادی تھا لیکن آج صبح وہ بستر پر پڑا رہا۔ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ اسے سوتا دیکھ کر حور کو حیرت ہوئی۔

وہ دیر سے سوتا اور جلدی اٹھتا تھا۔ وہ اس کے معمولات دیکھتی آ رہی تھی۔ وہ ناشتہ کر کے واپس آ گئی، وہ تب بھی سو رہا تھا۔ اب اسے گڑبڑ محسوس ہونے لگی تھی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا، کہیں اس کی طبیعت تو خراب نہیں ہے جو وہ ایسے بے سدھ پڑا ہوا ہے۔

وہ بہت دیر تک متذبذب کیفیت میں اِدھر اُدھر چکراتی رہی اور پھر اس سے رہا نہ گیا۔ ذرا سا لحاف اس کے چہرے سے ہٹایا، وہ بے خبر سو رہا تھا۔ پیشانی پہ بال بکھرے پڑے تھے اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ حور نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پہ رکھا تو وہ انگاروں کی طرح دہک رہی تھی۔

وہ پریشان ہوگئی۔ پھر لحاف میں سے اس کا ہاتھ باہر نکالا اور نبض دیکھنے لگی۔ اس کا ہاتھ بھی گرم ہو رہا تھا۔

تب ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ مضمحل سا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ شرمندگی محسوس کرتے ہوئے وضاحت کرنے لگی۔

''میں آپ کا ٹمپریچر نوٹ کر رہی تھی۔ ایسا لگا جیسے آپ کی طبیعت خراب ہے لیکن واقعی آپ کو تو بخار......''

طارق نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور کروٹ لے کر لیٹا رہا۔ حور بے چین ہوگئی۔

''اگر آپ کی طبیعت خراب ہے تو آپ ڈاکٹر کے ہاں کیوں نہیں چلے جاتے؟''

''آپ کہیں تو میں کسی کو بلاؤں؟''

''مر تو نہیں رہا ہوں...... کیوں سوار ہو رہی ہو میرے سر پہ۔''

لہجہ روکھا تھا اور آواز سے لگ رہا تھا جیسے اس کا گلا بھی خراب ہے۔

''میں تو ہمدردی کر رہی تھی۔'' وہ تنک کر بولی تھی۔

''کیوں کر رہی تھی مجھ سے ہمدردی تم......؟'' وہ اسے ڈپٹ کر بولا۔

حور کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''کبھی میں نے تم سے کوئی ہمدردی کی ہے؟''

''کیا مطلب؟'' حور حیرانی سے اس کا سرخ چہرہ دیکھنے لگی۔

طارق چپ ہوگیا پھر توقف سے بولا: ''کوئی مطلب نہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے واپس لحاف اپنے منہ پہ ڈال لیا۔ اب کی بار اس کا لہجہ بہت نرم تھا۔

حور نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پریشانی سے اسے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

''دوپہر میں ماما نے حلیم بنانے کو کہا تھا۔ انہوں نے شاید اپنی کسی دوست کے ہاں بھجوانا

تھا، شاید ماما بھول گئی ہیں۔ آپ کے پاس اگر ان کا موبائل نمبر ہے تو انہیں اطلاع کر دیں تاکہ میں اسے ڈشوں میں نکال کر گارنش کر دوں۔'' حور نے دل نشیں سے کہا۔

''وَٹ...... حلیم...... کیسی چیزیں پکنے لگی ہیں اب ہمارے گھر میں۔ کون کھائے گا وہ حلیم......'' دل نشیں نے ناک منہ چڑھا کر بیزاری کا اظہار کیا۔ پھر بہن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

''کیا ماما نے خانساماں کی چھٹی کر دی ہے جو ہمیں یہ تجربے بھگتنا پڑ رہے ہیں۔'' دل نشیں کی اُکتاہٹ عروج پہ تھی۔

دل آویز نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور لاپرواہی سے حور کی طرف دیکھ کر بولی:

''تم سے ماما نے جو کہا تھا تم نے وہ پورا کر دیا ناں۔ اب تمہیں زیادہ ایفی شنسی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ ماما کو ضرورت ہوگی تو منگوالیں گی۔ اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔''

حور کو ان دونوں کی بدتمیزی پہ غصہ تو بہت آیا لیکن اس نے کمال برداشت کا مظاہرہ کیا اور چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔ وہ ان کے منہ لگ کر کوئی بدمزگی نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ طارق گھر پر تھا اور اس کی طبیعت خراب تھی۔ جب طبیعت صحیح نہیں ہوتی تو اچھے اچھوں کے مزاج بگڑ جاتے ہیں اور وہ تو اپنی دونوں بہنوں کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ حساس تھا۔ اس لیے خاموشی کو ہی بہتر جانا اور رات کے کھانے کے لیے چاول صاف کرنے لگی۔

چاول صاف کرتے کرتے اسے خیال آیا کہ طارق صبح سے کمرے میں بھوکا پیاسا پڑا ہے، کیوں نہ اس کے لیے چائے بنا کر لے جائے۔ جب وہ اوپر کمرے میں چائے لے کر گئی تو طارق بستر میں نہیں تھا۔ واش روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اسے حیرانی ہوئی کہ وہ اچانک بخار کی حالت میں کہاں چلا گیا۔

وہ بے دلی سے خود ہی چائے پینے لگی۔ تب ہی وہ گیلری سے نمودار ہوا۔ حور کو زور کا اچھولگا، اس نے تیزی سے چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''میں تو سمجھی تھی کہ آپ کہیں چلے گئے ہیں۔ مم...... میں...... یہ چائے آپ کے لیے لائی تھی۔''

طارق نے استہزائیہ انداز میں چائے کے کپ کی طرف دیکھا، پھر اس کی طرف۔ پھر جیسے اس کی نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔ کاجل، سرمہ سے بے نیاز آنکھیں، خشک ہونٹ، چوڑیوں

سے خالی ہاتھ اور ملگجے کپڑے۔ وہ اس کی شریکِ سفر تھی یا اس گھر کی معمولی ملازمہ تھی؟

وہ چپ چاپ چائے اٹھا کر پینے لگا۔

اس کے بعد اس نے دراز میں سے ٹیبلٹ نکال کر پانی کے ساتھ لیں اور واپس گیلری میں چلا گیا جہاں سے لان کا سارا نظارہ نظر آتا تھا۔ سردی اس قدر تھی کہ ٹھنڈی ہوائیں اس کے وجود میں اتر رہی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے صرف ایک قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی۔

اس کی خاموشی حور کو بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے، لیکن ہمتیں مجتمع نہیں کر پا رہی تھی، حالانکہ وہ اس سے ہمیشہ ہی بے جھجک بات کرتی تھی لیکن آج عجیب و غریب کیفیت ہو رہی تھی۔ وہ خود اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

پھر اپنی بے چین طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس کی گرم چادر لے کر اس کی طرف بڑھی۔

''اتنی ٹھنڈ ہو رہی ہے اور آپ نے گرم کپڑے بھی نہیں پہنے ہوئے۔ یہ چادر شانوں پہ ڈال لیں، ورنہ ٹھنڈ لگ جائے گی۔''

وہ یونہی گم صم کھڑا سامنے دیکھتا رہا۔

''جب انسان کی روح جل رہی ہو تو جسم کو ٹھنڈک محسوس نہیں ہوتی۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

''کوئی پریشانی ہے آپ کو......؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

طارق نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، پھر اس کے ہاتھ سے چادر لے کر ایک طرف پھینک دی۔

''تم نے کتنے گرم کپڑے پہنے ہوئے ہیں......؟'' اس کے بے ساختہ سوال پہ حور نے خود کو دیکھا اور ہنس پڑی۔

''مجھے زیادہ سردی نہیں لگتی۔ ویسے بھی میں ابھی ابھی تو کچن سے آ رہی ہوں۔ کام کاج کرتے ہوئے...... سردی کہاں لگتی ہے۔ سردی تو فارغ بیٹھ کر لگتی ہے۔'' وہ جواب دیتے ہوئے خود ہی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

''تو سارا دن تم فارغ نہیں ہوتیں......؟ یہی مصروفیت رہتی ہے تمہاری جو آج رہی ہے؟'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کبھی اس سے زیادہ مصروف ہو جاتی ہوں اور کبھی بالکل فارغ...... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں......؟''

''تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ یہاں تمہاری کوئی عزت نہیں کرتا، حتیٰ کہ میں بھی۔ اس کے باوجود تم یہ سب نوکری کس کے لیے کرتی ہو؟''

''تمہارے لیے، اپنی محبت کے لیے، وہ کہنا چاہتی تھی لیکن چپ رہی۔

وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ حور کو گیلری میں کھڑے کھڑے سردی لگنے لگی تھی۔

''آپ یہ سوال و جواب کمرے میں بھی کر سکتے ہیں۔ یہاں بہت سردی ہو رہی ہے۔''

وہ اس سوال کو گویا ٹال رہی تھی۔ طارق ہنس پڑا۔

''ابھی تو تم نے کہا تھا کہ تمہیں سردی نہیں لگتی۔''

''سردی لگنا اور بات ہے اور سردی میں خوامخواہ کھڑے رہنا اور بات۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ سوچتے ہوئے طارق بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گیا۔

''اب پوچھیے...... کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ......؟''

''کچھ نہیں......'' وہ یکدم پھر اجنبی ہو گیا۔

وہ اس کی بدلتی کیفیت کو محسوس کر کے خاموش ہو گئی۔ وہ بستر میں لیٹ کر ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔ اسے رات کے کھانے کی تیاری کرنا تھی، اس لیے وہ بھی باہر نکل گئی۔

رات کھانے پہ ابراہیم کے چند دوست مدعو تھے۔ اس لیے اسے کچن سے دیر سے فراغت ہوئی۔ جب وہ کمرے میں آئی تو...... طارق بُری طرح بخار میں پھنک رہا تھا۔ اسے گھر والوں کے سرد رویوں پر سخت حیرت ہو رہی تھی۔ کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ طارق گھر میں ہے تو کیوں ہے۔ کیا اس کی طبیعت خراب ہے یا کوئی اور وجہ۔ عجیب بات تھی کسی کو کسی کی پرواہ ہی نہیں تھی، کوئی تو پوچھتا۔

اگر یہی سب کچھ اس کے گھر میں ہوتا تو باوجود سوتیلے رشتوں کے سب بے چین ہو جاتے۔ وہ بہن بھائیوں میں سے بڑی تھی، سب ہی اس کی عزت کرتے تھے۔ نہیں بنتی تھی تو صرف ماں سے، کیونکہ وہ یہ محسوس کرتی تھی کہ اطہر سب سے زیادہ حورالعین کو چاہتے ہیں اور پھر اس کا وقت ہی کتنا گزرا تھا ان کے درمیان۔ نانو کے فوت ہونے کے بعد چند سال، ورنہ پلی بڑھی تو وہ ننھیال میں ہی تھی ناں...... اس نے اپنی سوچ کو جھٹکا۔

وہ ولید کے پاس آ گئی اور طارق کے بخار کا بتایا۔

''لیکن بارہ بجے کون سا ڈاکٹر بیٹھا ہو گا۔ اگر طارق کی اتنی طبیعت خراب تھی تو آپ

مجھے فون کر دیتیں۔ میں نے اپنا نمبر تو دے رکھا ہے ناں آپ کو۔''

''اگر ڈاکٹر نہیں ہے تو کوئی میڈیسن ہی لا دو۔'' وہ بے چارگی سے بولی تو ولید ہنس پڑا۔

''بہت فکر ہو رہی ہے آپ کو.....؟'' ولید کا انداز شرارتی تھا۔ حور جھینپ گئی۔

''سردی اتنی ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی سے آپ بھی بیمار ہو سکتی ہیں۔ اس لیے آپ طارق کے پاس جائیں۔ میں میڈیسن لے کر آتا ہوں۔''

کوریڈور کی لائٹس آف تھیں۔ حور، ولید کے کمرے سے نکلی تو دل نشیں کچن کی طرف جا رہی تھی۔ دونوں کا تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ حور جلدی میں تھی، سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ اس نے بالکل توجہ نہ دی کہ دل نشیں اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔

☆ ☆ ☆

ساری رات بے چینی میں گزری تھی۔ وہ اس کے ماتھے پر پانی کی پٹیاں کرتی رہی۔ یہ تو ولید ہی تھا جو دوا پلا گیا تھا، ورنہ اس کے بس میں کہاں تھا کہ وہ اس مدہوشی کی حالت میں اسے دوا پلاتی۔ رفتہ رفتہ اس کا ٹمپریچر کم ہو رہا تھا اور وہ مطمئن ہو رہی تھی اور نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کا سر طارق کے بازو پہ تھا۔ طارق نے اس کی جانب کروٹ لے رکھی تھی اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ وہ اتنا منہمک اور مگن تھا کہ اسے حور کے جاگنے کا پتا ہی نہ چلا۔ اس کی نگاہ کلاک پہ پڑی تو دنگ رہ گئی۔ دس بج رہے تھے۔ یکدم جھٹکے سے اٹھی اور بستر سے نکلنے لگی تو طارق نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

حور کی ساری جان سمٹ کر ہاتھ میں آ گئی۔ بے قراری سے اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

طارق اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر اس کا ہاتھ پکڑے رہا، پھر چھوڑ دیا۔ وہ خود کو سنبھالتی واش روم میں چلی گئی۔ وہ واش روم سے نکلی تو طارق بستر میں نیم دراز تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے، آپ کی.....؟'' طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ تو ان لمحوں سے مسحور ہو رہا تھا جو کچھ دیر قبل اسے سکون پہنچا رہے تھے۔ اس نے جلدی جلدی اپنی چٹیا بنائی۔

''ناشتہ کریں گے آپ.....؟''

طارق نے استحقاق بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔

''میرا مطلب ہے، ناشتہ لے آؤں آپ کے لیے؟''

وہ اس کی نظروں سے نروس ہونے لگی تھی۔ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اتنے میں طارق آفس جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آئی تو اس کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔ اس نے طارق کے سامنے رکھ دی اور چائے بنانے لگی۔

''چینی کتنے چمچ.....؟'' چائے میں چینی ڈالتے ہوئے حور کے ہاتھ رک گئے۔

طارق نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کومل ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، پھر اپنے پیار کی مہر اس پہ ثبت کرتے ہوئے بولا: ''بس خالی چمچ ہلاؤ، مٹھاس پوری ہو جائے گی۔''

حور کی جان مٹھی میں آ گئی۔ یہ اچانک، ایک دم کیا ہو رہا تھا۔ کیا یہ سب کچھ سچ تھا یا وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ ہکا بکا طارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طارق نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ حواس میں آ گئی اور چپ چاپ ناشتہ کرنے لگی۔

''میرے ساتھ پہلی بار ناشتہ کر رہی ہو ناں، لگتا ہے تمہیں پریشانی ہو رہی ہے۔ اب میں یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ تم اکیلے بیٹھ کر کھا لو۔ اب تو روزانہ میرے ساتھ ہی بریک فاسٹ اور ڈنر کرنا پڑے گا۔ البتہ..... لنچ میں ہلکا پھلکا آفس میں ہی کر لیا کرتا ہوں۔''

حور نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہی نہیں، لبوں پہ بھی شریری مسکراہٹ تھی۔

''میں کیوں پریشان ہونے لگی۔ آپ اتنے خوف ناک تو نہیں ہیں۔'' وہ خود کو بہت حد تک سنبھال چکی تھی۔

''اچھا.....!'' طارق زیرِ لب مسکرایا۔ ''پھر ابھی تک یہ سلائس ایسے ہی کیوں پڑے ہوئے ہیں، جبکہ میں انڈے سمیت چار سلائس کھا چکا ہوں۔''

''اس لیے کہ میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے بے دلی سے کہتے ہوئے نظریں چرائی تھیں۔

''اب اس دل کو سمجھا لو۔ ہم سے پنگا نہ لے، ورنہ بہت برا ہوگا۔'' وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ حور کی سانس اٹک گئیں۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ طارق اس کے ساتھ کبھی اس طرح کی بات کرے گا۔

حور نے بمشکل چائے اپنے اندر اتاری تھی۔ وہ خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن

اپنے چہرے اور کانوں کی سرخی کو طارق کی نگاہوں سے پوشیدہ بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔ چائے کا کپ رکھ کر وہ برتن اٹھانے لگی تو طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آج سے تم کوئی کام نہیں کرو گی۔'' وہ محبت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ''اس گھر میں پہلے بھی ملازم تھے اور اب بھی موجود ہیں۔ تم یہاں طارق کی لائف پارٹنر بن کر آئی ہو، ملازمہ نہیں۔''

حور نے حیرت سے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ اس کایا پلٹنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھ سکتی تھی، ہواؤں میں اُڑ سکتی تھی، لیکن اس نے اپنے قدم زمین سے اٹھنے نہ دیے اور اعتماد سے اس کی طرف دیکھ کر بولی:

''گھر کے کام گھر کی عورتیں ہی کرتی ہیں۔ اس میں ملازماؤں والی کون سی بات ہے؟''

''لیکن اس گھر میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ تم یہاں گر کر کبھی اپنا آپ نہیں منوا سکتیں۔ آج سے جو تمہارا حق اور حیثیت ہے، تم اس پہ قائم رہو گی۔''

حور اُلجھ رہی تھی۔ ایک دم اچانک ایسا ہو جانا۔ یا تو وہ پہلے ڈرامہ کر رہا تھا یا اب...... لیکن اس کی آنکھوں کی محبت چھلک چھلک جاتی تھی۔ حور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نظریں چُرائیں۔

''شام کو تیار رہنا...... ہم کہیں باہر گھومنے چلیں گے۔ ساتھ ہی تمہارا چھوٹا سا قرض ہے، وہ بھی ادا کرنا ہے۔'' وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہاری رونمائی کا تحفہ جو مجھ پہ آج تک اُدھار ہے لیکن آج میرے ساتھ چل کر تم خود اُدھار چکتا کراؤ گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

حور کی ساعتیں یقین و بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

اچانک طارق کو اس سے محبت ہو گئی تھی یا...... اس پہ رحم آ گیا تھا یا...... اپنے ہونے کا احساس دلا کر وہ اسے چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ وہ بہت دیر تک واہموں اور وسوسوں میں گرفتار رہی۔

پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ اسے خود بہت سنبھل کر چلنا ہے۔ اگر وہ یوں طارق کے کہنے سے زندگی کا رخ پلٹنے کی کوشش کرے گی تو اس کے لیے مزید مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا اور بالکونی میں آ گئی تھی۔

یہاں سے لان کا منظر کتنا خوبصورت لگتا تھا۔ اس منظر میں اچانک دل آویز کو لان میں مصروف دیکھ کر حور کی نگاہیں ایک جگہ پہ ٹھہر گئیں۔ دل آویز پودوں کو خود اٹھا اٹھا کر ترتیب سے

رکھ رہی تھی اور مالی مٹی کھودنے میں لگا ہوا تھا۔

حیرت کی بات تھی، آج سورج کس طرف سے نکلا تھا۔ دل آویز کا اس طرح مٹی میں ہاتھ ڈالنا۔ اسے لگا جیسے دل آویز کچھ کہہ رہی تھی۔ اس وقت وہ نہایت جذباتی کیفیت میں دکھائی دے رہی تھی۔ گھر کے سارے ملازم اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ کام کروا رہے تھے۔

حور کو تجسس ہوا کہ وہ جا کر سنے، وہ ملازموں کو کیا کہہ رہی ہے۔ وہ اتر کر نیچے آ گئی۔

''میں اس گارڈن کو ایسا بنانا چاہتی ہوں کہ لوگ یہاں آئیں تو حیران ہو کر اسے دیکھیں۔ یہاں مجھے یہ معمولی پودے نہیں لگانے، بہت نایاب قسم کے پودے لگانے ہیں۔'' دل آویز کہہ رہی تھی۔

''وہ کیا سمجھتی ہے، اچھے اچھے کھانے بنا کر سب کو اپنا گرویدہ کر لے گی اور پھر رفتہ رفتہ سارے گھر پر چھا جائے گی۔ یہ ہمارا گھر ہے، یہاں کی ہر چیز ہماری مرضی پسند سے ہونی چاہیے۔ دل نشیں صحیح کہتی ہے، ماما نے تو ساس بننا سیکھا ہی نہیں لیکن وہ بھول میں ہے۔ اگر ماما گھر میں دلچسپی نہیں لیتیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر جگہ حور ہی حور ہو۔ میں اس کے خواب جلد ہی توڑ دوں گی۔''

اچانک دل آویز نے سر اٹھایا تو حورالعین سامنے کھڑی تھی۔ دل آویز کے لب بھنچ گئے اور وہ ملازموں پہ چلّانے لگی۔

''کیا میں نے تم سب لوگوں کو یہاں منہ دیکھنے کے لیے بلایا ہے۔ یہ پودے درست کرو۔''

حور دلچسپی سے سارے عمل کو دیکھتی رہی۔ پھر سارے ملازم اِدھر اُدھر ہو گئے تو حور، دل آویز کے قریب آ گئی اور اس کی محنت کو سراہتے ہوئے بولی:

''بہت خوبصورت ترتیب دی ہے تم نے کیاریوں کو۔ میں بھی کوشش کرتی تب بھی ایسا نہ کر پاتی۔''

حور کی تعریف پہ دل آویز نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پھر استہزائیہ بولی:

''تم کیا سمجھتی ہو، اس جھوٹی تعریف سے میں بہل جاؤں گی۔ بے وقوف سمجھتی ہو تم مجھے۔ میں تمہاری بُرائیاں کر رہی ہوں اور تم مجھے مکھن لگا رہی ہو۔ مجھے تمہاری، نہ کسی ہمدردی کی ضرورت اور نہ ہی محبت کی...... سمجھیں تم......؟''

حور چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ دل آویز کے لہجے میں حور کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''محبت...... ہمدردی کی...... تمہیں نہیں، مجھے زیادہ ضرورت ہے۔ جھوٹی ہی سہی کوئی تعریف کر دے۔ اسی جستجو میں وقت گزر جاتا ہے کہ اپنائیت کے دو بول ہی مل جائیں، ساعتیں اسی کی تلاش میں رہتی ہیں۔ بچپن میں ماں باپ کا پیار نہیں ملا تو کیا ہوا...... زندگی گزر ہی گئی۔''

دل آویز نے حیرت سے حور کی طرف دیکھا۔ حور کے چہرے پہ مایوسی اور آنکھوں میں محرومی تھی۔ دل آویز کو یقین نہیں آیا کہ حورالعین اندر سے اتنی شکستہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ تو اسے بہت پُر اعتماد اور بہت خوش سمجھتی آ رہی تھی۔

''تمہاری یہ محرومی تمہاری ماں کے نہ ہونے سے ہے یا زندگی کی ان آسائشوں کے نہ ہونے سے جو تمہیں اب میسر آئی ہیں۔'' دل آویز کی ہمدردی میں اب بھی طنز پوشیدہ تھا۔ حور نے نگاہِ غلط دل آویز پہ ڈالی۔

''اگر ایسا ہوتا تو مجھے آج بہت خوش ہو جانا چاہیے تھا۔ کسی بھی چیز کی کمی تو نہیں تھی میرے پاس۔''

حور کے ہونٹوں پہ تلخ تبسم بکھرا اور پھر معدوم ہو گیا۔ وہ وہاں رکی نہیں، تیزی سے چلی گئی۔

دل آویز متحیر اسے جاتا دیکھتی رہی۔ وہ واپس اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئی، مگر اس کا دھیان اب بھی حور کی طرف تھا۔ اس نے بے دلی سے کھرپا پھینک دیا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے اندر آ گئی۔

اس کا ارادہ تھا کہ نہا کر کپڑے بدلے گی، پھر اپنے کمرے میں جائے گی لیکن حور کو کچن میں دیکھ کر وہ اسی طرف آ گئی۔ حور دوپہر کا کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ اسے کھانا بناتا دیکھ کر دل آویز کو نئے سرے سے اس سے چڑ محسوس ہونے لگی۔

''تم دوپہر میں کھانا فضول بناتی ہو، شاید میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا۔ یہاں کھانے والا ہوتا ہی کون ہے، میں اور تم...... میں لنچ کرتی نہیں ہوں اور تم کچھ بھی کھا کر پیٹ بھر سکتی ہو۔ فضول میں اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

وہ چڑچڑے سے انداز میں بولی تو حور نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کے

سامنے فریج سے نکلی کھانے کی اشیاء رکھ دیں جس میں کچی سبزیاں تھیں جو خراب ہو رہی تھیں، چند بچے کھچے روزانہ کے سالن تھے اور کچھ چاول۔

''میں یہ سب کچھ گرم کر کے ملازموں کو دے رہی تھی اور یہ سبزیاں وغیرہ خراب ہو رہی تھیں۔ فریج کی صفائی کرتے ہوئے میں نے یہ سامان باہر نکالا تھا۔''

دل آویز کو چپ ہونا پڑا۔ چپ چاپ وہاں سے پلٹنے لگی۔ تب ہی اس کی نگاہ دھوپ میں پڑی چارپائی پہ پڑی جس پہ کچن کے برتن اور مسالوں کے ڈبے، فروٹ کی ٹوکریاں دھو کر سکھائی گئی تھیں۔ زمین پہ اوون کے اسٹینڈ اور جالیاں بھی سوکھ رہی تھیں۔

اس سے پہلے تو اس گھر میں ایسے کام نہیں ہوتے تھے اور ہوتے بھی ہوں گے تو کسی کو کہاں پتا چلتا تھا۔

''جان بوجھ کر کام پھیلاتی ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنا سگھڑاپا دکھانے کے لیے سب کچھ کرتی ہے، لیکن اس کی چھٹی نہ کر دی تو میرا نام بھی دل آویز نہیں۔''

یہ سوچتے ہوئے وہ نہانے چلی گئی۔ جتنی دیر اس نے غسل کیا، اس کے ذہن میں یہی بات رہی کہ شام کا کھانا وہ خود بنائے گی اور کیا بنائے گی، یہ بھی اس نے سوچ لیا تھا۔

اب اسے جلدی بھی تھی کہیں حور بیگم ساتھ ساتھ شام کے کھانے کی تیاری ہی نہ شروع کر دیں۔ پھر اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ کب نہا کر نکلی، مگر آج پہلی بار بہت جلد باتھ روم سے نکلی تھی۔ اس نے بال سکھائے۔ اسی دم اس کی نگاہیں آئینے سے اُلجھ گئیں۔ خشک روکھے سے بال اور روکھا پھیکا سا چہرہ۔ نحیف سا وجود اور نکلتا ہوا قد، یہ دل آویز ابراہیم ہی تھی یا کوئی اور...... جس کے پاس آسائشوں کا ڈھیر تھا۔ رزق کی فراوانی تھی اور ملازموں کی لمبی قطار۔ اس کے باوجود کتنی نحیف اور کمزور لگ رہی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ گھر میں سب ہی کچھ تو ہے پھر وہ کون سی کمی ہے جس نے اسے ایسا بنا دیا۔ اسی پل حور کا سراپا اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

ہشاش بشاش چہرہ، کھلے گلابوں جیسے ہونٹ اور مسکراتی ہوئی جان دار آنکھیں۔ زندگی میں آسائشوں کی کمی کے باوجود وہ کتنی بھرپور تھی۔

ایک غریب گھرانے کی لڑکی، جسے دل آویز ابراہیم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ مقابلے میں آ چکی تھی اور دل آویز کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔

"یہ میں کیا سوچنے لگی ہوں۔ کیا مجھے یہ سب سوچنا چاہیے۔ مائی گاڈ......!" دل آویز نے گہرا سانس خارج کیا اور آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"میں حورالعین سے مقابلہ کیوں کرنے لگی ہوں۔ کیوں وہ میرے سر پر سوار ہوتی جا رہی ہے۔" وہ بستر میں گر گئی۔

وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ بھی محسوس کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن سوچیں خود بخود اس کا حصار کر رہی تھیں۔ آج پھر رمیض کا رویہ اسے یاد آ رہا تھا۔

"آخر ہمارا وقت ہی کتنا گزرا ہے ایک ساتھ...... جو تمہیں بچے کی خواہش ہو رہی ہے" وہ رمیض کے ساتھ خلوت میں ایسی ہی چڑ چڑی ہو جاتی۔

"ایک ساتھ......یعنی تم اس بات سے خوب اچھی طرح واقف ہو، جب ہی ہفتہ ہفتہ بھر ماں کے گھر جا کر بیٹھ جاتی ہو۔"

"یہ بات تم ماما سے پوچھو...... مجھے اس معاملے میں ٹارچر کیوں کرتے ہو؟" وہ فرار کے پہلو نکال رہی تھی۔

"تو تم اپنی ماں سے کیوں نہیں کہتیں کہ ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ کیوں انکار نہیں کرتیں تم وہاں جانے سے۔"

"میں...... میں بھلا کیوں انکار کروں گی؟" اس نے نظریں چُراتے ہوئے تنک کر کہا۔

رمیض غصے میں آ گیا اور یکدم اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو اس کے وجود پہ سانپ بچھو رینگنے لگے۔

یکدم وہ بستر سے ایسے اٹھی جیسے ابھی یہ سب ہو رہا ہو۔ اس کا گلا خشک ہو رہا تھا اور وجود میں اب بھی کراہت محسوس ہو رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ اپنے کپڑے جھاڑتی رہی۔ اپنے ہاتھوں سے، چہرے سے، گردن سے کسی نادیدہ شے کو ہٹانے کی کوشش کرتی رہی۔

وہ ایسی کون سی چیز تھی جو ہٹ نہیں رہی تھی۔ اس کے چہرے کی بے زاری اس بات کا پتا دے رہی تھی۔

حورالعین نے بڑی حیرانی سے اس منظر کو دیکھا تھا، وہ چائے لے کر آئی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہونے لگی تو یکدم رک گئی۔ اسے دل آویز کی ذہنی حالت پہ شبہ ہونے لگا۔ بہت دیر تک وہ خود کو کسی نادیدہ شے سے آزاد کراتی رہی، پھر واش روم میں گھس

گئی، جس کا مطلب تھا کہ وہ اب دو چار گھنٹے وہاں سے نہیں نکلے گی۔

حورالعین بے تحاشا سوال دل میں لیے واپس کچن میں آ گئی اور اگلے ہی پل وہ دنگ رہ گئی، دل آویز کچن میں آ چکی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ پتا نہیں، آج بھوک کیوں لگ گئی؟" وہ فریج کھولتے ہوئے کہہ رہی تھی، جیسے اسے اپنے کہے گئے لفظوں پہ خود ہی شرمندگی ہو رہی ہو۔

"میں نے ابھی چائے بنائی تھی۔ سوچ رہی تھی، اکیلے چائے پینا کتنا عجیب لگتا ہے لیکن اب آپ کے ساتھ پینے میں مزہ آئے گا۔" وہ دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے چائے کے کپ کے لیے ٹیبل کی طرف آ گئی۔

دل آویز پہلے تو جھجکی پھر خاموشی سے بیٹھ کر کپ اٹھا لیا۔

☆ ☆ ☆

"کل تمہاری طبیعت خراب تھی اور تم نے کسی کو بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔" ابراہیم نے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو طارق نے کوئی جواب نہیں دیا، سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"طارق! میں تم سے بات کر رہا ہوں اور تم مسلسل مجھے نظر انداز کر رہے ہو۔ اس سے قبل میں نے تمہارے اندر ایسی ہٹ دھرمی نہیں دیکھی۔"

اب کی بار طارق نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں شکوہ اور لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"ماما کی طرح آپ بھی کہہ دیجیے کہ یہ سب کچھ حورالعین کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" بیٹے کی بات پہ ابراہیم نے نظریں چرا لیں، پھر جیسے ٹالتے ہوئے بولے:

"تمہیں اپنی ماں کا پتا تو ہے، وہ اول دن سے اس رشتے کے خلاف تھیں۔"

"اور میں اس رشتے کے لیے مرا جا رہا تھا۔" طارق کا شکوہ چبھتے ہوئے نشتر کی طرح آیا۔

"نہیں، تم نے تو مجھ پہ احسان کیا ہے میرا کہا مان کر۔ میں عمر بھر تمہارا یہ احسان نہیں اتار سکوں گا۔" ابراہیم قدرے تلخ اور چڑ چڑے لہجے میں بولے تھے۔ طارق تاسف سے باپ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"ماما کا تو رویہ سمجھ میں آتا ہے لیکن مجھے آپ کا رویہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک آپ کو مجھ سے شکایتیں کیوں ہونے لگی ہیں۔ پہلے ہر معاملے میں مجھ سے ڈسکس کیا جاتا تھا، اب اچانک میں غیر بن گیا، صرف آپ کے سامنے سر جھکا دینے کی وجہ سے۔"

ابراہیم نے تڑپ کر بیٹے کی طرف دیکھا اور پھر قدرے تھکے تھکے سے انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''میں نے اپنی لاپرواہی کی وجہ سے اپنی ایک بیٹی کو زندگی سے دُور کر دیا ہے طارق! میں نہیں چاہتا، دل نشیں بھی ایسی ہی کسی گھٹن کا شکار ہو۔ دل آویز کا دکھ میرے لیے کافی نہیں ہے کیا جو میں دل نشیں کو بھی......''

''میں نہیں جانتا کہ دل آویز آپا کن مسائل سے دو چار ہو کر یہاں تک پہنچی ہیں۔ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ سکتی ہیں، لیکن دل نشیں جس راستے پہ چل رہی ہے، وہ راستے زندگی کی طرف نہیں آتے۔ اگر آپ پھر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آپ اس کی بھلائی میں سب کچھ کر رہے ہیں تو مجھے فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے......''

طارق لاپرواہی سے بولا تو ابراہیم بڑی فکر مند نگاہوں سے بیٹے کو دیکھنے لگے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے، طارق معمولی باتوں کو اہمیت دینے کا عادی نہیں تھا۔ کچھ نہ کچھ ضرور ایسا تھا کہ وہ اس حد تک پہنچا تھا اور اس حد کو جانچنے کے لیے انہوں نے دل نشیں کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی جہاں اس کے کلاس فیلوز کے ہمراہ اس کی بہت سی تصاویر تھیں۔ ان کے خاندان میں تو جینز کا تصور بھی نہیں تھا۔ دل نشیں نے عجیب بے ہودہ ڈریسنگ کی ہوئی تھی۔ کیا وہ اس حلیے میں گھر سے جاتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ بے ہودہ قسم کے لڑکوں سے چپکی بیٹھی ہے تو کہیں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بھاگ رہی ہے اور پھر انہیں حیرت نے جکڑ لیا جب ایک ہی تصویر انہوں نے بار بار دیکھی۔ وہ لڑکا کون تھا، کیا اس سے دل نشیں جذباتی وابستگی رکھتی تھی یا وہ کوئی عام سا دوست تھا؟ اس چیز نے ابراہیم کو سوچنے پہ مجبور کیا تھا اور بارہا انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اس سلسلے میں بیٹی سے پوچھیں مگر پوچھ کر ملتا کیا، سو انہوں نے چپ چاپ ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

''میں نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ میں اپنے ایک اہم فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔'' ابراہیم صاحب کی پُرسوچ آواز کافی دیر خاموشی کے بعد اُبھری تھی۔

''دل نشیں کے لیے رشتہ آ رہا ہے۔ تمہاری ماں کی اور میری متفقہ رائے یہ ہے کہ ہمیں اس رشتے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ویسے بھی دل آویز کو غیروں میں دے کر ہمیں ایسا لگا ہے کہ اپنوں سے بہتر کوئی نہیں ہوتا۔ تمہاری خالہ، دل نشیں کو اپنے بڑے بیٹے حافظ عباد سے لینا

چاہتی ہیں۔'' طارق کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

''لیکن...... خالہ جان کے اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' طارق نے دبے لفظوں میں کہا۔

''اور کیا دل نشیں اس رشتے پہ راضی ہو جائے گی؟ حافظ عباد احمد مولانا ٹائپ کے آدمی ہیں۔ آج کل کی لڑکیاں روک ٹوک کہاں برداشت کرتی ہیں۔''

''یہ مسائل ان مسائل کے سامنے معمولی ہیں، جن کی بنیاد پہ گھر میں تلخی بڑھتی جا رہی ہے۔ تمہاری ماں کا اپنے بہن بھائیوں کی طرف شروع سے بہت رجحان رہا ہے۔ تمہارے لیے وہ اپنی بھتیجی لانا چاہتی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ حورالعین کو ناپسند کرتی ہیں۔ اس سرد جنگ کو ختم کرنے کا یہی واحد حل ہے کہ اب باقی رشتہ داریاں تمہاری مرضی سے ہوں۔'' طارق حیرت سے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔

''ایک کی زندگی بچانے کے لیے کسی دوسرے کی زندگی داؤ پہ لگا دینا کہاں کی دانشمندی ہے...... بابا......''

''اور پھر ہم، یعنی میں یا ولید، اپنے مسائل کو خود حل کر سکتے ہیں جبکہ دل نشیں...... دل نشیں تو......''

''تم دل نشیں کی فکر مت کرو...... وہ ناسمجھ ضرور ہے مگر ہم سے محبت تو کرتی ہے ناں...... اور عباد ایسا بھی کنزرویٹو نہیں۔ بڑا سلجھا ہوا، روشن خیال لڑکا ہے۔ اچھی طرح جانتا ہوں میں اسے......''

''تو گویا آپ مطمئن ہیں......؟'' طارق نے اطمینان سے باپ کی طرف دیکھا۔

''ہاں اور مجھ سے زیادہ تمہاری ماں...... مطمئن اور خوش ہیں۔ ہم جلد ہی اس منگنی کا اعلان بھی کرنے والے ہیں۔''

''اور دل آویز...... کیا اس کا معاملہ یونہی رہے گا؟''

''ہاں......!'' ابراہیم کا لہجہ اتنا سرد اور مستحکم تھا کہ طارق کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

''ماما کی سوچ آپ سے مختلف ہے۔ وہ دل آویز کی مکمل علیحدگی چاہتی ہیں اور اس کے بعد...... شاید دوسری...... شادی......''

طارق کا لہجہ دھیما اور جھجک آمیز تھا۔ ابراہیم غصے میں کھڑے ہو گئے۔

''تمہاری ماں پاگل ہو گئی ہے جو ایسے سپنے دیکھتی ہے۔ دل آویز میری چوکھٹ پہ بوڑھی ہو سکتی ہے لیکن یہ داغ ہماری سات نسلوں میں نہیں لگا، میں اپنی بیٹی پہ لگا لوں۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ میرے جیتے جی نہیں ہو گا۔''

''آپ کو اپنے باپ دادا کے نام کی فکر ہے، دل آویز کی زندگی کی کوئی فکر نہیں۔ وہ ایک ذہنی مریض کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکتی ہے؟''

''مت تکلیف پہنچاؤ مجھے...... زخم زخم ہو چکی ہے میری روح...... مت لہولہان کرو مجھے...... ذہنی مریض رمیض نہیں، میری بیٹی ہے۔ وہ جہاں بھی جائے گی، اس کے یہی مسائل ہوں گے۔ اس کے مسئلے کا حل دوسری یا تیسری شادی نہیں ہے۔ میں مزید رسوائیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھ میں سکت......''

وہ رو رہے تھے بے آواز...... صرف آنسوؤں سے...... کرب ان کی روح تک سے ٹپک رہا تھا۔ طارق تیزی سے آگے بڑھا۔

''بابا......! بابا......! خود کو سنبھالیے۔''

''میں بہت پچھتا رہا ہوں...... کیا ہی بہتر ہوتا کہ ہم دل آویز کی شادی ہی نہ کرتے۔''

''کیوں سوچ رہے ہیں آپ ایسا، کیا کمی ہے دل آویز میں جو ہم اس کی شادی نہ کرتے؟ خوبصورت ہے، پڑھی لکھی ہے، سب سے بڑھ کر اس گھر کی بیٹی ہے۔ دراصل بابا...... آپ نے بہت جلد بازی کا ثبوت دیا۔ دل آویز کے لیے آپ کو اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص دیکھنا چاہیے تھا۔ رمیض لاکھ دولت مند ہے مگر اس کا ذہنی توازن سطحی ہے۔ میں مانتا ہوں دل آویز آپا کچھ کچھ وہمی سی ہیں، لیکن اگر رمیض کچھ پڑھا لکھا ہوتا تو سنبھال لیتا۔ آپ مان لیں، وہ شخص احساسِ کمتری میں مبتلا ہے۔''

''بس کرو...... طارق...... مت میرے زخم کریدو۔''

''مان لیجیے...... آپ نے یہ فیصلہ جلد بازی میں تنہا کیا تھا۔'' طارق پے در پے چوٹ مار رہا تھا۔ ''آپ نے یا کسی نے رمیض کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔''

ابراہیم نے تاسف سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ تلخ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

''دراصل ہم نے دل آویز کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔''

وہ کرسی کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے نہایت کمزور اور دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔

طارق کو مصلحتاً خاموش ہونا پڑا۔

پھر جیسے انہوں نے توقف کیا اور بیٹے کی طرف دیکھنے لگے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں بابا؟''

''تم نے حور سے کیسا تعلق رکھا ہوا ہے کہ دن بدن بجھتی جا رہی ہے وہ۔''

طارق گنگ سا رہ گیا۔

''وہ یہاں ناگفتہ حالات میں آئی تھی لیکن تمہیں تو اس کے ساتھ رویہ صحیح رکھنا چاہیے تھا۔'' وہ جیسے شکایت کر رہے تھے۔

باپ کی بھانجی سے ہمدردی پہ طارق نے اندر سے خوشی محسوس کی لیکن بظاہر بے نیازی سے بولا: ''میں کس لیے اس کے ساتھ رویہ بہتر رکھوں۔ مسلط کی گئی ہے مجھ پہ وہ۔''

وہ دانستہ رخ پھیر کر دیوار گیر شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ابراہیم نے افسوس سے بیٹے کی پشت کو دیکھا۔

''اگر میں کہوں کہ ہٹ دھرمی میں تم اپنی ماں پہ گئے ہو تو بے جا نہ ہو گا۔'' وہ شکستہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔ طارق نے یکدم رخ پھیر لیا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

''یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آپ بھی کچھ کم ہٹ دھرم نہیں؟''

''کیا چاہتے ہو تم......؟'' ابراہیم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''اس کا جواب میں نے نکاح سے قبل دے دیا تھا۔''

''آخر بُرائی کیا ہے حورالعین میں......؟'' ابراہیم زچ ہو گئے تھے۔

''اس سوال کا جواب آپ ماما سے لے لیں۔ میں سرینڈر کر دوں گا۔''

''تمہیں پتا ہے تمہاری ماں کو اس سے بلاوجہ نفرت ہے۔''

''اور آپ کو سمجھنا چاہیے کہ میں اس نفرت کا حصہ دار نہیں بن سکتا۔''

طارق نے بڑے اطمینان سے خود کو علیحدہ کر لیا تھا۔ ابراہیم کے چہرے پہ سوچ کے سائے گہرے ہو گئے۔ ان کی آنکھوں کی بے چینی طارق سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اسی طرف تو وہ انہیں لانا چاہتا تھا۔ اتنی آسانی سے وہ کیسے جانب دار ہو رہے تھے، وہ سپر پاور تھے۔ ماما کو کسی طرح سے بھی اس مسئلہ پر راضی کر سکتے تھے لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ بجائے مفاہمت کی طرف

لانے کے، وہ خاموشی سے ماما کی بے جا حمایت کرنے لگے تھے، جس سے اس کے لیے مشکلات بڑھتی جا رہی تھیں۔

''میں گھر میں کسی بھی محاذ آرائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔''

''جب آپ گھر کے بڑے ہو کر ایسا سوچ سکتے ہیں تو میری حیثیت کیا ہے۔ میں بھی اپنی ذات کو متنازعہ نہیں بنا سکتا۔''

''اگر تمہاری جگہ ولید ہوتا تو وہ......''

''کسی کی بھی پرواہ نہ کرتا...... اور شاید اس کی خودسری سے سب خاموش ہو جاتے۔ ہمیشہ کی طرح باغی اور ہٹ دھرم۔ وہ یہ جنگ بھی جیت جاتا لیکن میں تو ازل سے صلح جو رہا ہوں۔ اس لیے شاید بزدل بھی ہوں لیکن یہ مت بھولیے گا، اس بزدل نے ہی قربانی کے لیے سر جھکایا تھا۔ آپ کے وعدے کو ایفا کیا تھا۔'' وہ سارا بوجھ باپ کے کندھوں پہ ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

اب اپنے آفس میں آ کر وہ واقعی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

یہ بات کتنی خوشگوار تھی کہ بابا کو حورالعین کی پرواہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اب اس پرواہ کو سامنے آنا چاہیے۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر کرسی سے ٹکا لیا اور آنکھیں موند لیں۔ حورالعین کا سراپا اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ بے باک اور لاپرواہ لڑکی، پھر خودسر بیوی اور گھریلو کاموں میں مصروف ہو کر خود کو بھول جانے والی بہو بننے تک۔ کتنے روپ دیکھ لیے تھے اس نے لیکن کسی ایک روپ سے بھی وہ خود کو فتح یاب نہیں کر پائی تھی۔ فتح سے ہمکنار کیا تھا تو اس محبت نے جو وہ اس سے بچپن سے کرتی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور پھر اچانک اس کا شدت سے من چاہا کہ حور سے بات کرے...... اسے ستائے...... اور دوسرے ہی پل وہ اس کے موبائل کا نمبر ملا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

حورالعین لیٹی ہوئی تھی۔ سیل فون بجنے پہ چونک کر اٹھ گئی۔ یہ وہ فون سیٹ تھا جو اسے ابراہیم نے سلامی میں دیا تھا۔ ابھی تک اس نے اس کو استعمال نہیں کیا تھا۔ اسے نمبر دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔ آیا یہ رانگ کال ہے یا اس کے کسی اپنے کا فون ہے۔ کون جان سکتا ہے اس نمبر کو۔ اس نے حیرت سے دیکھا اور کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد بالآخر فون اٹینڈ کر ہی لیا۔

''بڑی دیر کے بعد فون ریسیو کیا، کیا سو رہی تھیں؟'' طارق کی آواز سن کر وہ چونکی تھی۔ طارق کا لہجہ بہت خوشگوار اور اپنائیت سے لبریز تھا۔

اس لہجے پہ وہ جاں نثار کر سکتی تھی لیکن کیوں......؟ اس نے یکدم خود کو سنبھال لیا۔

''میرے پاس سونے کے علاوہ بھی اور بہت سے کام ہیں۔'' وہ روکھے سے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''جی ہاں...... یہ مجھے معلوم ہے، بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' طارق ہنستے ہوئے بولا۔

''آپ کو یہ نمبر کہاں سے ملا ہے......؟''

''جہاں سے آپ کو فون ملا، وہیں سے ہمیں نمبر مل گیا۔''

''کوئی کام تھا......؟'' اس کے اجنبی لہجے پہ طارق کے دل میں کسک ہوئی لیکن اگلے ہی پل وہ مسکراتے ہوئے شگفتہ لہجے میں بولا:

''کیا میں تمہیں صرف کام کے لیے ہی یاد کرتا ہوں۔''

''آج تک تو ایسا ہی ہوا ہے۔'' وہ بھی حورالعین تھی۔ طارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''چلو ایسا ہی سمجھ لو، سب سے پہلا کام اپنا لباسِ فاخرہ جو تم نے نجانے کتنے دن سے زیبِ تن کیا ہوا ہے، فوراً چینج کر لو اور اچھا سا لباس پہن کر خوشبوؤں سے آراستہ پیراستہ ہو کر میرے انتظار میں بیٹھ جاؤ۔''

طارق کے لہجے میں بہت سے اسرار پنہاں تھے۔ حور کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

''اس کے بعد میری من پسند خوشبو ''ہیوگو'' سے خود کو معطر کر لو تاکہ لہسن پیاز اور مسالوں کی مہک جو تمہاری آمد کی پیشگی اطلاع کر دیتی ہے، کم از کم وہ زائل ہو جائے اور ہاں، پلیز بالوں کو باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہارے کھلے ہوئے بال ہی اچھے لگتے ہیں۔ شادی کے بعد مجال ہے جو تم نے ایک دن بھی بال کھلے چھوڑے ہوں۔ شادی سے پہلے تو ہر فنکشن میں تمہارے بال کھلے رہتے تھے اور خاص طور پہ عادل چاچو کی شادی میں۔ یار! قسم سے سیاہ رنگ تم پہ بے پناہ جچتا ہے، لیکن آج میں تمہیں سیاہ لباس پہننے کے لیے اس لیے نہیں کہوں گا کہ آج ہم یومِ سیاہ نہیں بلکہ یومِ محبت منانے جا رہے ہیں۔''

حور کو اس کے پوشیدہ احساسات جان کر غشی آنے لگی تھی اور وہ یقین و بے یقینی کی کیفیت میں گنگ رہ گئی تھی۔

"اے...... ہیلو! کیا پھر سے سو گئیں...... ہیلو...... ہیلو...... مسز طارق! سن رہی ہیں آپ؟" حور کو لگ رہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

"جی...... میں...... سن رہی ہوں......" وہ بدقت بولی۔

"کم آن یار......! صرف سنو تو نہیں، کچھ کہو بھی۔"

"کیا کہوں......؟" وہ جیسے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

طارق ہنس پڑا۔ "اب یہ مجھے حورالعین کو بتانا پڑے گا جو بولنا شروع ہوتی ہے تو کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ یہی کہتی تھیں ناں دادو تمہارے بارے میں۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ جو نانو کہا کرتی تھیں، تم سب سنتے تھے لیکن جان بوجھ کر انجان بنے رہتے تھے، صرف مجھے اذیت پہنچانے کے لیے۔ صرف یہی نہیں، بہت سی اذیتیں ہیں جن کا جواب تمہیں دینا ہے۔"

"ہیلو...... کم آن یار......! تم نے تو سچ مچ بور ہی کر دیا۔ مجھے کیا پتا تھا میری بیوی اتنی ڈل ہو گی۔ میں اس سے پہلی بار اپنے لگژری آفس میں بیٹھ کر خصوصی اپوائمنٹ چھوڑ کر عشق لڑاؤں گا اور وہ مراقبے میں جا بیٹھے گی۔ کچھ تو بول، پہلے تو تم بہت بولتی تھیں۔ بے تکان اور بے محل لیکن اب یوں لگ رہا ہے جیسے تمہارے منہ میں زبان ہی نہیں۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں......" وہ خود ہی اپنی بات سے محظوظ ہو رہا تھا اور چشمِ تصور سے حور کا شرماتا، جھینپتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"وہ سب باتیں پرانی تھیں۔ اب نہ نانو ہیں اور نہ ہی حورالعین کی وہ شرارتیں۔ سب کچھ ماضی بن گیا ہے۔" اس کے لہجے میں انجانا سا درد تھا، جسے طارق نے صاف محسوس کیا تھا۔ وہ اس بوجھل پن کو دُور کرنے کے لیے بے ساختہ بول پڑا:

"دادو کی بہت سی باتیں تمہارے اندر پائی جاتی ہیں۔ اس بات کا اعتراف پاپا ہی نہیں، میں بھی کرتا ہوں۔" وہ اب بالکل سنجیدہ تھا۔

حور کو پھر حیرانی نے آن دبوچا۔ آخر آج وہ کس کس چیز کا اعتراف کرنے والا تھا۔

"مجھے دادو کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا، ورنہ میں بھی ان سے بہت کچھ حاصل کر لیتا۔ میری بہت سی مصلحتوں نے مجھے ان کے قریب نہ ہونے دیا۔ آج مجھے اس بات کا بہت افسوس ہوتا ہے۔ خیر......! تمہارا ساتھ میرے لیے یقینی تھا۔ شاید اسی لیے مجھے دادو کا پیار

بلاواسطہ نہیں، بالواسطہ مل رہا ہے۔"

"کیا مطلب......؟" حور تقریباً چیخ پڑی۔ طارق کا قہقہہ جاندار تھا۔

"ارے یار...... تم تو واقعی ہوش میں آ گئیں۔ مجھے تو لگ رہا تھا جیسے میں تمہیں لوریاں سنا رہا ہوں اور تم سو رہی ہو۔ ویسے بھی لگتا ہے تمہیں سونے کا بہت شوق ہے۔"

"بائی داوے، آپ کی یہ انفارمیشن غلط ہے۔ میں صرف رات کو ہی سوتی ہوں۔ اگر آپ کو اس چیز پہ اعتراض ہے تو آپ خود ایک کام کریں۔ دن میں نہ سویا کریں تاکہ آپ کو رات کو بے محل جاگنا نہ پڑے اور دوسروں پہ اعتراض کا موقع بھی نہ ملے۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"کمال کرتی ہو۔ مجھے دن بھر یہاں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہوتی اور تم کہہ رہی ہو کہ میں یہاں سوتا ہوں۔ محترمہ میں یہاں کام کرنے آتا ہوں۔ مکھیاں مارنے نہیں کہ جب موقع ملے ستا لیے۔ یہاں تو ایک پل بھر کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔"

"جی ہاں، آپ کی مصروفیت کا تو مجھے پچھلے بیس منٹ سے خوب اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ دن بھر کس قدر مصروف رہتے ہوں گے۔"

"ارے یار! وہ تو میں تم سے ایسے ہی مذاق کر رہا تھا، دراصل تم سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا اور ہاں دیکھو، جس کام کے لیے تمہیں فون کیا تھا وہ تو میں بھول ہی گیا۔"

"شکر ہے آپ کو کوئی کام کی بات بھی یاد آئی۔ ویسے بھی آج تک بنا کام تو آپ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔"

"اے...... اے...... لڑکی باز آ جاؤ، بہت ہو گئی۔ تمہاری سوئی کام، کام اور کام پہ اٹک گئی ہے۔ کام بتانے پہ آ گیا تو تمہارے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔"

"میرے ہوش...... آپ کیا سمجھتے ہیں، میں کام چور ہوں؟"

"دیکھ لو کچھ ایسے کام بھی ہیں...... جو تم سے ابھی تک نہیں لیے گئے ہیں۔" طارق کا لہجہ یکدم دھیما اور شرارتی ہوا تھا۔

حور نے بات فوراً بدل دی۔ "میری نماز قضا ہو رہی ہے جو کچھ کہنا ہے، جلدی کہہ دیجیے۔"

طارق اس کی گھبراہٹ پہ ہنسنے لگا۔ "دل کر رہا ہے ابھی گھر آ جاؤں۔"

"اس میں میرے لیے کون سا کام ہے۔" وہ انجان بنی۔

"وہ میں آ کر بتاؤں گا، فی الحال مجھے کہیں جانا ہے۔ بزنس کے سلسلے میں رات میں دیر

سے آؤں گا، اس لیے آج کا پروگرام کینسل ہے۔''

''کون سا پروگرام؟'' پھر وہ انجان بنی تھی۔

''صبح میں نے کہا نہیں تھا کہ تمہیں ساتھ لے کر جانا ہے۔ تمہارا کچھ قرض اتارنے کے لیے۔ فی الحال، آج وہ نہیں ہوسکتا۔ کل پرسوں پہ رکھ لیتے ہیں۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے کل یا پرسوں پرمیشن تو آپ کو ملنی نہیں۔ اس لیے میرے سامنے بار بار شرمندہ ہونے سے بہتر ہے کہ اس پروگرام کو مستقل کینسل کر دیں۔''

یہ کہہ کر حور نے فون بند کر دیا۔ ہنسی ضبط کرنے کی وجہ سے حور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ تیر ہی اس نے ایسا مارا تھا کہ طارق کا سارا موڈ ہی غارت ہو کر رہ گیا۔ وہ شدید غصے میں بند فون کو گھور رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حور کو ابھی اسی وقت کیسے اس بات کا جواب لوٹائے۔ چونکہ کام بھی ضروری تھا، سو اسے حور کا ''تحفہ'' برداشت کرنا پڑا۔

☆ ☆ ☆

''میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی کر لیا۔ کسی نے مجھے بتانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' دل نشیں بُری طرح تلملا رہی تھی۔

دلشاد بیگم کو بیٹی کا یوں اتاؤلا ہو کر چیخنا چلّانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''دل نشیں ہوش سے کام لو۔ آزادی دینے کا مطلب یہ نہیں کہ تم ماں باپ کی حیثیت کو ہی بھول جاؤ۔ ہم ماں باپ ہیں تمہارے، تمہارا اچھا بُرا خوب جانتے ہیں۔''

''میرا اچھا بُرا...... آہ...... میرا اچھا بُرا آپ کیا جانیں گی، آپ کے پاس تو ہمارے لیے وقت ہی نہیں ہے۔''

''دل نشیں...... تم حد سے بڑھ رہی ہو......'' دلشاد بیگم سخت غصے میں آ گئیں۔

''آپ اس لڑکی کی لن ترانیاں سن رہے ہیں۔ دل آویز بھی تو ہماری بیٹی تھی۔ ذرا بھی چوں چراں نہیں کی تھی اس نے۔'' دلشاد بیگم کا رخ ابراہیم صاحب کی طرف ہو گیا۔

''اپنی اسی خاموشی کو تو بھگت رہی ہے۔ اگر پہلے بول لی ہوتی تو آج اس حال میں نہ ہوتی۔'' دل نشیں نے استہزائیہ کہا۔

''تو تم سمجھتی ہو، تم ہم سے زیادہ بہتر سوچ سکتی ہو۔'' ابراہیم صاحب نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی تھی۔ دل نشیں لاجواب ہو گئی۔

''ہماری بات کا جواب دو، دل نشیں!'' ابراہیم صاحب کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ دل نشیں کے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ باپ سے ڈائریکٹ اپنی پسند کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے فی الحال تھوڑا سا وقت چاہیے تھا جس سے وہ کوئی راستہ نکال سکے لیکن ماں باپ اسی راستے کو بند کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تم اب یونیورسٹی نہیں جاؤ گی۔ گھر داری میں دلچسپی لو...... تاکہ مستقبل میں تمہیں دشواریاں پیش نہ آئیں۔''

''وٹ ڈو یو مین، بابا؟'' وہ بُری طرح چیخی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کچھ کر ڈالے۔

''تو گویا آپ نے اپنے بیٹے کی بات کو درست جان کر یہ سب کچھ کیا ہے۔ یوں کہیے مجھ پہ، اپنی بیٹی پہ یقین نہیں رہا آپ کو۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے دل نشیں! میں اس موضوع پہ تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''مگر میں کرنا چاہتی ہوں۔ میرے بھائی اپنی من پسند زندگی گزار رہے ہیں۔ میں ان پہ کبھی اعتراض نہیں کرتی تو وہ کون ہوتے ہیں مجھ پہ اعتراضات کرنے والے؟''

''تمہارے رشتے سے ان کا کیا تعلق ہے؟ یہ سراسر ہمارا فیصلہ ہے۔'' دلشاد بیگم کو بیٹی کا بڑھ بڑھ کر بولنا سخت ناگوار لگ رہا تھا۔

''میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں ماما! جو اس کھیل کو نہ سمجھ سکوں۔ پہلے طارق بھائی نے مجھ پہ شک کیا۔ اس کے بعد اچانک میرا رشتہ کہیں سے آن ٹپکا اور آپ لوگوں نے فیصلہ بھی کر لیا کہ میں آگے نہیں پڑھوں گی۔ ان سب باتوں کو ملا کر یہی نتیجہ نکلتا ہے ناں کہ مجھ پہ، میرے کردار پہ شک کرتے ہوئے آپ میرے لیے شادی کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ مجھ سے پوچھ ہی لیا جائے۔ اس سب کو میں کیا سمجھوں؟''

دل نشیں رونے لگی تھی۔ بیٹی کے احتجاج اور رونے پہ ابراہیم صاحب کے دل پہ بوجھ سا آ پڑا۔ البتہ دلشاد بیگم کا دل نرم نہیں ہوا تھا۔ وہ ناگواری سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ ابراہیم صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''فی الحال تم جاؤ اور آرام کرو...... ہمیں بھی ابھی کسی فنکشن میں جانا ہے، پھر بات کر لیں گے۔ ابھی ہماری طرف سے کچھ بھی حتمی نہیں ہے۔ جو پرپوزل ہم نے تمہارے سامنے رکھا ہے، اس پر سوچ کر پھر ہمیں جواب دینا۔''

دل نشیں کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تھی۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے چپ چاپ والدین کے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ اچانک ہی تمام مسائل کو پسِ پشت ڈال کر ماں باپ کا اس پر متوجہ ہو جانا، غیر معمولی نہیں تھا۔ وہ اپنے بستر پہ لیٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ خود پہ توجہ ہٹانے کے لیے اسے کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا تھا۔ کس کے خلاف......؟ اور پہلا دھیان اس کا حورالعین اور طارق کی طرف ہی گیا۔ اس کے رگ و پے میں نفرت اُمنڈ آئی۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان دونوں کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

اس کے ماما اور بابا نے سوچ کیسے لیا کہ وہ عباد احمد کی شریکِ سفر خوشی خوشی بن جائے گی۔ راحیل کے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اسے چھوڑنا تو میرے لیے موت سے کم نہیں ہوگا۔ اسی وقت اس نے فون اٹھایا اور راحیل کا نمبر ملانے لگی۔ مسلسل گھنٹیاں جا رہی تھیں لیکن فون اٹینڈ نہیں ہو رہا تھا۔ دل نشیں نے غصے سے فون ایک طرف پھینک دیا۔

☆ ☆ ☆

جب وہ کچن میں آئی تو وہاں حورالعین پہلے ہی سے موجود تھی۔

''تم نے کیا کچن میں مستقل قیام کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟'' وہ سخت چڑچڑے انداز میں بولی تو حورالعین نے چونک کر اسے دیکھا۔ دل نشیں سخت غصے میں تھی۔

''نجانے کیا گھول کر ماما اور بابا کو پلا دیا ہے کہ گھر کا نقشہ ہی بدل گیا'' حور حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ ہمارا گھر ہے۔ یہاں جو کچھ ہوگا، ہماری پسند سے ہوگا۔ آئندہ ہمارے لیے کچھ پکانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں، سمجھیں تم۔''

یہ کہہ کر اس نے ملازموں کو چلا چلا کر اکٹھا کر لیا۔

''اگر اس گھر میں خانساماں تبدیل ہو گیا ہے تو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے علی میاں کو کھڑے کھڑے شرمندہ کر دیا۔ ''صرف باتیں بگھارنے۔ آؤ یہاں لان میں بیٹھ کر دھوپ سینکیں۔''

علی میاں، گھر کا پرانا خانساماں تھا۔ دل نشیں کے بے عزت کرنے پہ سخت خائف نظر آ رہا تھا۔

''ہمیں تو چھوٹی بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ کھانا وہ بنایا کریں گی۔ یہاں سارا دن دل آویز

بی بی بھی ہوتی ہیں، انہوں نے تو کبھی اعتراض نہیں کیا۔''

''اس لیے کہ اسے گھر یا گھر سے متعلق کسی بھی الا بلا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہ چھوٹی بیگم صاحبہ تم کسے کہہ رہے ہو......؟ اس کا جو نام ہے ناں، اسی نام سے پکارا کرو...... زیادہ بیگم صاحبہ کا دم چھلا لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ حقارت سے بولی تو حورالعین کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''میں اس گھر کے بڑے بیٹے کی بیوی ہوں۔ جتنی عزت و قدر طارق کی ہے اتنی میری بھی ہے۔ میں اس کے ساتھ بھاگ کر نہیں آئی۔ با قاعدہ چار لوگوں کے بیچ عزت بنا کر لائی گئی ہوں۔ اب تم لوگ یہاں سے جا سکتے ہو۔''

حورالعین کے جواب پہ دل نشیں تیخ پا ہو گئی۔

''با قاعدہ اور با عزت۔'' وہ تنفر سے پھنکاری تھی۔ ''با قاعدہ ضرور آئی ہو، مگر با عزت نہیں۔'' ماما، دل آویز اور میں نے کبھی اس رشتے کو قبول ہی نہیں کیا۔

حورالعین ہنس پڑی۔

''مجھے جس نے قبول کرنا تھا، کر لیا ہے۔ باقیوں سے مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔''

''تم حد سے بڑھ رہی ہو۔'' دل نشیں مشتعل ہو گئی۔ ''ماما گھر پر ہوتیں تو میں تمہارا حشر کروا دیتی۔''

''شکر کرو...... کہ وہ گھر پر نہیں ہیں، ورنہ یہاں بہت کچھ ہو جاتا۔'' حورالعین کچن سے نکلنے لگی۔ دل نشیں نے دل آویز کو آوازیں دینا شروع کر دیں اور چلا چلا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

مگر دل آویز گھر پر ہوتی تو سنتی ناں، وہ تو بیوٹی سیلون گئی ہوئی تھی اور یہ بات حورالعین جانتی تھی لیکن دل نشیں کو نہ بتائی۔ وہ کیوں بتاتی؟ وہ تو صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ دل آویز ہی نہیں، دل نشیں بھی ذہنی مریضہ بن چکی ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں دل آویز گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج میں دل نشیں غصے میں بھری بیٹھی تھی۔

''دیکھو...... دلشی......! میں نے کیسا ہیئر اسٹائل بنوایا ہے، لگ رہی ہوں ناں اپنی عمر سے دس سال چھوٹی......'' وہ پرس سے آئینہ نکال کر بالوں میں برش چلانے لگی تھی۔

اس کا دھان پان سا وجود اور سوکھا لمبوترا چہرہ، ہر وقت جلتی کلستی آنکھیں...... اور

سوکھے ہونٹ آج کتنے مختلف لگ رہے تھے۔ چہرے پہ زندگی چمک رہی تھی۔ تن پہ کپڑے بھی خوش رنگ دکھائی دے رہے تھے اور آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ دل نشیں حیرت سے اس کی اس تبدیلی کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے، کیا میں کوئی عجوبہ لگ رہی ہوں تمہیں؟'' دل آویز متذبذب سی نظر آ رہی تھی۔ دل نشیں نے گہرا سانس خارج کیا۔ گویا اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے، کسی کو کسی کا کچھ خیال ہی نہیں ہے۔''

غصہ تھا کہ ایک طوفان جو اُمڈنے کو بے تاب تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، کیا کہنا چاہتی ہو تم......؟'' دل آویز، اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''کچھ نہیں۔''

''کچھ تو ہے دل نشیں جو تم......'' پھر دل آویز چپ سی ہو گئی۔ اس کی عادت ہی نہیں تھی، کسی کے معاملے میں مداخلت کرنے کی۔ آج وہ کیسے دل نشیں کو ٹٹولنے جا رہی تھی؟''

دل نشیں نے گہری نظروں سے، بہن کی طرف دیکھا۔

''میں اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟''

''کون سی تبدیلی کی؟'' دل آویز حیرانی سے بولی۔

''آئینے میں خود کو جا کر دیکھو۔ لگتا ہی نہیں یہ وہی دل آویز ہے جو صرف ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔'' دل آویز اس کی بات پہ ہنس پڑی۔

''اچھا لگنا کون نہیں چاہتا......؟'' وہ اِک ادا سے بولی تھی۔

''اس سے پہلے تو تمہیں اس بات کا خیال نہیں آیا۔'' دل نشیں کا لہجہ کٹیلا تھا۔

''ہاں......لیکن اب آ گیا ہے۔ آخر...... وہی کیوں اس گھر میں، کیا صرف وہی خوبصورت لگ سکتی ہے؟'' دل آویز کے لہجے میں جلن تھی۔ ''آخر وہ ہے کیا ہمارے سامنے......؟'' پھر دل آویز سرگوشی میں بولی: ''تمہیں پتا ہے اس گھر کے ملازمین بھی اس کی خوبصورتی اور فٹنس کی تعریف کرتے ہیں۔ کیا واقعی...... وہ تمہیں بھی اتنی ہی خوبصورت لگتی ہے؟''

دل نشیں کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے سب کو...... جسے دیکھو، وہی اس سے متاثر نظر آ رہا ہے۔''

''مم......میں کوئی متاثر نہیں ہو رہی۔ میں نے تو تمہیں ایک بات بتائی ہے۔''

''آج ہمارے اوپر اتنا بُرا وقت آ گیا ہے کہ ہم اسی کو موضوع بنائیں گے جبکہ اس نے ابھی ابھی میرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی اور میں سمجھ گئی ہوں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ وہ ہم سب کو باری باری اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہتی ہے اور خود اس گھر پہ حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔''

''تم کھل کر بات کرو۔ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم کیوں منہ لگیں اس کے، جو اس نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کی۔''

''میں اسے اس گھر میں قطعی برداشت نہیں کر سکتی۔'' یہی کہتی تھیں ناں ماما بھی، پھر کیا ہوا۔ بھول گئیں سب کچھ۔ گویا ہوش ہی نہیں ہے اور جب ہوش آئے گا وہ اپنا تسلط جما چکی ہو گی اور یہ سب کچھ طارق کروا رہا ہے۔ اسے پتا تھا میں، ماما اور تم اسے قبول نہیں کریں گے۔ اسی لیے وہ تمہیں تمہارے گھر اور مجھے میرے گھر بھجوانے پہ تُل گیا ہے، مگر یہ سیاست کوئی نہیں سمجھ رہا۔'' دل آویز گہری سوچ میں پڑ گئی۔

''وہ میرا گھر کیسے بسا سکتا ہے۔ رمیض مرد ہی نہیں ہے۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔'' دل آویز کی بات پہ دل نشیں سکتے میں آ گئی۔

حورالعین کو سخت جھٹکا لگا۔ وہ ان کی گفتگو چھپ کر سن رہی تھی۔

''یہ سچ نہیں ہو سکتا۔ رمیض سے پیچھا چھڑانے کے لیے دل آویز نے نئی چال سوچی ہے۔ اسے بچپن سے وہم کی بیماری ہے، ناپاکی کا وہم۔ یہ نارمل لوگوں کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی۔ بقول ڈاکٹر عبداللہ کے، یہ صرف ایک عادت ہوتی ہے جسے جتنا دہرایا جائے، وہ اتنی ہی پختہ ہوتی جاتی ہے اور اس کا دہرانا شعوری بھی ہو سکتا ہے اور لاشعوری بھی۔ رمیض مکمل انسان ہے لیکن وہ سطحی مزاج کا مرد ہے۔ وہ ان تکلفات میں کیوں پڑے گا۔ اسے کیا کنفیوژن ہے۔ بقول ڈاکٹر عبداللہ کے، اس نے شادی کی ہے اپنی ازدواجی خوشیوں کے لیے۔ جب وہ حاصل نہیں ہوں گی تو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے یا خوش رکھ سکتا ہے۔ یہ بات تو اس فریق کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس اُلجھن میں اپنے ساتھی کو مبتلا کر رہا ہے۔ کیا وہ اس راستے سے فرار چاہتا ہے یا اذیت دینا چاہتا ہے اپنے ساتھی کو۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ اگر اذیت دینا چاہتا ہے تو کیوں؟ اس کا مطلب ہے وہ بالکل نارمل ہے اور اگر فرار چاہتا ہے تو اس کیس میں گڑبڑ ہے کیونکہ وہ اپنی

عادتوں کو اتنا پختہ کر چکا ہے کہ ان کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر اس سے کہا جائے کہ وہ یہ کیوں کرتا ہے تو اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔ اگر اسے اس کے فعل سے روکا جائے گا تو وہ اپنے اندر ایک تناؤ کی کیفیت محسوس کرنے لگے گا جو ضد اور چڑچڑے پن کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی صورتحال میں اسے اس کے حال پہ چھوڑ دینا یا اس کے الگ تھلگ زندگی گزارنے پہ آمادہ ہو جانا، اس کے لیے بہتر نہیں ہے۔ بہتری تب ہی آئے گی جب چلتی پھرتی زندگی اس کے سامنے ہوگی۔

ایسا انسان بعض دفعہ اپنے آپ کو مظلوم بھی سمجھتا ہے اور اندر سے احساسِ کمتری کا شکار بھی ہوتا ہے۔ جب وہ لوگوں کو خوش اور مگن دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اور بھی کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔

وہ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے لوگوں سے تقابلی جائزے پہ مصر ہو جاتا ہے اور اس سبجیکٹ کا یہی ایک کمزور پوائنٹ ہے کہ اس کی جلن اور حسد کی کیفیت کو اجاگر کیا جائے۔ جلن اور حسد بھی احساس کی شکلیں ہیں اور یہ منفی احساسات کو اجاگر کرتے ہیں۔

جب یہ احساسات باہر آئیں گے تو دو صورتیں درپیش ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس طرح جھگڑا فساد پیدا ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے یہ کہ سبجیکٹ اپنی خامیاں چپکے چپکے دور کرنا شروع کر دے اور خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اگر سبجیکٹ اس طرح کرتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ اس طرح اس کی ذات کے دروازے کھلتے ہیں اور اس سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔''

ڈاکٹر عبداللہ کی گفتگو اور رائے صحیح نہج پہ جا رہی تھی اور اس میں صرف اس کی کوشش نہیں تھی۔ ابراہیم صاحب کا اسے مکمل تعاون حاصل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ گھر میں کوئی بھی اس عمل سے باخبر نہیں تھا۔

حورالعین وہاں سے ہٹ گئی تھی، کیونکہ ان کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں لیکن ان کا موضوع ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

رمیض کے بارے میں اس نے دل آویز کے منہ سے یہ بات دوسری بار سنی تھی کہ رمیض میڈیکلی فٹ نہیں ہے۔ اس سے پہلے وہ یہ بات گھر کی ملازمہ کے سامنے اسے بتا چکی تھی کہ رمیض فٹ نہیں۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ دل آویز اس کو اپنی انتہائی ذاتی زندگی

کی کوئی بات بتاتی۔ شاید وہ یہ سب باتیں لوگوں میں اچھی طرح پھیلا دینا چاہتی تھی تاکہ اس سے کوئی مزید سوال ہی نہ کر سکے۔ حالانکہ اس نے تو کوئی سوال بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی اتنی مجال کہاں کہ اس کے نجی معاملے میں مداخلت کرنے کی جرأت کرتی۔ وہ اس گھر میں رچ بس جانا چاہتی تھی لیکن برباد ہونا نہیں۔ وہ دل آویز کی دل جوئی اور خوشامد تو کر سکتی تھی مگر سوال و جواب نہیں کر سکتی تھی۔

باقی گھر والوں کی غیر موجودگی میں غیر محسوس طریقے سے وہ یہی کر رہی تھی کہ ایک دن دل آویز خود ہی پھٹ پڑی اور کہنے لگی:

''مجھ سے اپنے ماں باپ کا غم نہیں دیکھا جاتا۔ وہ میری وجہ سے بہت پریشان ہیں لیکن انہوں نے یہ پریشانی خود مول لی ہے۔ اب کوئی بھی مجھے ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ جن حالات سے میں گزر رہی ہوں، کوئی بھی لڑکی انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔''

''اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد سے نواز دیتا تو یہ رشتہ کوئی بھی نہیں توڑ سکتا تھا۔'' ملازمہ نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

''اولاد!'' دل آویز نے اس لفظ پہ بڑے اچنبھے کا اظہار کیا تو ملازمہ ہی نہیں، حورالعین بھی حیران ہوگئی۔

''ہاں جی، اولاد رب سوہنے نے آپ کو چار سال میں بھی نہ دی۔''

''چار سال میں، وہ رہی ہی کتنا تھی وہاں۔'' حورالعین دل ہی دل میں حساب کتاب لگا رہی تھی۔

''اولاد کیسے ہوتی، وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔''

حورالعین اُچھل پڑی تھی اور ملازمہ ساکت رہ گئی تھی۔ یہ بات کہتے ہوئے دل آویز کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور لہجہ اجنبی سا تھا۔ اس کے بعد وہ وہاں نہیں رکی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ملازمہ سے نگاہوں کا تصادم ہوا تو حورالعین نے نگاہیں چُرا لیں لیکن سکینہ بوا تو ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔ زمانے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھیں۔ جھاڑو پونچھا چھوڑ کر حورالعین کے نزدیک آ گئیں اور رازداری سے بولیں:

''ہمیں یہاں کام کرتے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے، ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا لیکن

"آج آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا آپ کو ان کی بات پر یقین آیا؟" آپ نے دل آویز بی بی کے شوہر کو دیکھا ہے کیا؟

"سکینہ بوا! آپ مجھ سے اس موضوع پر بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ آپ جا کر ان ہی سے پوچھیں، جنہوں نے یہ کہا ہے۔"

"توبہ، توبہ مجھے کیا نوکری سے نکلنا ہے۔ میں تو خود حیران ہوں۔ یہ تو جی بہت بڑی بات ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو چار سال کیوں دل آویز بی بی وہاں رہیں۔ اس بات کا فیصلہ تو چار دن میں ہی ہو جاتا۔"

"ایک اَن پڑھ جاہل ملازمہ عورت چار سیکنڈ میں اس نتیجے پہ پہنچ گئی تھی تو دل آویز اور اس کے والدین کیا سوچ رہے ہوں گے؟"

☆ ☆ ☆

محمود نے آ کر بتایا کہ اس کا فون آیا ہے۔ محمود تیرہ چودہ سالہ لڑکا تھا جو سکینہ بی بی کا ہی بیٹا تھا۔

"کیا دل آویز اور دل نشیں لاؤنج میں ہی بیٹھی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں جی، وہ تو شاید کہیں چلی گئی ہیں۔"

"چلی گئیں؟ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے نیچے آئی۔ فون اس کی چھوٹی بہن کا تھا۔

"آپی میں زنیرہ بول رہی ہوں، ابو کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ آپ کو بہت یاد کر رہے تھے۔"

"کب سے خراب ہے ابو کی طبیعت اور مجھے بتایا کیوں نہیں؟" وہ پریشان ہوگئی۔

"ابو نے خود ہی منع کیا تھا کہ آپ پریشان نہ ہو جائیں۔ ویسے بھی آپ شادی کے بعد صرف ایک دو بار ہی آئی ہیں۔ آپ خود بھی فون نہیں کرتیں۔ اس لیے آپ کو فون کرتے ہوئے ہمیں بھی گھبراہٹ ہوتی ہے۔"

"اچھا فضول باتیں نہ کرو، میں ابھی آ رہی ہوں۔" وہ جھینپ مٹاتے ہوئے بولی اور فون بند کر دیا۔

گھر میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ کس سے پوچھ کر جاتی اور کس کے ساتھ جاتی۔ وہ تذبذب

میں مبتلا ہوگئی۔

ابراہیم صاحب، دلشاد بیگم کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے۔ ان کا نمبر ملایا تو ان کا فون بند تھا۔ طارق سے بھی رابطہ نہ ہو سکا۔ وہ باپ کی بیماری کا سن کر سخت بے چین تھی۔ بالآخر تنگ آ گئی اور اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا طارق کا فون آئے گا تو وہ اسے بتا دے گی۔

☆ ☆ ☆

ڈرائیور کے ساتھ جب وہ گھر پہنچی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ زنیرہ، زوہیب اور نوشین اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان کی خوشی کا اظہار اتنا بے ساختہ اور دل موہ لینے والا تھا کہ وہ ساری ٹینشن بھول گئی۔

"آپی آپ تو جا کر ہمیں بھول ہی گئی ہیں۔" ان سب کی زبان پہ ایک ہی شکوہ تھا۔

حورالعین کو شرمندگی سی ہوئی۔ اس کے چاروں چھوٹے بہن بھائی جو کہ بے شک سوتیلے تھے، مگر وہ تھے تو ایک ہی باپ کی اولاد اور اسے کتنا چاہتے ہیں۔ کیوں وہ ایک ہی مخصوص دائرے میں قید ہو کر رہ گئی ہے، جہاں صرف لمبی تنہائی، نفرت اور حقارت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"اچھا میں ابو سے مل لوں۔"

"ابو تو گھر پر نہیں ہیں۔ ذیشان ابو کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ہوا ہے۔"

"اور امی کہاں ہیں؟" اس نے زنیرہ سے پوچھا۔

"ظاہر ہے امی بھی ساتھ ہی گئی ہیں۔ آپ سکون سے بیٹھیں ہمارے ساتھ کھانا کھائیں وہ لوگ ابھی ابھی نکلے ہیں دیر تو لگے گی آنے میں۔"

پھر پل بھر میں ہی زنیرہ اور نوشین نے انواع و اقسام کے کھانے اس کے سامنے سجا دیے۔

"زنیرہ! نوشی! یہ سب اتنا تکلف تم لوگوں نے صرف میرے لیے کیا ہے؟ کیا ضرورت تھی اتنا سب کچھ کرنے کی؟"

"آپ ہمارے غریب خانے پہ اب نجانے کب تشریف لائیں گی، لہٰذا شرف بخش دیجیے۔" زوہیب نے کورنش بجالاتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کے رویے سے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ابو کی طبیعت بہت زیادہ خراب نہیں

ہے۔'' حوراب ذہنی طور پہ بالکل ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔

زنیرہ سنجیدہ سی ہوگئی۔ پھراس کے سامنے سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے بولی:

''ابو کو شوگر ہوگئی ہے۔ ابو کی فیملی میں سب ہی شوگر کے مریض ہیں۔ فقط ابو ہی رہتے تھے، وہ بھی......'' وہ پریشانی سے زیرِلب بولی۔

''پھرابو کی ڈائٹ وغیرہ تو بالکل تبدیل ہوگئی ہوگی۔'' وہ سالن نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''سب کچھ ہی چینج ہوگیا ہے۔ ابو بہت احتیاط کر رہے ہیں۔ روزانہ صبح واک پہ جاتے ہیں۔ نہار منہ کابلی چنوں کا پانی پیتے ہیں۔ بیسن کی روٹی ناشتہ میں لینے لگے ہیں۔''

''پھر شوگر کنٹرول ہوئی ابو کی؟''

''کہاں......؟ بہت ہی کمزور ہو گئے ہیں اور شوگر ایک منٹ میں آسمان پہ اور ایک منٹ میں زمین پہ آجاتی ہے۔ یہی سب سے بڑی پریشانی کی بات ہے۔''

زنیرہ فکرمندی بتا رہی تھی۔ پھر نوشین کہنے لگی:

''ابو کی وجہ سے امی بہت ویک ہوگئی ہیں۔ ہر وقت ان کو کچھ نہ کچھ ہوا رہتا ہے۔'' وہ اداس ہوگئی تو حور نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

''کچھ نہیں ہوگا امی ابو کو۔ کیوں فکرمند ہو رہی ہو۔ اچھا اور بہتر علاج، خوراک اور ذہنی سکون، انسان کو ان بیماریوں سے بالکل محفوظ رکھتا ہے اور لوگ سالہا سال جیتے ہیں۔''

وہ نوشین کو تسلی دے رہی تھی۔ زنیرہ کے چہرے پہ بھی فکرمندی دکھائی دے رہی تھی جبکہ زوہیب بالکل چپ چاپ بیٹھا تھا۔ نوشین اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

''آپ بہت بہادر ہیں آپی! ہم تو امی ابو کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' حور کو کتنا رنج ہوا تھا۔

''ہم کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہو جائیں لیکن اپنے ماں باپ کو کوئی نہیں بھولتا۔ آج میری امی ہوتیں تو...... شاید میں بھی تم لوگوں کی طرح ہوتی، پُرجوش اور توانا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ رنجیدہ سی ہوگئی تھی۔

''حور آپی! ہماری امی آپ کی بھی امی ہیں۔'' نوشین نے گویا اپنی طرف سے حور کو دلاسا دینے کی کوشش کی تھی۔ حور کو اس کی معصومیت پہ ہنسی آگئی۔

''ہاں، کیوں نہیں، تمہاری امی میری بھی امی ہیں۔''

''پہلے تو آپ ایسا نہیں کہتی تھیں۔ آپ تو کہتی تھیں منزہ تمہاری ہی امی ہیں، میری نہیں۔'' نوشین نے بے ساختہ کہا تو حور یکدم شرمندہ ہوگئی۔

''نوشین! تمہاری یہی بیوقوفیاں ہیں، اُلٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہو۔''

''نہیں زنیرہ! اسے کہنے دو، مجھے اس کا بولنا بالکل بُرا نہیں لگا ہے۔'' پھر وہ چپ چاپ کھانا کھانے لگی۔

''ہاں، میں پہلے یہی کہتی تھی منزہ میری ماں نہیں ہے۔ نہ میں ان کی عزت کرتی تھی اور نہ ان سے محبت۔ بدلے میں انہوں نے بھی مجھے کچھ نہیں دیا سوائے نفرت اور بیزاری کے۔ نہ وہ اپنا دل بڑا کر سکیں اور نہ ہی میں، لیکن اب احساس ہوا ہے کہ زندگی میں سمجھوتا ہی سب کچھ ہے۔ اب میں کیا کر رہی ہوں؟ اگر میں یہی کچھ اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ بھی کرتی تو شاید ان کے دل میں جگہ بنا لیتی۔ تب مجھے احساس نہیں تھا اور اب مجھے مکمل احساس ہے اس بات کا کہ اپنائیت اور محبت کس چیز کا نام ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''کہاں کھو گئیں آپ، کچھ بھی نہیں کھایا اور اٹھ کر کہاں جا رہی ہیں؟''

''میں ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔ شاید ابو آگئے ہیں، باہر رکشہ رکنے کی آواز آئی ہے۔''

☆ ☆ ☆

وہ ارباب رحیم کے پاس بیٹھی تھی۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے آنے سے میری تکلیف ختم ہوگئی ہے۔'' وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''طارق کو بھی آنا جانا چاہیے، مگر تم ہی نہیں آتیں تو وہ کیونکر آئے گا۔''

''آپ مجھے بے حد شرمندہ کر رہے ہیں ابو! میں سمجھتی تھی، امی میرا یہاں آنا پسند نہیں کرتیں۔ اب سوچتی ہوں یہ میری غلط سوچ تھی۔ امی اتنی بُری نہیں ہیں جتنا میں انہیں سمجھتی تھی۔''

ارباب صاحب نے حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی اور چادر کی جھالر سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔

''تم وہاں خوش تو ہو حور......؟'' حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں نے سنا تھا دلشاد بیگم سخت مزاج عورت ہے اور اس کی بچیاں بھی، مگر تمہاری نانو کے فیصلے کے سامنے......'' ارباب کو اندیشوں نے آگھیرا۔

''میں بہت خوش ہوں ابو...... یہ فیصلہ نانو کا تھا اور انہوں نے ہمیشہ میرے لیے اچھا ہی سوچا تھا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

اس کے چہرے کے سکون نے ارباب صاحب کو سکون کا احساس دلایا تھا تب ہی اس کا موبائل بجا۔ اس نے نمبر دیکھا تو طارق کا تھا۔ وہ فون اٹینڈ کرنے کی غرض سے باہر آ گئی۔

''کیا بات تھی، تم نے مجھے فون کیا تھا؟'' طارق شاید جلدی میں تھا۔

''ہاں، میں نے بابا کو بھی فون کیا تھا اور ماما کو بھی مگر فون نہیں مل رہا تھا۔''

''کیوں خیریت تو تھی؟''

''ہاں، ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں اپنے ابو کی طرف ہوں بس یہی بتانے کے لیے فون کر رہی تھی۔ مگر......''

''اب کیسی طبیعت ہے انکل کی، کیا ہوا ہے انہیں؟''

طارق کے لہجے میں پریشانی تھی۔ حورالعین اسے تفصیل سے بتانے لگی۔

''ٹھیک ہے ایسا کرو کہ تم فی الحال وہیں رکو، مجھے آج رات کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی جانا پڑ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے ایک دو روز لگ جائیں۔'' اسے طارق کے اجازت دینے پر خوشی ہوئی۔

''اچھا سنو، انکل کا خیال رکھنا اور اپنا بھی......'' حورالعین کو ہنسی آ گئی۔

''اے ہیلو، سنو! کیا مسئلہ ہے؟ جب میں بولتا ہوں تو تمہاری بولتی کیوں بند ہو جاتی ہے؟'' اب حورالعین کو جواب دینا ہی پڑا۔

''آپ کی اوٹ پٹانگ باتوں کا بھلا میں کیا جواب دے سکتی ہوں؟''

''آ...... پ...... اللہ رے۔ اندازِ تخاطب۔''

''میں کیا آپ کی عزت نہیں کرتی؟'' وہ شکوہ کر رہی تھی۔

''نہیں!'' وہ سچائی سے بولا۔ ''اور عزت تو تم میری تب بھی نہیں کرتی تھیں جب میں تمہارا استاد تھا۔ البتہ محبت...... محبت تو تم مجھ سے شروع ہی سے کرتی ہو۔''

حورالعین کو اس کا اِترانا سخت زہر لگا تھا۔

''میں آپ کی عزت کرتی ہوں، نہ آپ سے محبت۔''

''اب تو نباہ کرنا ہی پڑے گا مجھ غریب کو۔ دادو سر منڈھ کر جو گئی ہیں۔'' طارق کے طنز

پہ حور کو غصہ آ گیا۔

''اس بات کا جواب تو میں تب ہی دے سکتی تھی جب آپ کے روبرو ہوتی۔'' وہ گویا دانت کچکچا کر بولی تھی۔ طارق نے بے حد لطف لیا تھا۔

''کوئی بات نہیں مسز طارق! ایسے مواقع بار بار آئیں گے۔ جب ہم آپ کے اور آپ ہمارے روبرو ہوں گی۔ تب آپ کی جرأتیں بھی دیکھ لیں گے۔'' طارق کا لہجہ کچھ معنی خیز تھا۔

حور یکدم نروس ہو گئی۔ اسے گم صم پا کر طارق دل کھول کر ہنسا تھا۔

☆ ☆ ☆

''انسان کو اتنا بھی بزدل نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ نہ کر سکے۔ کس چیز کا دباؤ ہے آخر تمہارے اُوپر جو تم کھل کر اپنی رائے کا اظہار بھی نہیں کر سکتے؟'' دل نشیں، راحیل کے رویے پہ بُری طرح جھلس چکی تھی۔

''تم یہ چاہتی ہو کہ جس طرح تم سوچتی ہو، سب اسی طرح سے کریں۔ آخر میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔'' راحیل بُری طرح بے بس دکھائی دے رہا تھا۔

''تم جو میرے سامنے اس قدر بے بسی کا اظہار کر رہے ہو، مجھے یہ بتاؤ کیا میں تم سے نکاح کا مطالبہ کر رہی ہوں یا میں نے یہ کہا ہے کہ ہم کورٹ میرج کر لیں؟''

''میں نے ایسا کب کہا ہے؟''

''میں تمہارے لیے اتنا آگے آ گئی ہوں کہ اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتی۔ تم مجھے صاف صاف بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟''

راحیل نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد آہستگی سے بولا:

''میرے اور تمہارے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے۔ میں غریب والدین کی اولاد ہوں اور تم دولت مند باپ کی بیٹی۔ مجھے اپنا کیریئر بنانے کے لیے اور تمہاری برابری کے لیے وقت چاہیے۔ کیا تم تب تک میرا انتظار کر لو گی؟''

دل نشیں اس کی طرف دیکھ کر لاپرواہی سے ہنس پڑی۔

''بس اتنی معمولی سی بات تھی جسے تم نے اپنے دل کا بوجھ بنا رکھا تھا۔''

''یہ بات معمولی نہیں ہے دلشی! ایسی باتیں تب تک معمولی لگتی ہیں، جب تک انسان پریکٹیکل زندگی میں قدم نہیں رکھ لیتا۔ پریکٹیکل لائف میں یہی بنیادی چیزیں کامیابی اور ناکامی

کا سبب بنتی ہیں۔'' دل نشیں اس کی دلیل پہ چڑ سی گئی۔

''یہ باتیں اب کیوں کر رہے ہو؟ جب تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا، تب نہیں سوچا تھا کہ یہ دوستی دلوں کی زنجیر بھی بن سکتی ہے۔''

راحیل تڑپ کر بولا: ''اچھا مجھے تھوڑا سا وقت تو دو، میں کوئی راستہ نکالتا ہوں۔'' اس کا لہجہ بہت کمزور سا تھا۔

''تم تھوڑا سا وقت مانگ رہے ہو، جبکہ میں تمہیں اس موضوع پہ سوچنے کے لیے ساری عمر بھی دے دوں پھر بھی تم فیصلہ نہیں کر سکتے۔''

تنفر سے کہتے ہوئے دل نشیں اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اب وہ تنہا لائبریری میں بیٹھی تھی۔ اتنا گر گرا اور جھک کر اس نے راحیل سے زندگی بھر کا ساتھ مانگا تھا، پھر بھی اس نے پذیرائی نہیں کی۔ وہ اتنا ہی کہہ دیتا، دل نشیں تم صرف میری ہو اور وقت آنے پہ اس چیز کا فیصلہ ہوگا کہ تمہیں کون اپنائے گا۔

''آہ!'' دل نشیں اپنی خوش فہمیوں پہ خود ہی ہنس پڑی۔

''وہ تو اپنی مجبوریاں ظاہر کر رہا تھا، مجھ سے یقین دہانی چاہ رہا تھا۔ کیا میں اس کا انتظار کر سکوں گی؟ کیا مجھے نہیں پتا کہ اس کی کیا مجبوریاں ہیں؟ وہ سات بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے، سب کی امیدوں کا مرکز۔ میں شاید اس کی ترجیحات میں آخری نمبر پر ہوں۔ وہ یہ کہنا تو شاید بھول گیا۔'' پھر دل نشیں اپنی بے وقوفی پہ خود ہی ہنس پڑی۔

''کیا مجھے راحیل سے بہتر اور اچھا کوئی اور نہیں مل سکتا؟ کیا میں صرف اس کے حسن پہ مر مٹی ہوں یا اس کی اس ذہانت پہ جس کی بنیاد پہ وہ ساری یونیورسٹی میں شہرت رکھتا ہے؟ ان دو چیزوں کے سوا تو اس میں کچھ بھی خاص بات نہیں ہے، لیکن یہی تو سب کچھ ہے جو اور لڑکیاں بھی اس کی طرف مائل ہوتی ہیں، مگر وہ کسی کو بھی لفٹ نہیں کراتا۔ اس کی دوستی صرف دل نشیں ابراہیم سے ہے۔ اسی وجہ سے ثوبیہ اور سارہ بھی مجھ سے جلن اور حسد کا شکار رہتی ہیں۔

میری منگنی کی خبر یونیورسٹی میں پہنچ گئی تو سب سے زیادہ ثوبیہ کو تکلیف ہوگی جو مجھے ہر وقت نیچا دکھانے کے لیے اپنے باپ کی دولت کی نمائش کرتی رہتی ہے۔

میرا باپ بھی مجھ پہ جان چھڑکتا ہے، لیکن اتنی آزادی نہیں دے سکتا جتنی آزادی ان

لوگوں کو حاصل ہے۔ پھر ان لوگوں کا لائف اسٹائل بہت مختلف ہے۔ لیٹ نائٹ ایک دوسرے کے ساتھ گھومنا پھرنا اور ہوٹلنگ کرنا۔ اب مجھے بھی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے، مگر یہ زنجیر عباد کے نام کی ہی کیوں؟ عباد جیسے انسان کے ساتھ میں اچھی اور بھرپور زندگی نہیں گزار سکتی۔ مولانا ٹائپ حلیہ اور لیا دیا سا انداز، مگر...... میں راحیل جیسے انسان کے ساتھ بھی اچھی زندگی نہیں گزار سکتی۔ وہ بے چارہ تو مجھے بنیادی ضرورتیں بھی مہیا نہیں کر سکتا، لیکن کیا محبت اہم نہیں ہوتی؟'' وہ اُلجھ رہی تھی۔

''ہیلو، کہاں گم ہو؟'' اس کے سامنے کرسی پہ کوئی آ کر بیٹھا تھا اور بڑے بے تکلفانہ انداز میں اس کے سامنے ہاتھ نچایا تھا۔ وہ یکدم چونک گئی۔

''مجھے شکیل باجوہ کہتے ہیں۔''

وہ اس کے نام ہی سے نہیں، اس کے کردار سے بھی بخوبی واقف تھی۔ ناگواری کی لہر اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ میز سے فائل اٹھا کر وہ کھڑی ہوگئی تو وہ سامنے آ گیا۔

''مجھے تمہاری یہ ادا بہت اچھی لگتی ہے مگر آج کچھ اچھی نہیں لگی، دل نشیں!'' اس نے بڑا چبا چبا کر اس کا نام ادا کیا تھا۔ دل نشیں کے تو آگ لگ گئی۔

''اس سے پہلے بھی تم میرا راستہ روک چکے ہو۔ میں خاموش رہی مگر اب میں پرنسپل کو تمہاری شکایت کروں گی۔''

''کیوں؟ میں نے تمہیں ایسا کیا کہا ہے جو تم میری شکایت پرنسپل سے کرو گی؟''

دل نشیں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور ایک طرف سے ہو کر چپ چاپ نکلنے لگی۔ شکیل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دل نشیں نے دوسرے ہی پل زوردار تھپڑ شکیل کے چہرے پہ جڑ دیا تو اردگرد اسٹوڈنٹ اکٹھے ہوگئے۔

شکیل یقیناً کوئی پیش رفت کرنا چاہتا تھا مگر یکدم ہجوم کو اکٹھا پا کر گڑبڑا گیا اور تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔

''کیا ہوا دل نشیں! خیریت تو ہے؟ لگتا ہے شکیل باجوہ سے تمہاری لڑائی ہوگئی ہے۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں، تم اس کے منہ کیوں لگیں؟''

''شٹ اپ!'' مختلف سوالات پہ دل نشیں زچ ہوگئی۔ اسماء اور اقصیٰ خاموش ہوگئیں۔

''میں بھلا کیوں منہ لگوں گی ایسے لوگوں کے، میں ابھی پرنسپل کے آفس جاؤں گی اور

اس کی کمپلین کروں گی۔''

''میرا خیال ہے تم فی الحال گھر چلو۔ اس کے بعد سوچنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔'' راحیل نے اسے ہجوم سے نکالا تھا۔ وہ چپ چاپ راحیل کے ساتھ ہجوم سے نکل آئی۔ اب وہ راحیل کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ سخت اُلجھا ہوا اور پریشان دکھائی دے رہا تھا جبکہ دل نشیں ابھی تک غم و غصے کا شکار تھی۔

تم نے اچھا نہیں کیا اس پہ ہاتھ اٹھا کر۔'' راحیل سے بالآخر ضبط نہ ہو سکا تو یہ کہہ بیٹھا۔

''وٹ ڈو یو مین؟'' دل نشیں نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔'' کیا تمہاری غیرت گوارا کر سکتی ہے کہ تمہاری منگیتر یا بہن کا کوئی ہاتھ پکڑے؟''

''وہ بات اور ہے، لیکن دل نشیں! ایک یونیورسٹی میں وقت گزارتے ہوئے ہم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ بارہا ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں۔ کبھی اس طرح تھپڑ تم نے مجھے تو نہیں مارا۔''

''راحیل......'' دل نشیں کا غم و غصے سے بُرا حال تھا۔ اس کا بس نہیں چلا تھا کہ وہ اس کا سر پھاڑ ڈالے۔

''اول تو شکیل باجوہ میرا دوست نہیں ہے اور وہ کس کیٹگری کا لڑکا ہے، یہ سب جانتے ہیں۔ بہرحال یہ میرا معاملہ ہے، میں خود اس سے نمٹ لوں گی۔''

''یہ صرف تمہارا ہی ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے میری قسمت بھی داؤ پہ لگ چکی ہے۔ سنا تم نے اور یہی تھی میری لاتعلقی اور خاموشی کی وجہ، لیکن تم جیسی ہٹ دھرم لڑکیاں صرف اپنا بھلا دیکھتی ہیں۔ تمہارا کیا ہے، تم ایک لینڈ لارڈ باپ کی بیٹی ہو۔ تم تعلیم ادھوری بھی چھوڑ دو گی تو تمہاری زندگی پہ کچھ اثر نہیں پڑے گا، لیکن میرا...... میرا تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا ناں۔''

دل نشیں نے حیرت سے راحیل کی طرف دیکھا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم، کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ بُری طرح اُلجھ چکی تھی۔

راحیل کچھ نہیں بولا چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

''تمہیں...... تمہیں شکیل باجوہ سے معافی مانگنا پڑے گی۔''

''وٹ؟'' دل نشیں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ نفرت اور دکھ اس کے چہرے کے ہر نقش سے

نمایاں تھا۔

''میں اور اس سے معافی مانگوں؟'' راحیل کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

''ہاں، تمہیں اس سے معافی مانگنا پڑے گی، یہی تمہارے اور میرے حق میں بہتر ہے۔''

''تم شکیل باجوہ کو سجدے کرو مجھے پرواہ نہیں، لیکن آج کے بعد جان لینا، میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ میں ساری زندگی شرمندہ رہوں گی کہ میں نے تمہارے ساتھ وقت گزارا۔ شکیل باجوہ کو میں نے تھپڑ مارا ہے اور وہ مجھ سے معافی مانگے گا، یہ میں تمہیں دکھاؤں گی۔''

دل نشیں نے حقارت سے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی وہاں سے چل پڑی۔

راحیل نے بے چارگی سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر غصے سے زمین کو ٹھوکر مار کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ سو کر اٹھی تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل نے اسے متوجہ کر لیا۔ پھر اسے خیال آیا، ہو سکتا ہے ماما کی کولیگز چائے پہ انوائٹڈ ہوں۔

ابھی وہ کسل مندی سے بستر میں پڑی سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ دلشاد بیگم کے ہمراہ دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کی گود میں بچہ تھا۔ دل نشیں انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ ان دونوں نے سلام کیا، پھر باری باری بیٹھتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں بولیں:

''خالہ! دل نشیں تو بالکل آپ پہ گئی ہے۔ ہم نے اتنے عرصے کے بعد دیکھا ہے۔ ننھیال بھی تو نہیں آتیں آپ کی بیٹیاں۔''

''دل آویز کو تو سبھی جانتے ہیں لیکن دل نشیں کو تو ہم پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔''

ان کی گفتگو پہ دلشاد بیگم ہنس پڑیں۔ ''یہ ننھیال نہیں جاتیں تو تم لوگ کون سا آ جاتے ہو؟''

''چلیے، یہ آپ کی شکایت اب دُور ہو جائے گی۔'' یکے بعد دیگرے دونوں کھلکھلائیں۔

''دلشی بیٹا! یہ تمہاری خالہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ رابعہ بڑی ہے، اس کے تین بچے ہیں اور یہ ماریہ ہے، ایف اے کر کے گھر میں فارغ ہوتی ہے۔''

''سنا ہے آپ یونیورسٹی جاتی ہیں؟'' ماریہ نے جھجکتے ہوئے دل نشیں کی طرف دیکھا۔

دل نشیں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دلشاد بیگم فوراً بول پڑیں: ''ہاں، دل نشیں کا یونیورسٹی میں پہلا سال ہے۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے ہم نے بھی اسے نہیں روکا۔ ویسے

تو دل آویز نے بھی ایف اے کیا ہوا ہے، بس آناً فاناً بچی کی شادی کر دی۔ آہ...... ہا! کیا معلوم تھا کہ کم عمری میں ہی بچی کو روگ لگا رہے ہیں۔ تین سال جس کھینچا تانی میں گزرے، ہم جانتے ہیں۔''

دل آویز کا دکھ سن کر رابعہ اور ماریہ بھی دلگرفتہ ہو گئیں۔

''اسی لیے تو کہتے ہیں غیروں کی دولت سے اپنوں کی جھونپڑی بہتر ہے۔''

''بس غلطی ہو گئی، اب تو دل نشیں کو اپنوں میں ہی دیں گے۔'' دلشاد بیگم کی بات پہ رابعہ اور ماریہ کھل اٹھیں۔

''ہمارے تو نصیب جاگ جائیں گے خالہ! ہمارے گھر میں دل نشیں جیسی بھابھی آ گئی تو۔ امی کے سارے بچوں میں عباد سب سے سعادت مند اولاد ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ عباد کی نیکی کا انعام ہے دل نشیں۔''

''اچھا تم لوگ آپس میں باتیں کرو، میں باجی کے پاس جا رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر دلشاد بیگم کمرے سے نکل گئیں۔ وہ عباد کا تذکرہ اس کے سامنے کر رہی تھیں مگر حیرت کی بات تھی اسے بالکل بُرا نہیں لگ رہا تھا۔ کہاں تو وہ اس ذکر پر بھتے سے اُکھڑ گئی تھی اور کہاں اب اس کے وجود میں خوشی کے سوتے پھوٹنے لگے تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک اپنی ذات کا تجزیہ کرتی رہی۔ اس کے من میں کہیں بھی راحیل کا نام ونشان نہ تھا۔ عباد کے نام سے اسے اپنی ذات کتنی مکمل سی لگ رہی تھی۔ عباد پڑھا لکھا تھا، خوبصورت تھا اور اس کا ذاتی بزنس تھا۔ اس میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ کیا وہ ان خوبیوں پر مرمٹی تھی؟

''نہیں!'' اس کے اندر گہری تنہائی نے ہچکی لی تھی۔ باوجود سب کچھ ہونے کے وہ بھی دل آویز کی طرح احساسِ کمتری کا شکار تھی۔ اپنے لیے کسی کا نام، کسی کا ساتھ کتنا معتبر سا کر دیتا ہے دنیا کی اس رنگا رنگ بھیڑ میں۔ وہ بھی کسی کے لیے اہم ہو گئی تھی۔ ٹھیک ٹھاک قدر دان لوگ ہیں۔ اس کی معمولی خوبیوں کو بھی بڑھ چڑھ کر سراہیں گے۔

اس کی ذات میں فخر نشہ سا بن کر اُتر گیا۔

وہ اس نشے سے لبریز ہو کر اور بھی آزادی اور تفاخر سے زندگی گزار سکتی تھی، زندگی کو انجوائے کر سکتی تھی۔ ماں باپ کی ایک بات مان کر دس باتیں منوا سکتی تھی۔

وہ یونیورسٹی نہیں چھوڑے گی۔ اب وہ کُھل کر جیے گی۔ وہ سب کچھ کرے گی جو اور لڑکیاں کرتی ہیں۔ دوستیاں نبھاتے ہوئے، زندگی کے مزے لوٹتے ہوئے، اب وہ ان لڑکیوں کے سامنے خود کو کمتر نہیں سمجھے گی جو ہر وقت اس سے مقابلے پہ اُتری رہتی تھیں اور جن کو جیلس کرنے کے لیے اس نے راحیل کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

کیا اسے راحیل سے ذرا بھی لگاوٹ نہیں تھی۔

''نہیں!'' اس کے اندر سے پُرزور تردید آئی اور نہ ہی راحیل کو اس سے محبت تھی۔

''اگر اسے مجھ سے ذرا بھی محبت ہوتی تو وہ آج ایسی باتیں نہ کرتا۔'' راحیل کے رویے پہ وہ پھر سے اُلجھنے لگی تھی۔

یونیورسٹی سے نکلتے ہوئے اس کی طبیعت تکدر کا شکار ضرور ہوئی تھی، لیکن اب وہ خود میں بہت خوشگوار تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ وہ سوچتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ لاؤنج میں دلشاد بیگم اکیلی بیٹھی تھی۔ شاید کسی سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔

''باجی کل دوبارہ آئیں گی۔ وہ اتنا اصرار کر رہی ہیں تو میں سوچ رہی ہوں کہ چھوٹی سی تقریب کر دیتے ہیں جس میں وہ دل نشیں کو انگوٹھی پہنا لیں گے۔ اس طرح منگنی کی رسم بھی ادا ہو جائے گی اور سب لوگوں کا آپس میں تعارف بھی ہو جائے گا۔'' دل نشیں مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

اس مسکراہٹ کو صرف دل آویز نے دیکھا تھا اور عجیب سی چبھن اس کے رگ رگ میں اُتر گئی تھی۔

''دل نشیں! آج تم یونیورسٹی نہیں گئیں؟''

''نہیں ماما! دل نہیں کر رہا تھا۔'' وہ جواب دیتے ہوئے اپنے لیے پراٹھے کا پیڑہ بنانے لگی۔

''تم نے ابھی ناشتہ نہیں کیا؟'' دلشاد بیگم فریج سے پانی نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''ابھی تو سو کر اٹھی ہوں۔ آپ کہیں تو آپ کے لیے چائے بنا دوں؟'' دلشاد بیگم وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

''ہاں بنا دو...... تمہارے بابا بھی پتا نہیں ناشتا کر کے گئے ہیں یا نہیں؟'' وہ سستی سے بولیں۔ ''حورالعین ہی انہیں ناشتہ دیتی تھی، اب نجانے باپ کے پاس جا کر کیوں بیٹھ گئی؟''

''کیوں، آپ کو اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے؟'' دل نشیں کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

دلشاد بیگم سنبھل گئیں۔

"کم از کم کام تو سنبھال لیتی تھی اور کچھ نہیں تو۔"

"ہمارے یہاں ملازموں کی کمی تو نہیں۔ خوامخواہ کچن میں ڈیرے ڈالی رکھتی تھی۔"

دل نشیں بیلن سے پراٹھا گول کر رہی تھی۔ دلشاد بیگم نے کچھ نہیں کہا اور خاموش ہو گئیں۔

دل نشیں پھر کہنے لگی: "مجھے حورالعین سے اس وقت نفرت نہیں تھی جس وقت آپ اسے اپنانا نہیں چاہتی تھیں۔ مجھے اس سے اب شدید نفرت ہے، لیکن مجھے لگتا ہے آپ اسے اپنا چکی ہیں۔"

دلشاد بیگم پسپائی سے مسکرائی تھیں۔

"میرے بس میں ہو تو اسے اب بھی گھر سے باہر نکال پھینکوں۔ جس جگہ کا تصور میں نے اپنی بھتیجی کے لیے کیا تھا وہاں اس کو دیکھنا بہت مشکل ہے، مگر میں اس بات کا پرچار بار بار کر کے ذلیل نہیں ہونا چاہتی۔ میری خاموشی کو رضامندی نہیں، وقتی مفاہمت سمجھو۔" اتنے میں دل نشیں پراٹھا توے پر ڈالنے لگی تو دلشاد بیگم چونک گئیں اور یکدم کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو دلشی؟" وہ حیرانی سے اس کے قریب آ گئی تھیں۔

"پراٹھا بنا رہی ہوں ماما!" دل نشیں استہزائیہ بولی۔

"بائیں ہاتھ سے......" دلشاد بیگم کو گہرا شاک لگا تھا۔

"ہاں آں!" دل نشیں کھلکھلائی تھی۔

"مگر کیوں؟" دلشاد بیگم جیسے چلا اٹھیں۔

"ماما! آپ بھی تو بائیں ہاتھ سے سارے کام کرتی ہیں۔"

دل نشیں کو ماں کی حیرت عجیب لگ رہی تھی۔ دلشاد بیگم کے لب سل گئے۔

دل نشیں اپنے کام میں پھر سے مگن ہو گئی۔

"ماما! آپ کو ایک بات بتاؤں، آپ کو بائیں ہاتھ سے کام کرتا دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگتا تھا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ کب میں یہ عادت اپناتی چلی گئی۔ مجھے لیفٹ ہینڈڈ لوگ بہت اپیل کرتے ہیں اور یہ غیر معمولی خوبیوں کے مالک، جینئس کہلاتے ہیں۔ میرے اساتذہ شروع شروع میں مجھے کہا کرتے تھے کہ لیفٹ ہینڈڈ ہونے کے باوجود میری لکھائی بہت عمدہ ہے اور میری فرینڈز بھی میری اس خوبی پہ مرتی ہیں۔ ویسے ماما! کتنا اچھا لگتا ہے، جب ہم دوسروں

سے ذرا مختلف اور منفرد نظر آتے ہیں۔

ایک بات اور بتاؤں آپ کو، ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی چیز میں شہرت ضرور ملتی ہے۔ اب آپ کو ہی دیکھ لیں۔ بظاہر آپ سادہ سی خاتون ہیں۔ نہ ہی آپ کے پاس ایجوکیشن ہے اس کے باوجود جس این جی او میں آپ ورکنگ لیڈی ہیں، وہاں نہ صرف آپ کو نمایاں اہمیت حاصل ہے بلکہ دوسری این جی اوز میں بھی آپ ٹھیک ٹھاک شہرت رکھتی ہیں۔"

وہ بڑے تفاخر سے ماں کی خوبیوں پہ روشنی ڈال رہی تھی۔

مگر دلشاد بیگم کو یہ خوبیاں ان خامیوں کو چھپانے کے لیے اپنانا پڑی تھیں، جن کی بدولت وہ بیماری اور تنہائی کا شکار ہو رہی تھیں اور اس میں سب سے زیادہ معاون ابراہیم کی دولت تھی۔

دلشاد بیگم کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا، مگر اپنی تعریف کسے بُری لگتی ہے۔ دلشاد بیگم نے منافقت سے اس سچائی کا گلا اندر ہی اندر گھونٹ دیا اور زبردستی مسکراتے ہوئے بولیں:

"تمہاری باتیں ٹھیک ہیں دلشی، لیکن مجھے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ شادی کے بعد مجھے...... اسی وجہ سے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔" دلشاد بیگم ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ گویا وہ اب ماضی پہ بات کرنا تو درکنار سوچنا بھی نہ چاہتی ہوں۔

"میں جانتی ہوں ماما! آپ نے سسرال میں تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ ہماری دادو! نہایت خبطی اور کنزرویٹو عورت تھیں جنہوں نے آپ کی شخصیت کو بالکل ہی مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ اوروں کو ہو سکتا ہے دادو سے محبت ہو مگر مجھے تو بالکل بھی نہیں ہے اور یہ نمونہ جو آپ اٹھا کر لائی ہیں، یہ بھی دادو کی تصویر کا ایک رخ ہے۔ نجانے آپ کو اپنے ماضی سے کیسی محبت تھی کہ اسے حال میں پھر پیوست کر لیا۔" دل نشیں ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

"تمام حالات تمہارے سامنے ہیں۔ اس کے باوجود تم...... مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو؟" انہوں نے بیٹی سے شکوہ کیا تھا۔

دل نشیں بھڑک گئی: "تو پھر وہ یہاں کیوں ہے، آپ اسے کیوں دفعان نہیں کر دیتیں؟"

"میرے اختیار میں ہوتا تو اسے گھر میں گھسنے ہی نہ دیتی...... اور اب اسے پورا بندوبست کر کے ہی نکالوں گی۔" دلشاد بیگم نے دل ہی دل میں اپنے ارادے کو دہرایا تھا۔

"وہ تمہارے لیے بالکل بھی اہم نہیں ہونی چاہیے۔ تمہیں یہ محسوس کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ یہاں ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ وہ ہم سب کے لیے بالکل غیر اہم ہے۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے بیٹی کے گال کو تھپتھپایا تھا۔

''یہ آپ کہہ رہی ہیں لیکن وہ اپنا راستہ بنا رہی ہے۔''

''اسے راستے بنانے دو...... وہ کتنی ہی ہوشیار بننے کی کوشش کیوں نہ کرے، مگر رہے گی تو پست گھرانے کی، چھوٹی سوچ کی مالک۔ تم دیکھنا وہ ہمیں فتح کرنے کے لیے اس باورچی خانے تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گی۔''

یہ کہہ کر دلشاد بیگم مکاری سے ہنسی تھیں اور اس بار ان کی ہنسی میں دل نشیں کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

''سچائی خواہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو لیکن انسان اس سے نظریں نہیں چُرا سکتا۔ مجھے دل نشیں ابراہیم کو استعمال کرنا ہے اور اسی میں میرا مفاد پنہاں ہے۔ میں چاہوں بھی تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ میری نجات اسی میں ہے۔'' راحیل نے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

''مگر دل نشیں یونیورسٹی نہیں آ رہی۔ اگر اس نے مستقل نہ آنے کا فیصلہ کر لیا تو......'' وہ یکدم بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا۔

سوچ سوچ کر وہ ہلکان ہو چکا تھا، لیکن اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی کہ شکیل باجوہ سے کیسے جان چھڑائے۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ بجنے لگا۔ رات کے اس پہر کون ہو سکتا ہے۔ وہ حیران ہوا اور دروازہ پھر بجنے لگا۔ سناٹا اتنا بُرا تھا کہ ساعت پہ گراں گزر رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہاں شکیل اور اس کے ساتھی کھڑے تھے۔

راحیل چونکا نہیں بلکہ چپ چاپ سامنے سے ہٹ گیا اور وہ لوگ اندر آ گئے۔

''لگتا ہے، تمہیں بھی نیند نہیں آ رہی۔'' شکیل نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا پھر جوتوں سمیت اس کے بستر پر نیم دراز ہو گیا۔

راحیل نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ پہلے ہی بہت اُلجھا ہوا تھا۔

''میں تم سے کہتا تھا کہ اسے میری طرف مائل کرنے کی کوشش کرو لیکن تم نے کبھی بھی دھیان نہیں دیا۔'' پھر شکیل خود ہی قہقہہ لگاتے ہوئے بولا: ''تمہیں بھی تو اپنے حلقہ احباب پر رعب بنانا تھا۔ جب ہی تو اس سونے کی چڑیا کو ساتھ دبائے پھرتے تھے۔''

''اگر وہ میری طرف مائل تھی تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟'' راحیل کی آواز گھٹ رہی تھی۔

''اسے اپنا لیتے تو سالوں میں نہیں، دنوں میں ترقی کرتے۔'' شکیل نے گویا اس کا مذاق اُڑایا تھا۔

اس نے دزدیدہ نگاہوں سے شکیل کی طرف دیکھا۔

''یہاں بے شمار لڑکوں اور لڑکیوں کی دوستیاں ہیں۔ کیا سب یہی سوچ رکھتے ہیں؟''

شکیل اس کی طرف دیکھ کر ہنسا اور طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگا: ''تو کیا تم نے اسے اپنی بہن بنا رکھا تھا؟'' راحیل کو ضبط کرنا پڑا۔

''اگر ایسا ہی ارادہ تھا تو تم نے میری پیش کش کو نظر انداز کیوں کیا؟''

راحیل کی برداشت جواب دے گئی۔ ''وہ میری پراپرٹی نہیں تھی، جسے میں جب چاہے کسی کے حوالے کر دیتا۔ وہ بہت ہوشیار اور سمجھدار لڑکی ہے۔'' اس نے گویا قصہ ہی تمام کر دیا تھا۔

''لڑکیاں کتنی ہی ہوشیار کیوں نہ ہوں جسے دل دے بیٹھتی ہیں، اسے اپنی عقل بھی سونپ دیتی ہیں۔''

''میں نے کہا ناں، اس کا اور میرا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔'' راحیل زچ ہو چکا تھا۔ شکیل ہنس پڑا۔

''ٹھیک ہے، پھر اپنا یہ سال ضائع ہی سمجھو۔''

اس نے جیب میں سے چند کاغذ نکالے اور ان کے سامنے لائٹر جلا دیا۔ راحیل تڑپ کر اس کی طرف بڑھا۔

''خدا کے واسطے شکیل! ایسا نہ کرو۔ یہ میری عمر بھر کی محنت کا سوال ہے۔'' شکیل نے لائٹر آف کر دیا۔ ''خدا کے واسطے میرے کسی ڈاکومنٹس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ میں اس سال اگر امتحان نہ دے سکا تو کبھی بھی کسی امتحان میں کامیاب نہ ہو پاؤں گا۔'' وہ رو دیا تھا۔ شکیل اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے۔ راحیل زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ شکیل کے سامنے ہاتھ جوڑے، بیٹھا رو رہا تھا۔

''میں سچ کہتا ہوں۔ میں یہاں صرف اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے آیا تھا۔ وہ خود بخود میرے قریب آئی تھی۔''

''میں یہ رام کہانی سننے نہیں آیا۔'' شکیل بھڑک گیا پھر اپنے گال پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:

''مجھے اس تھپڑ کا ازالہ چاہیے۔'' شکیل کی آنکھوں میں وحشت تھی۔

''مگر وہ معافی نہیں مانگے گی۔ ہاں، اتنا ضرور ہے کہ وہ پرنسپل کے پاس نہیں جائے گی۔''

''کیوں نہیں جائے گی وہ پرنسپل کے پاس؟'' شکیل بھڑک کر سیدھا ہو گیا۔ ''اسے پرنسپل کے پاس ضرور جانا چاہیے۔'' شکیل کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔ راحیل کا رنگ اُڑ گیا۔

''دیکھو شکیل! تم میرے محسن ہو، مگر اس احسان کا بدلہ اُتارنے کے لیے مجھے کسی غلط کام پہ نہ اُکساؤ۔''

ابھی راحیل بات ہی کر رہا تھا کہ شکیل نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔ یہ وہی موبائل فون تھا جو چند دن قبل راحیل کے پاس ہوا کرتا تھا اور یہ اسے باجوہ نے ہی دیا تھا اور باجوہ نے کیوں دیا تھا، یہ ایک الگ کہانی تھی۔

فی الحال شکیل اسے فون میں ریکارڈ دل نشیں اور راحیل کی گفتگو سنا رہا تھا۔

''یہ براؤن کلر تم پہ بہت جچتا ہے، لیکن تم اکثر وائٹ یا آسمانی شرٹس ہی پہنتے ہو۔'' یہ دل نشیں کی آواز تھی۔ راحیل کھلکھلا کر ہنسا۔

''تمہیں براؤن کلر اچھا لگتا ہے تو میں اب ہر شرٹ اسی کلر کی لے لیا کروں گا۔''

''میں نے اب ایسا بھی نہیں کہا۔ مجھے تو سارے رنگ اچھے لگتے ہیں۔''

''لیکن براؤن کلر تو میرا پسندیدہ ہے۔'' راحیل کی آواز میں شوخی تھی۔

''آں، ہاں، کیا کر رہے ہو؟ میری چوڑی ٹوٹ گئی۔'' دل نشیں کی ہنسی میں اعتراض کے ساتھ محبت کی آمیزش تھی۔

''تمہیں پتا ہے دلشی، تمہاری آنکھوں کا رنگ بھی براؤن ہے اور یہ تمہارے چہرے پہ بہت جچتا ہے۔'' راحیل کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

''آج کا فنکشن بہت زبردست تھا۔'' دل نشیں کہہ رہی تھی۔

''میں فنکشن کی نہیں، تمہاری تعریف کر رہا ہوں۔''

شکیل نے اسپیکر آف کر دیا۔ راحیل کو اچھی طرح یاد آ گیا کہ یہ کس دن کا واقعہ تھا۔

راحیل دل ہی دل میں تلملا رہا تھا، اسے اپنی بے بسی اور مجبوریوں پہ رونا آ رہا تھا۔

''تمہیں یاد ہے جب ہم آڈیٹوریم سے نکلے تھے تو میں نے تمہیں یہ موبائل فون دیا تھا، تم اسے لیتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔''

''ہاں، مجھے اچھی طرح یاد ہے اور تب تم نے میرے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا یہ میں

تمہیں اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تم سے رابطے میں رہ سکوں۔'' اس کی سنجیدگی پہ شکیل ہنس پڑا۔

''اور تم اس روز اتنے خوش اور مگن تھے، تمہیں پتا ہی نہیں چلا کہ اس کا ریکارڈنگ اسپیکر آن ہے۔''

شکیل نے یہ کہہ کر موبائل کو چوما اور اسے اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ جب وہ پرنسپل کے پاس میری شکایت لے کر جائے گی، تب میں انہیں یہ ڈائیلاگز سنواؤں گا۔''

''کتنی پرانی دشمنی ہے تمہاری؟''

''دشمنی اس نے بنائی ہے، ہم تو دوستی کرنا چاہتے تھے مگر اس نے ہمیں یعنی شکیل باجوہ کو نظر انداز کر کے تمہارے جیسے پھٹیچر سے راہ و رسم بڑھائی۔ یہ راحیل کی کھلم کھلا انسلٹ تھی۔ وہ اگر امیر زادی ہے تو شکیل باجوہ بھی کسی سے کم نہیں۔ بس اسی وجہ سے تمہارے قریب آنا پڑا۔''

راحیل اس کی سفاکی پہ حیران تھا۔

''تم نے تو شاید یہ سوچا نہ ہو کہ سب کچھ ہوتے ہوئے شکیل باجوہ نے جب تمہیں تمہاری ماں کے لیے رقم دی تھی تو تمہارے ڈاکومنٹس بطور گارنٹی اپنے پاس کیوں رکھے؟ اب وہ وقت آ گیا ہے میں اس قرض کو سود سمیت واپس لینا چاہتا ہوں۔'' راحیل کے چہرے کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔

''گھبراؤ نہیں، تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، بلکہ ہو سکتا ہے زیادہ فائدہ ہی ہو جائے۔'' یہ کہہ کر شکیل اور اس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے، جبکہ راحیل اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے شکیل سے مدد مانگی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کو وہ لوگ دیر تک جاگتے رہے تھے۔ ظاہر ہے وہ اتنے دن بعد اپنے بہن بھائیوں سے ملی تھی۔ اس کا یہاں آنا ان سب کے لیے بڑی خوشی تھی۔ رات کے پچھلے پہر ان سب کی آنکھ لگی تھی۔ وہ صبح بہت دیر تک سونا چاہتی تھی۔ بے فکری اور چین کی نیند کتنے دن کے بعد نصیب ہوئی تھی لیکن صبح ہی صبح اس کا موبائل بجنے لگا۔ پہلا خیال یہی آیا شاید طارق کا فون ہو، الٰہی خیر کرے۔

''بھابھی! میں ولید بول رہا ہوں، بہت دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔''

”ہاں، مگر خیریت تو ہے؟“ اس کے دل میں ہلچل سی ہونے لگی۔ دھیان طارق کی طرف ہی گیا۔

”جی، بس خیریت ہی سمجھیں۔ بس پانچ منٹ میں آپ کو لینے آ رہا ہوں، آپ تیار رہیے گا۔“ ولید نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔ حور کی نیند تو کیا، حواس بھی گم ہو گئے۔

وہ تیزی سے بستر سے نکلی اور واش روم میں چلی گئی۔

”نجانے کیا بات ہے جو ولید یوں اچانک صبح صبح لینے آ رہا ہے۔“

”ماموں، ممانی، دل آویز، دل نشیں، طارق، کہیں طارق کو تو کچھ نہیں ہو گیا......“ منہ دھوتے ہوئے اس کے آنسو پانی میں مل رہے تھے۔ طارق کا خیال آتے ہی جان پتے کی طرح کانپنے لگی۔ اس کے دل میں عجیب عجیب واہمے اور وسوسے آ رہے تھے۔ کم از کم ولید بتا تو دیتا کہ معاملہ کیا ہے۔ اسے خود پر جھنجھلاہٹ اور ولید پہ غصہ آ رہا تھا۔

جلدی جلدی برش کیا۔ اتنے میں اس کا فون پھر بجنے لگا۔

فون کی آواز سن کر منزہ اس کے کمرے سے نکل آئیں۔

”بس آ رہی ہوں۔“ وہ چپلیں پہن کر چادر اوڑھنے لگی اور فون آف کر کے پرس میں ڈالا۔

منزہ اس کا اُترا ہوا چہرہ اور بھیگی ہوئی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

”کیا بات ہے حور! اتنی صبح صبح کہاں جا رہی ہو؟“

وہ انہیں کیا بتاتی۔ اسے تو خود بھی پتا نہیں تھا۔

”پتا نہیں، گھر سے فون آیا تھا، ولید لینے آ رہا ہے۔ وہ جلدی میں تھی آگے بڑھ گئی۔

”حور رکو...... یونہی چلی جاؤ گی کچھ کھائے پیے بغیر۔“ منزہ تیزی سے کچن میں گئیں اور ایک گلاس دودھ لے آئیں۔

”یہ پی لو۔“ حور حیرانی سے اپنی ماں کا منہ دیکھنے لگی۔

”کوئی زیادہ پریشانی کی بات ہے تو تمہارے ابو کو اٹھاؤں؟“

”نہیں، نہیں۔ ابو کو مت جگائیے گا۔ پہلے ہی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور میرا بالکل دل نہیں کر رہا۔“

اس نے دودھ کے گلاس کو بڑی کوفت سے دیکھا، پھر معذرت خواہانہ انداز میں سوتیلی ماں کی طرف دیکھا جس نے بالکل بُرا نہیں مانا تھا۔ تب ہی ڈور بیل بجنے لگی۔ منزہ اس کے

پیچھے پیچھے دروازے تک آئیں۔

”حور! جاتے ہی فون کرنا۔“ انہوں نے اسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر کہا تو حور کے قدم رک گئے۔ اس نے مڑ کر منزہ کی طرف دیکھا جن کے چہرے اور آنکھوں میں حور کے لیے تفکر تھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سگی نہ سہی، سوتیلی ہی سہی، ماں تو تھی اور ماں کی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اس کے دل کے وسوسے کم ہونے لگے۔

”خیریت تو ہے ولید! کچھ بتاؤ، گھر میں سب ٹھیک تو ہے ناں؟“ اس کی بے چینی فطری تھی۔

”بالکل شانت ہو جائیں، سب خیریت ہے۔“ اس نے ولید کی طرف دیکھا۔ ملگجا سراپا، اور اس کے وجود سے اٹھتی اسپرٹ کی سی بدبو...... وہ بالکل مطمئن انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔

”کیا مطلب......؟“ وہ مزید اُلجھ گئی۔

”میں نے کہا ناں، فکر نہ کریں گھر میں سب خیریت سے ہیں۔ کوئی خاص پریشانی نہیں، بس ایک معمولی سا مسئلہ ہے۔“

ولید نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کا سیل گانا سنانے لگا۔ ولید نے فون کان سے لگا لیا۔

”اچھا...... اچھا...... پھر...... چلو کوئی مسئلہ نہیں، اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ ہاں! تم پریشان مت ہو، یہ میرا دردِ سر ہے۔ اوکے، بائے۔“ فون بند ہو گیا۔

”بات یہ ہے۔“ ولید نے تیزی سے گاڑی موڑی۔ حور نے حیرانی سے دیکھا، وہ راستہ گھر کی طرف نہیں جاتا تھا۔ اتنے میں ولید کا سیل پھر بجنے لگا۔

”او یار! تم سے کہا تو ہے، یہ میرا دردِ سر ہے۔“

”او...... السلام علیکم آنٹی...... ہاں...... ہاں...... نبیل ہمارے ساتھ ہی تھا...... بس معمولی سا ایکسیڈنٹ تھا۔ بس نبیل کو زیادہ خراشیں آئیں، ورنہ ہم سب تو بچ گئے۔“

یہ کہہ کر وہ ہلکا پھلکا سا مسکرا دیا تھا، پھر آنٹی کی مزاج پُرسی کرنے لگا۔

حور حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ پوچھتی تو تب ناں جب اسے فون سے فرصت ہوتی۔ ایک کال بند ہوتی تو دوسرا نمبر بجنے لگتا۔ بالآخر وہ اپنی منزل پہ پہنچ گئے۔

”یہ ہم کہاں آ گئے ہیں......؟“ حور نے گاڑی سے اُتر کر اس گھر کو دیکھا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔

"اس گھر کو نہیں پہچانتیں آپ؟" یہ کہہ کر ولید آگے بڑھ گیا۔

"پہچانتی ہوں، مگر تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" حور نے بیزاری سے پوچھا۔

"اطمینان سے اندر آجائیں، پھر بتا دیتا ہوں۔"

وہ مین گیٹ کھول کر اندر بڑھتا چلا گیا۔ ظاہر ہے اسے بھی پیروی کرنا پڑی۔

"رانی او رانی......!" ولید نے آوازیں لگائیں۔ ملازمہ دوڑ کر آگئی۔

"شیر خان کہاں ہے؟"

"صاحب، وہ باہر گیا ہے۔"

"اچھا، تم ایسا کرو جلدی سے کمرے کا حلیہ درست کرو اور سب سے پہلے یہ گلاس وغیرہ یہاں سے دفعان کرو اور جگ میں صاف ستھرا پانی اور دو گلاس لے آؤ۔"

حور ڈرائنگ روم کے وسط میں شش و پنج میں مبتلا کھڑی تھی۔ ملازمہ جا چکی تھی۔

"آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں۔" یہ کہہ کر وہ فون ملانے لگا۔

لگتا تھا رابطہ نہیں ہو رہا، تب ہی وہ جھنجھلا گیا۔

"نجانے لوگ فون رکھتے ہی کیوں ہیں؟"

"میں پوچھ سکتی ہوں تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" حور کو غصہ آگیا۔

کمرے کا حلیہ بتا رہا تھا کہ یہاں رات بھر رت جگا رہا ہے۔ ٹی وی، ڈیک سے لے کر کارپٹ اور ایش ٹرے، جا بجا گلاس، بجھے ہوئے سگریٹ اور کھانے کے خالی برتن کشن و تکیے۔ ٹھیک ٹھاک لوگوں کی گیدرنگ کا پتا دے رہے تھے۔

اتنے میں رانی پانی لے آئی اور کمرے کو سمیٹنے لگی۔

جہاں تک اسے یاد تھا، نانو کے بعد یہ گھر ماموں نے لے لیا تھا اور اسے کرائے پر دے دیا تھا۔ تا حال یہ کس کی دسترس میں تھا؟ رہائش نہ ہونے کے باوجود ملازمین یہاں کیا کر رہے تھے؟ حور کو کئی سوالات نے یکدم پریشان کر دیا تھا۔

"ہم لوگ یعنی یار دوست وغیرہ یہاں مل بیٹھتے ہیں۔ بس ہلا گلا، موج مستی سب ہی کچھ کرتے ہیں۔ رات کچھ زیادہ کا موڈ ہو گیا تو گڑبڑ ہو گئی۔" وہ شرمندہ تو ہرگز نہیں تھا۔

"ویسے تو پہلے بھی ایسے پروگرامز ہوتے رہتے ہیں لیکن آس پڑوس کے لوگوں کو بھنک نہیں پڑتی۔ نجانے رات کیسے نیبرز کو پتا چل گیا۔ یہاں پر قریب ہی صدیقی صاحب ہیں، بابا

کے بہت قریبی دوست، وہ سارے محلے کو اکٹھا کر کے دروازے پر آگئے۔ اگر بابا کے جاننے والے نہ ہوتے ناں تو ایسا سبق سکھاتا کہ عقل ٹھکانے آجاتی۔ لڑکی کو تو پچھلے دروازے سے نکال دیا، مگر سارا محلہ ایک ہی بات کہہ رہا ہے کہ یہاں غیر اخلاقی دھندا ہو رہا ہے اور لڑکی ابھی بھی موجود ہے۔

شیر خان نے بتایا کہ وہ لوگ پولیس کو بلانے کی دھمکیاں دے رہے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ لوگ پولیس کو نہیں بلائیں گے۔ البتہ ماما، بابا سے شکایت ضرور کر دیں گے۔ ماما، بابا نے زیادہ سے زیادہ بُرا بھلا کہنا ہے اور بس...... لیکن ان ہمسایوں کی تسلی کے لیے فوری طور پر مجھے یہی دھیان آیا کہ آپ اپنے پیرنٹس کے ہاں ہیں، آپ کو اور طارق کو بلا لیتے ہیں۔ اول تو یہاں کوئی آئے گا نہیں اور آ بھی گیا تو معقول جواز ہو گا کہ آپ اور طارق اپنے پرانے آبائی گھر میں دو چار روز کے لیے آئے تھے اور ایسی ویسی کوئی بات نہیں، مگر اس طارق پہ مجھے سخت غصہ آ رہا ہے۔ پچھلے دو گھنٹے سے فون ملا رہا ہوں اور فون آف ہے۔ نجانے بھنگ پی کر سو رہا ہے۔"

ولید کی خود غرضی، بے وقوفی اور جلد بازی پر حور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تمہیں پتا ہے ولید...... طارق دو روز سے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" حور کی آواز خوف سے پھٹ رہی تھی۔ حور کا اتنا کہنا تھا کہ ولید کا رنگ اُڑ گیا۔

"کیا......؟ مگر مجھے تو نہیں پتا تھا۔"

"کم از کم تم مجھے اپنے پلان سے تو آگاہ کر سکتے تھے۔"

حور نے ناگواری سے کہا اور جانے کے لیے اٹھ گئی۔ اس کا یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"آئی ایم سوری، بھابھی! مجھے بالکل نہیں پتا تھا کہ طارق شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"تمہیں کسی کے بارے میں پتا رکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ میرے بارے میں کیسے علم ہو گیا تھا تمہیں کہ میں اپنے میکے میں ہوں۔" حور کا لہجہ ناگوار ہی نہیں بلکہ نفرت آمیز بھی تھا۔

"شاید میں نے پرسوں رات دل نشیں وغیرہ سے سنا تھا کہ آپ اپنے گھر گئی ہوئی ہیں...... چلیے میں چھوڑ کر آتا ہوں آپ کو۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس احسان کی، میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ غصے میں آگے بڑھی۔ اسی وقت شیر خان کمرے میں داخل ہوا۔

"صاحب...... وہ بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ آئے ہیں۔"

"کیا......؟" ولید کو یقین ہی نہ آیا۔ پھر وہ یکدم جیسے ہوش میں آ گیا۔

"مائی گاڈ...... ماما نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تو قیامت ہی آ جائے گی۔"

"آپ ایسا کریں۔ یہاں پچھلے دروازے سے باہر چلی جائیں۔ وہ لوگ اندر آ جائیں گے تو شیر خان آپ کو......"

ولید کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ دلشاد بیگم دروازے میں لال بھبھوکا چہرہ لیے کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے پہ حقارت، غصہ، نفرت کیا کچھ نہیں تھا۔

حور کو ولید کی اس حرکت پہ سخت غصہ آیا تھا۔ وہ صاف صاف بتا دینا چاہتی تھی کہ معاملہ کیا تھا لیکن اس کے سر پر تو گویا آسمان آ گرا، جب دلشاد بیگم تناتی ہوئی آگے بڑھیں اور پے در پے ولید کا چہرہ طمانچوں سے لال کر دیا۔

"ساری رات گزارنے کے بعد اب اسے پچھلے دروازے سے بھگا رہے ہو؟"

حور شرم کے مارے گویا زمین میں گڑ گئی۔

"فار گاڈ سیک ماما! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" وہ غصے میں جھنجھلایا تھا۔

"تم اب بھی مجھے جھٹلاؤ گے...... اب بھی...... اتنی بڑی حقیقت کو کیسے جھٹلاؤ گے؟ رات کو سارے محلے نے اسے تمہارے ساتھ آتے دیکھا اور اب تم اسے پچھلے دروازے سے نکال رہے تھے، اس بے غیرت کو۔" دلشاد بیگم کا اشتعال آسمان کو چھو رہا تھا۔

"آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔"

غم و غصے سے حور کی آواز پھٹ رہی تھی۔ وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

"آواز کو نیچے ہی رکھو تو بہتر ہوگا۔ اپنے باپ کے ہاں گئی تھی تم یا یہاں راتیں گزارنے کے لیے آئی تھیں۔"

"میں کہتی ہوں ایک لفظ بھی آگے بولا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" غم و اشتعال سے اس کا چہرہ اور آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

"ہاں، بے شرمی کا واحد حل بھی یہی ہے کہ تم کہیں ڈوب مرو۔"

اس الزام پہ حور کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لے رہے تھے اور ساری جان پتے کی طرح علیحدہ کانپ رہی تھی۔

"تمہارا باپ آیا ہے میرے ساتھ...... مارے شرم کے وہ یہاں تک نہیں آئے۔ مگر اب...... جب انہیں علم ہوگا کہ یہاں کوئی بازاری عورت نہیں بلکہ ان کی سگی بھانجی موجود ہے تو تب انہیں یہ حقیقت اپنی آنکھوں سے ضرور دیکھنی چاہیے۔"

دلشاد بیگم نے چبھتی نگاہوں سے حور کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ ابراہیم صاحب کو آواز دے رہی تھیں۔

حور کے سر پر تو گویا قیامت ٹوٹی تھی۔ وہ اپنی صفائی دینے کو لرزتی کانپتی ٹانگوں کے ہمراہ باہر نکلی تھی لیکن سامنے سے آتے ابراہیم کو دیکھ کر اس کا سارا خون نچڑ کر چہرے پہ آ گیا۔ ابراہیم صاحب کے چہرے پہ رنج و ملال اور آنکھوں میں اس کے لیے تحقیر تھی۔

حور کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اپنی صفائی میں اس سے کچھ بھی بولا نہ گیا۔ ابراہیم صاحب چپ چاپ بنا کچھ کہے سنے واپس پلٹ گئے۔

شدتِ غم سے حور کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔

بہ وقت تمام اس نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ در و دیوار اس کے سر پر آ رہے تھے۔ ولید باپ کے پیچھے پیچھے نکل گیا تھا۔

"شیر خان!" دلشاد بیگم نے ملازم کو پکارا تھا۔ پھر ملازم کے پیروں میں گاڑی کی چابیاں پھینکتے ہوئے بولیں: "یہ جہاں جانا چاہتی ہے، اسے چھوڑ آؤ۔ اس سے قبل یہاں آس پڑوس کے لوگ اکٹھے ہوں اور ہماری عزت کا جنازہ نکلے، اسے یہاں سے دفعان کر دو۔ مجھے تو ابراہیم کی فکر ہو رہی ہے، کہیں وہ یہ صدمہ دل پہ ہی نہ لے لیں۔"

وہ تحقیر بھری نگاہوں سے حور کو دیکھتے ہوئے بہ عجلت باہر نکل گئیں۔ حور دیوار سے سر پٹخ کر رونے لگی۔ روتے روتے وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

شیر خان اس کے انتظار میں گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

بہت دیر تک وہ زمین پر ایسے ہی بیٹھی روتی رہی، پھر اس کی نگاہ ملازمہ رانی پر پڑی تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے ہتھیلی سے آنسو صاف کیے اور دوڑ کر رانی کے پاس گئی اور کہنے لگی: "تمہیں تو پتا ہے ناں رانی! میں یہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی تھی؟" وہ بے تابی سے رانی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں جی! آپ تو ابھی آئی تھیں۔ وہ عورت جو رات سے یہاں تھی، وہ تو کوئی اور

عورت تھی۔ آپ تو شریف گھر کی معلوم ہوتی ہیں۔''

''میں، میں اس گھر کی بہو ہوں۔ ان کے بڑے بیٹے کی بیوی ہوں جو مجھ پر الزام لگا کر گئی ہیں۔'' غم سے نڈھال وہ رانی کو اپنی بپتا سنا رہی تھی۔ رانی حیرانی سے حور کی جانب دیکھنے لگی۔

''لگتا ہے، تم لوگوں نے شادی میں شرکت نہیں کی، تب ہی تم مجھے نہیں جانتیں۔ مگر میں بتاؤں تمہیں، میں ولید کے بڑے بھائی کی بیوی ہوں۔'' حور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

انہوں نے غلط فہمی اور بدگمانی کی بنیاد پر مجھ پر اتنا بڑا الزام لگایا ہے۔ طارق میرے شوہر، شہر سے باہر ہیں۔ انہیں یہ سب بتایا جائے گا تو میرا گھر اُجڑ جائے گا۔'' یہ کہہ کر حور نے رانی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''تم تو سچائی سے واقف ہو۔ ان لوگوں کو بتاؤ گی ناں کہ سچ کیا ہے، تم میرا ساتھ دو گی رانی؟'' حور رو رہی تھی۔

رانی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اور اس نے حور کے جڑے ہوئے ہاتھ کھول دیے۔

''آپ فکر نہ کریں بیگم صاحبہ! میں اور شیر خان آپ کا گھر اُجڑنے نہیں دیں گے۔ ہم سچائی بتا دیں گے، مگر......''

''ہاں، بولو۔''

''بیگم صاحبہ! جب آپ کو پتا تھا کہ آپ کا دیور اچھے کردار کا نہیں ہے تو آپ اس کے ساتھ کیوں یہاں آئیں؟ یہاں تو آئے دن ایسی ہی عیاشیاں ہوتی ہیں۔ ہم تو جی کی کمین ملازم لوگ ہیں۔ اسی تابع داری کے تو پیسے ملتے ہیں ہمیں، لیکن آپ تو کچھ سوچتیں، آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' حور نے آنسو صاف کر لیے۔ اس کے دل میں ولید کے لیے زہر اور آنکھوں سے نفرت اُبل رہی تھی۔

''ولید نے جان بوجھ کر میرے ساتھ ایسا کیا ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی، اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کرنے کے لیے اس نے مجھے نشانہ بنایا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ غصے اور حقارت سے بولی تھی۔

☆ ☆ ☆

''بے غیرتی کی انتہا اس وقت ہو جاتی ہے جب انسان اپنے کیے پر مطمئن ہو، اسے کوئی شرمندگی نہ ہو، یہ بے غیرتی کا چلتا پھرتا شاہکار ہے۔''

دلشاد بیگم نے اسے اوپر کمرے میں جاتا دیکھ کر دونوں بیٹیوں سے استہزائیہ کہا تو حور کے قدم سیڑھیوں پہ جم گئے۔ وہ گویا پتھر کی طرح ساکت ہو گئی تھی۔

''طارق کو فون کر دیا ہے میں نے، شام کی فلائٹ سے وہ واپس آ رہا ہے۔ جو کچھ یہاں سے لے جانا چاہتی ہو، سامان باندھ لینا۔ غیرت مند مرد، بدصورت عورت کے ساتھ تو گزارہ کر لیتا ہے، لیکن بدکردار عورت کے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔''

حور لڑکھڑائی تھی۔ گرل نہ تھامتی تو منہ کے بل نیچے آتی۔

''میرا طارق غیرت مند ہے۔ میں نے ولید کو بھی گھر سے نکال دیا ہے۔ میں نہیں چاہتی تمہاری وجہ سے بھائی بھائی کا خون کرے۔ اب اس ولید کا بھی کیا قصور، نجانے تم نے رنگ رلیاں اس کے ساتھ منائی تھیں یا اس کے دوستوں کے ساتھ۔''

''دلشاد بیگم! خدا کے واسطے خاموش ہو جائیں۔ میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔'' ابراہیم کی رنج میں ڈوبی دل گیر آواز اُبھری تو دلشاد بیگم کے لب سل گئے۔ وہ گھبرا کر شوہر کی طرف دوڑیں۔

''آپ کیوں بستر سے اٹھ کر آ گئے۔ پہلے ہی آپ کی ہارٹ بیٹس اس قدر تیز ہیں۔ ٹیبلٹ لینے کے بعد کچھ دیر آرام کر لیتے۔ کچھ ہو جائے گا آپ کو تو کیا کریں گے ہم لوگ؟''

دلشاد بیگم نے مصنوعی آنسو نکالے تو ابراہیم نے ملال و تاسف سے بیوی کی طرف دیکھا اور دل گرفتہ لہجے میں بولے: ''کچھ ہونے کو اب بھی باقی ہے؟''

دلشاد بیگم چمک کر بولیں: ''آپ اپنے دل پر نہ لیں، میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔''

دلشاد بیگم کی کٹیلی نگاہیں سیڑھیوں پہ تھیں۔

''خدا کے واسطے دلشاد! جو کچھ ہو چکا ہے، وہ کم تکلیف دہ نہیں۔ آپ بار بار ہمارے زخموں پہ نمک پاشی کیوں کر رہی ہیں، اس گھر کی عزت کیوں برباد کر رہی ہیں۔ یہاں ملازم بھی ہیں، وہ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں۔ آخر وہ بیٹا تو ہمارا ہی تھا۔''

''اب جانے دیں اس بات کو۔'' دلشاد بیگم نے گویا ٹالا تھا۔

''کیسے جانے دوں؟'' وہ بھڑک گئے۔ ''کیا آپ اسے جرم سے بری الذمہ کر دیں گی؟''

دلشاد بیگم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ انہوں نے نرمی سے ابراہیم کا بازو پکڑا اور انہیں اندر کمرے میں لے گئیں۔

"میں جانتی ہوں، آپ سارا الزام اپنے بیٹے کو ہی دیں گے۔ ٹھیک ہے، ہمارا ہی بیٹا گندہ تھا، گندہ ہے۔ میں پوچھتی ہوں، آپ کی بھانجی تو ستی ساوتری تھی۔ وہ کیا لینے پہنچی تھی وہاں؟ پندرہ سال سے تو میری بیٹیاں وہاں نہیں گئیں، صرف اس لیے کہ اس بے غیرت نے عیاشی کا اڈہ بنا رکھا ہے اسے۔ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتی ہوں، ولید میں ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی اتنی ہے کہ آپ نے اس گھر کو تالے لگوا دیے تو اس نے تالے توڑ ڈالے۔ ملازمین کے ساتھ بدسلوکی کی۔ محلے والوں کو ستایا، کتنا کہا تھا میں نے، آپ اس گھر کو ہی بیچ دیں۔ محلے والے بھی ہمارے اوپر لعنت ہی بھیجتے ہوں گے، لیکن آپ کو تو جیسے اماں جی کی یادوں سے جڑا رہنا تھا۔ اس گھر کو ملکیت میں ہی رکھنا تھا۔ کیسا چاند چڑھایا ہے آپ کی بھانجی نے۔ چلو اماں جی کی روح کو بھی سکون آ گیا ہوگا۔"

دلشاد بیگم کا کٹیلا انداز ابراہیم کی روح کو گھائل کر گیا تھا۔ وہ سر تھام کر بے بسی سے بیٹھ گئے۔

"اس گھر سے اس کا بچپن وابستہ تھا۔ اماں جی کی یادیں، اور بھی بہت کچھ۔ ہو سکتا ہے وہ اسی لیے گئی ہو، لیکن اس نے اکیلے وہاں رات کیوں گزاری؟ مجھے زندہ مار ڈالا ہے حور! تم نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مجھے تمہاری یہ حرکت بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔ تم اتنی نادان اور بھولی تو نہیں تھیں۔"

ابراہیم رو رہے تھے۔ دلشاد بیگم کو ابراہیم کی باتوں سے تقویت مل رہی تھی۔ وہ قریب بیٹھ گئیں اور ان کی دل جوئی کرتے ہوئے بولیں:

"آپ نہیں سمجھ سکتے جو بچے بنا والدین کے تربیت پاتے ہیں اور خاص طور پر ماں کی تربیت سے محروم لڑکیاں، وہ خود کو تو نقصان پہنچاتی ہی ہیں، اپنے خاندانوں کا بھی اچھا بُرا نہیں سوچتیں۔ یہ لڑکی شروع سے خود سر تھی۔ مجھے تو لگتا ہے اس نے طارق کو نیچا دکھانے کے لیے ایسا دانستہ کیا ہے۔"

"طارق کو نیچا دکھانے کے لیے؟" ابراہیم نے حیرانی سے بیوی کی طرف دیکھا۔

"ہاں، کیونکہ میں محسوس کرتی تھی، طارق نے اسے اس کی اوقات پہ رکھا ہوا ہے۔ بارہا مجھے ایسا لگتا تھا کہ ان کے مابین تعلق خوشگوار نہیں ہے۔ شادی والی رات تو طارق نے باہر لان میں گزاری تھی۔" ابراہیم کو یہ انکشافات سن کر حیرانی ہو رہی تھی۔ پھر بھی دلشاد بیگم کا رویہ ایسا تھا جو بیٹے کے ساتھ......

"میں ماں ہوں ابراہیم! اپنی اولاد سے غافل نہیں رہ سکتی۔ طارق میرا بیٹا ہے، وہ ایک نظریاتی اور پختہ سوچ رکھتا ہے۔ ایسی اوٹ پٹانگ لڑکیاں تو ہزاروں مل سکتی تھیں اسے۔ مگر خیر چھوڑیں اس بحث کو، بہرحال یہ لڑکی اگر ایسا سوچتی ہے تو یہ گھر بسانے کے نہیں، اُجڑ جانے کے حربے ہیں۔ ہمیں کیا، خود ہی نقصان اٹھائے گی۔"

ابراہیم کو دلشاد بیگم کی باتوں سے سازش کی بو آ رہی تھی، مگر انہوں نے کسی بات کی تردید نہیں کی۔ چپ چاپ وہ سنتے رہے، پھر طویل خاموشی کے بعد بولے:

"اب مزید وقت نہیں ہے۔ ولید کا گھر بس جانا چاہیے۔ یہ ہماری ہی غفلت اور ڈھیل کا نتیجہ ہے کہ آج پانی سر سے گزر گیا، پھر خداوند تعالیٰ کو بھی ہم نے منہ دکھانا ہے۔ آپ اس کے لیے لڑکی دیکھیں۔ میں جلد از جلد اس کی شادی کر دینا چاہتا ہوں۔"

"لڑکی اور میں......" دلشاد بیگم اچنبھے سے بولیں۔

"کہاں خاطر میں لائے گا وہ میری پسند کو......؟"

"دلشاد بیگم! وہ ہمارا ہی بیٹا ہے۔ اسے اتنا ہوّا نہیں بنائیں۔ وہ کیوں شادی نہیں کرے گا۔ کیا عمر بھر ہمارے منہ پہ کالک ملنے کے لیے پیدا ہوا ہے وہ۔"

وہ یکدم غیض و غضب میں آ کر بولے تو دلشاد بیگم چپ ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

وہ ابراہیم کے پیچھے پیچھے گھر تک آیا تھا اور انہیں یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ جیسا وہ لوگ سوچ رہے ہیں ایسا ہرگز کچھ نہیں ہے۔ ابراہیم نے حقارت سے اس کے بگڑے حلیے اور اس کے منہ سے پھوٹتی شراب کی بدبو کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں اس خمار کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

وہ اس حالت میں ایمان اور قرآن کی قسمیں کھا رہا تھا۔ ایک غلیظ اور ناپاک شخص بار بار اللہ کا نام لے رہا تھا۔ ابراہیم کو اس کے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ وہ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

زچ ہو کر وہ غیض و غضب میں چلائے تھے کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے سے دفع ہو جائے۔ وہ جانتا تھا اس وقت ماں کو مطمئن نہیں کر سکتا لیکن باپ، باپ اس کے ساتھ یہ بدسلوکی اور بداعتمادی کرے گا؟ اس سے برداشت نہ ہوا اور وہ غصے میں گھر سے باہر نکل گیا۔

یہ سوچے سمجھے بنا کہ اس کے یوں غائب ہو جانے سے حور پہ زندگی کا دائرہ کس قدر تنگ ہو جائے گا مگر اسے پرواہ ہی کہاں تھی۔ رنج تھا تو اس بات کا کہ اس کے والدین اسے اتنا گھٹیا بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اسے صرف اپنی ذات کی پرواہ تھی اور کچھ نہیں۔ سارا دن وہ اپنے دوست کے ہاں بند کمرے میں شراب کے سہارے اپنا غم بھلانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

دن بھر میں اس کے تین چار فون آ چکے تھے۔

سب سے پہلے منزہ نے اس کی خیریت دریافت کی۔ پھر اس کے پاپا نے، پھر اس کے چھوٹے بہن بھائیوں نے۔ سب ہی کو یہ فکر لاحق تھی کہ وہ اچانک صبح صبح چلی گئی تھی۔ کیا بات تھی؟ وہ کیا بتاتی کہ اس پہ کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ اسے انتظار تھا تو طارق کا...... طارق آئیں گے تو میں انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی اور مجھے ملازموں کی گواہیاں لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے ماں باپ اور میرے بہن بھائی جن کے ساتھ میں نے رات گزاری، کیا وہ میرے حق میں نہیں کھڑے ہوں گے۔

مگر کتنی شرم کی بات ہے...... کس طرح سامنا کروں گی میں اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کا۔ کیا میرے سسرال والے مجھ پہ اتنا گھٹیا الزام بھی لگا سکتے ہیں؟ کیا اوقات ہے میری میرے سسرال میں، سب کو پتا چل جائے گا۔ یا خدا میں کیا کروں، کیا کروں...... وہ رو رو کر ہلکان ہو چکی تھی۔

جو لوگ ایسا الزام لگاتے ہوئے نہ کانپے، وہ کیونکر کسی کی گواہی کا یقین کریں گے۔ پھر تو میں ہر طرف سے ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤں گی...... اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بالآخر سسک سسک کر وقت گزر ہی گیا۔

طارق گھر آ گیا تھا۔ ابراہیم نے بیوی کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ فی الحال طارق سے کوئی بھی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک تو وہ سفر سے آ رہا ہے، دوسرے جب تک ہمیں خود کسی معاملے کا صحیح علم نہیں ہو جاتا، اسے پھیلانا ہمارے لیے بھی باعثِ شرم ہے۔

''تو گویا آپ ابھی تک کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔''

''ہاں!'' ابراہیم نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ وہ ہماری بچی ہے، ہمارا خون ہے۔ وہ

بدکردار نہیں ہو سکتی۔''

''موقع واردات سے بازیاب ہونے کے باوجود آپ ایسا کہہ رہے ہیں؟''

''یہی معمہ تو حل نہیں ہو رہا ہے۔'' وہ یکدم نڈھال سے بولے تو دلشاد بیگم کے چہرے پہ چمک آ گئی۔

''ٹھیک ہے، آپ کہتے ہیں تو میں طارق کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ پھر بھی دیکھتی ہوں آپ کی بھانجی اپنا گھر بسا پائے گی یا نہیں۔''

طارق والدین کے کمرے میں کچھ دیر بیٹھا رہا تھا۔ اسے باپ کی طبیعت کی فکر ہو رہی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر امجد سے ٹائم بھی لے لیا تھا جو انہوں نے کل رات کا دیا تھا۔

رات دس بجے جب طارق اپنے کمرے میں آیا تو حور کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ سُتا ہوا چہرہ، متورم آنکھیں اور خشک ہونٹ اور اُجڑا اُجڑا سا حلیہ۔ وہ طارق کو دیکھ کر بے صبری سے بستر سے اٹھی اور اس کے سینے سے لگ گئی۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ وہ حیران و پریشان تھا۔

''کیا ہوا ہے حور! کچھ بتاؤ تو سہی؟'' اس کا نرم اور ملائم لہجہ حور کو حیران کر گیا۔ اس نے بے یقینی سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ پریشان سا، اُلجھا ہوا اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ حور نے جلدی جلدی دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں۔

''آپ کو کسی نے کچھ نہیں بتایا؟'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔ وہ خود کس منہ سے اور کس طرح بتائے گی کہ بات کیا تھی۔

طارق نے نفی میں گردن ہلا دی اور مسکرا کر اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے صوفے پہ اپنے ساتھ بٹھایا پھر کہنے لگا:

''ضرور ماما کا اور تمہارا جھگڑا ہوا ہوگا، ہے ناں۔ یا دل آویز وغیرہ نے تمہیں کچھ کہہ دیا ہوگا۔ کم آن حور! ان باتوں کو لے کر چلو گی تو زندگی کیسے گزرے گی۔ ہاں اور تمہیں پتا ہے، بابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ان کی ہارٹ بیٹس بڑھی ہوئی ہیں جو تشویش ناک ہے۔ شاید اسی وجہ سے کسی نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ تم بتاؤ تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ ارے یہ کیا! مجھے تو

لگتا ہے تمہیں ٹمپریچر بھی ہو رہا ہے۔

کم آن حور! کچھ تو حوصلہ کرو۔ میرے ساتھ زندگی گزارنا اتنا آسان نہیں ہے۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ تمہیں ان سب مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

وہ آہستہ آہستہ پیار سے اسے بہلا رہا تھا۔ وہ اس کی محبت پا کر بجائے خود کو مضبوط پانے کے، ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

''طارق! آپ مجھے چھوڑ تو نہیں دیں گے۔'' اس کی آواز مدھم تھی۔

''کیا میں نے تمہیں چھوڑنے کے لیے اپنایا تھا۔'' وہ اس کے بال سنوار رہا تھا۔ وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اسے طارق کو سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ وہ اس سے کچھ نہیں چھپائے گی اور سب کچھ بتا دیا۔

''آج صبح صبح ولید نے مجھے فون کیا۔ میں ابو کے گھر میں تھی اور سو رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے لینے آ رہا ہے۔ وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔ میں خود بھی پریشان ہو گئی کہ وہ مجھے لینے آ گیا۔ میں اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھی تو میں نے سب گھر والوں کے بارے میں پوچھا۔ وہ اپنی فون کالز میں مصروف رہا۔ پھر وہ مجھے نانو والے گھر میں لے گیا اور سارا قصہ سنایا کہ وہ مجھے کیوں لے کر آیا ہے۔ مجھے اس پہ سخت غصہ آیا۔ اسے آپ کا بھی پتا نہیں تھا کہ آپ شہر سے باہر ہیں۔ ابھی میں اسے غصے میں بُرا بھلا کہہ کر نکل ہی رہی تھی کہ ماما اور بابا پہنچ گئے اور پھر...... ماما نے مجھ پہ ایسے ایسے الزام لگائے کہ میں بتا نہیں سکتی۔'' یہ کہہ کر حور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ ''میں نے ان کے الزامات کو جھٹلایا اور ولید نے بھی، مگر انہیں یقین نہیں آیا۔ انہوں نے کہا کہ میں رات بھر وہیں رہی ہوں، پھر انہوں نے بابا کو بھی یہی کچھ بتایا۔ طارق میں نے بابا کی نگاہوں میں خود کو مجرم پایا تو میں بالکل ٹوٹ گئی، مگر میں مجرم نہیں ہوں۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ آپ تو اس بات کا یقین کریں گے ناں اور وہ ولید، ولید تو غائب ہی ہو گیا۔ کم از کم اسے بھی تو سچائی کا سامنا کرنا چاہیے تھا۔ آپ کے بھائی نے میرے ساتھ جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ نجانے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں طارق! جو میرے ساتھ ایسا ہوا؟'' وہ رو رہی تھی۔

یکدم اس نے محسوس کیا کہ طارق کا بازو اس کے گرد سے ہٹ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں

میں اجنبیت اور چہرے پہ سفاکی تھی۔ حور اس کے تاثرات دیکھ کر کانپ اٹھی۔

☆ ☆ ☆

دو روز کے بعد ولید کو اس بات کا خیال آیا تھا کہ یوں بند کمرے میں بیٹھ کر ماتم کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اسے اصل حقائق کو سامنے لانا ہوگا۔ سچائی تب ہی بے نقاب ہوگی جب وہ دونوں ملازموں کو گھر لے کر جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی وہ وہاں سے نکل پڑا تھا۔

دو دن غم و غصے میں بھڑ بھڑ جلنے کے باوجود بھی اس کا غصہ نہیں اُترا تھا کہ اس کی ماں نے اس پہ اتنا گھٹیا الزام لگاتے ہوئے ایک پل کے لیے بھی نہیں سوچا۔

''کیا وہ اسے اتنا ذلیل سمجھتی ہیں کہ وہ اس قدر گری ہوئی حرکت بھی کر سکتا ہے۔ مائی گاڈ...... ماما...... کم از کم آپ کو کچھ تو لحاظ کرنا چاہیے تھا۔

آپ حورالعین سے اتنی نفرت کرتی ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کے منہ پر بھی کیچڑ مل دی۔ پتا نہیں بھابھی کا کیا حال ہوگا۔ یہ حالات تو طارق کو بھی پتا چلے ہوں گے۔ بھابھی کس طرح اکیلی ساری نفرتوں کا مقابلہ کر رہی ہوں گی۔ بعید نہیں ماما نے انہیں گھر سے بھی نکال دیا ہو۔'' اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔

وہ سیدھا اپنے ٹھکانے پہ پہنچا تھا، مگر وہاں تالے لگے ہوئے تھے اور یہ اس کے لیے اچنبھے کی بات نہیں تھی، کیونکہ ایسا پہلے بھی ہوتا تھا اور تب وہ بآسانی تالے توڑ دیتا تھا۔ اب اسے تالے توڑنے سے غرض نہیں تھی، اسے تو شیر خان اور رانی سے ملنا تھا۔ دونوں گھر کی پچھلی سائیڈ پہ کوارٹر نما پورشن میں رہتے تھے۔ وہ گھر کی پچھلی سائیڈ پر آ گیا۔ کوارٹر میں بھی تالا لگا ہوا تھا۔ ایسا آج تک نہیں ہوا تھا کہ شیر خان اسے بتائے بغیر کہیں گیا ہو۔ شیر خان اس کا ذاتی ملازم تھا۔ وہ اس کے ہر ٹھکانے سے واقف تھا لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی جب شیر خان کا کہیں بھی اتا پتا نہ ملا۔ شیر خان کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت پہ اسے جھنجھلاہٹ اور غصہ آ رہا تھا، مگر وہ لاچار تھا۔ اچانک شیر خان کا یوں غائب ہو جانا، اس کے پیچھے کیا بھید ہو سکتا ہے؟ اسے یہ سب کچھ جاننے سے غرض نہیں تھی، نہ ہی اس کا فی الفور ادھر دھیان گیا۔

شام تک زچ ہو کر وہ گھر لوٹ آیا اور اسے گھر لوٹنا ہی تھا۔ وہ مجرم تو نہیں تھا جو یوں منہ چھپا کر بیٹھا رہتا۔ یہ باتیں آہستہ آہستہ اس کے دماغ میں آ رہی تھیں۔ ان دنوں میں حور پر کیا گزری ہوگی، اسے اب اس کی بھی فکر ہونے لگی۔

بہر حال جو کچھ بھی ہوا تھا، ٹھیک نہیں تھا۔ اسے ہی اس سنگین مسئلے کا حل نکالنا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں غیر معمولی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

پھر اچانک سیڑھیوں کے آگے اس کے قدم رک گئے۔ اسے پہلا خیال یہی آیا، نجانے بھابھی اوپر ہیں یا اپنے میکے۔

وہ اس قدر شرمسار تھا کہ فی الحال حور کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ دبے پاؤں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ گزرتے ہوئے دل نشیں کے کمرے سے آوازیں آتی محسوس ہوئیں۔ یہ کمروں کی پچھلی سائیڈ تھی۔ دل نشیں کے کمرے کی کھڑکی ادھ کھلی تھی، وہ بآسانی سن سکتا تھا۔ دل نشیں ماں سے اُلجھ رہی تھی۔

''فار گاڈ سیک ماما! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے یہ بات طارق بھائی سے کیوں چھپا رکھی ہے۔ مصلحت...... مصلحت...... غیر کے اوپر آپ مصلحت کو ترجیح دے رہی ہیں۔ مائی گاڈ ماما...... یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو...... یہ طارق بھائی کے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہو گا۔ آپ کو انہیں صاف صاف بتا دینا چاہیے تاکہ اس مصیبت سے جان چھوٹے۔''

دل نشیں کے لہجے میں بے زاری ہی نہیں، نفرت بھی تھی۔

''بے وقوف ہو تم دلشی...... تم کیا سمجھتی ہو...... اس طرح وہ حور سے جان چھڑا لے گا اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ تم معاملے کی سنگینی کو سمجھو۔ طارق بھی مرد ہے۔ کیا وہ اس بات کو برداشت کر سکے گا۔ وہ اپنے بھائی کا خون کر ڈالے گا۔ پھر اس طرح سے میں دونوں بیٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھوں گی۔ ایک زندگی سے چلا جائے اور دوسرا سلاخوں کے پیچھے۔ کیا تم اخبارات میں آئے دن ایسے واقعات نہیں دیکھتیں۔

وہ اس گھر کی بربادی کا ہی عزم لے کر آئی ہے۔ تب ہی ایسے گُل کھلا رہی ہے مگر میں تو بے وقوف نہیں ہوں۔ اس کا وار کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے اس سے جان چھڑانی ہے اور اپنے دونوں بیٹوں کو بھی بچانا ہے۔ پھر...... تمہارے بابا، ان کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ اس معاملے پہ ہم مزید کچھ کریں۔ اس کا کچھ نہیں جائے گا دلشی۔ ہر طرف سے نقصان میرا ہی ہے، اس لیے طارق کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ وقت طارق کو خود بتائے گا۔'' دلشاد بیگم نے کہا۔

''مگر مجھے یقین ہے...... اس چلتر نے ستی ساوتری بن کر طارق کو کوئی نہ کوئی من گھڑت کہانی

ضرور سنائی ہے۔ آپ طارق کی خاموشی دیکھ رہی ہیں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے وہ اس معاملے سے آگاہ ہو چکا ہے، وہ اُلجھا ہوا بھی ہے اور پریشان بھی، مگر بابا کی وجہ سے وہ کوئی بات نہیں کر رہا۔ شاید وہ سچائی سے پوری طرح واقف نہیں ہوا ہے۔'' دل نشیں بولی۔

''اسے اُلجھنے دو، دلشی...... وہ جتنا اُلجھے گا، اتنا ہی اپنی بیوی سے دُور بھاگے گا۔ آخر وہ کب تک اپنی غیرت پہ پہرے بٹھائے گا۔ یہ خود اذیتی لمحے ہی اسے حور سے دُور کرنے کے لیے کافی ہیں، پھر ہماری بلا سے طارق اسے رکھے یا چھوڑے۔ ہمیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں۔ میں اصباح کو طارق کی دلہن نہیں بنا سکی تو کیا ہوا، طارق کسی اور کے ساتھ بھی نہیں رہ پائے گا۔'' دلشاد بیگم نے اسے سمجھایا۔ پھر دلشاد بیگم کا لہجہ مغموم ہو گیا۔

''میں نے اس گھر میں اس کے نہیں، بلکہ اپنی بھتیجی کے خواب دیکھے تھے۔ اس غلطی کا احساس میں تمہارے باپ کو دلانا چاہتی ہوں۔ وہ تمہارے باپ کی مرضی سے اس گھر میں آ تو گئی ہے لیکن یہاں بس نہیں سکتی۔ تم دیکھنا، طارق اس سے جلد ہی علیحدگی اختیار کر لے گا اور پھر میں اصباح کو بڑی دھوم دھام سے طارق کے ساتھ بیاہ کر لاؤں گی۔

تم نہیں جانتیں دلشی، میں اپنے بھائی کے سامنے کس قدر شرم سار ہوں۔ میں جو مدت سے اصباح کو بہو بنانے کے خواب دیکھا کرتی تھی، میرے ان خوابوں سے میرے بھائی واقف تھے، مگر میں نے طارق کو بیاہ کر اپنے بھائی سے وعدہ خلافی کر ڈالی۔ اس وعدے کو نبھانے کا وقت آ گیا ہے۔ اب تم دیکھنا اس گھر میں ہماری من چاہی خوشیاں ہوں گی۔ بس تھوڑا سا صبر کرو......''

ولید کے اندر بھونچال بپا ہو گیا۔ ''تو صرف ایک اصباح کو اس گھر میں لانے کے لیے ماما! آپ نے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ صرف اپنے مفاد کی خاطر۔ نہ صرف اپنے بیٹے کو ذلیل کیا، بلکہ طارق کا بھی گھر اُجاڑنا چاہتی ہیں۔ نہیں...... ماما نہیں، میں اس کا گھر اُجڑنے نہیں دوں گا۔ یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ آپ جو چاہیں گی، وہ ہوتا چلا جائے گا۔''

وہ ماں کا سامنا کر سکتا تھا۔ ان سے سوال جواب کر سکتا تھا، مگر نہیں۔ اس وقت اسے اپنے غصے اور جذبات پہ قابو پانا تھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے، غم و غصے کی حالت میں وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆ ☆ ☆

ٹی وی کی تیز آواز سن کر دلشاد بیگم ٹھٹھک گئیں تو گویا آج دو دن بعد وہ گھر آ ہی گیا تھا۔ دروازہ ادھ کھلا تھا، کمرے کی ساری لائٹس روشن تھیں۔ وہ ٹی وی دیکھنے میں معروف تھا۔ دلشاد بیگم نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ بستر پہ بدستور پڑا رہا جیسے ماں کو نظرانداز کر رہا ہو۔ دلشاد بیگم اس کے رویے پہ کھول اٹھیں۔

''مل گئی تمہیں فرصت گھر آنے کی۔'' دلشاد بیگم نے ٹی وی آف کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش لیٹا رہا جیسے سننے سے قاصر ہو۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں، ولید......!''

دلشاد بیگم سخت غصے میں تھیں۔ اس نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے دلشاد بیگم اچھی طرح سے واقف تھیں۔

''کس منہ سے اس گھر میں قدم رکھا ہے تم نے......؟''

ولید کے بدن میں خون آگ بن کر دوڑنے لگا۔ کنپٹیاں سلگ گئیں اور ضبط کی کشمکش چہرے پر عیاں ہونے لگی۔ وہ بستر سے اٹھ گیا اور فریج کھول کر ٹھنڈے پانی کی بوتل منہ سے لگا لی۔

''میں تمہاری ہٹ دھرمی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ بچپن سے آج تک تم نے جو بھی غلط کام کیے، تمہیں کبھی اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا۔''

وہ تب بھی کچھ نہیں بولا، پیٹھ موڑے کھڑا رہا۔

''تمہارے باپ نے اس واقعے کو اپنے دل پہ لے لیا ہے، مگر تمہیں...... تمہیں ذرا سا بھی احساس نہیں ہے۔''

اس نے پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا۔ دھواں دھواں چہرہ اور دکھ سے لبریز آنکھیں جو رنج سے شکوہ کر رہی تھیں۔ دلشاد بیگم نظریں نہ ملا پائیں۔ ذرا دیر کو ندامت نے دل پہ دستک دی تھی۔

''جو کچھ بھی ہوا...... میں اس پہ بحث نہیں کرنا چاہتی۔'' دلشاد بیگم نے خود ہی اس موضوع کو ٹال دیا۔

ولید کو حیرت ہوئی۔ وہ ماں سے پوچھنا چاہتا تھا کہ شیر خان اور رانی کو کہاں غائب کر دیا ہے، لیکن اسے شدید شاک لگا جب دلشاد بیگم نے اس موضوع پر بات کرنے سے ہی انکار

کر دیا۔

''تمہارے بابا تم سے سخت ناراض ہیں۔ اب ہماری عمر اور صحت اس چیز کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم آئے دن تمہارے ان کارناموں سے اپنے منہ پہ کالک ملیں اور تمہیں بے مہار چھوڑے رکھیں۔ تمہاری شادی بھی طارق کے ساتھ ہو جاتی تو بہتر تھا، لیکن تم سنجیدہ ہی نہیں ہوئے اور اس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔ خیر ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی جلد از جلد کر دیں تاکہ تمہارے گناہوں کا بوجھ ہمارے دامن پہ نہ آئے۔''

ولید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دلشاد بیگم نے نظریں اٹھا کر بیٹے کی طرف دیکھا تو وہ ماں کے سامنے سے ہٹ کر کھڑکی کی جانب بڑھ گیا جو لان میں کھلتی تھی۔

''تمہیں اگر کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دو...... ورنہ...... میں اور تمہارے بابا اپنی پسند سے تمہاری شادی کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔'' دلشاد بیگم کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

ولید کے چہرے پہ تلخ تبسم بکھر گیا۔ چونکہ اس کا رخ دلشاد بیگم کی طرف نہیں تھا، اس لیے وہ اس کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھیں جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ زچ ہو گئیں۔

''میں ایک گھنٹے سے بک بک کر رہی ہوں اور تم ہو کہ پتھر کی طرح کھڑے ہو۔ آخر اس طرح کب تک چلے گا ولید! تمہارے اس غیر ذمہ دارانہ رویے سے جانتے ہو، یہ گھر بربادی کے دہانے پہ آ کھڑا ہوا ہے۔''

ولید کے اندر آندھیاں چلنے لگیں۔ ماں کے رویے پر اسے شدید دکھ ہو رہا تھا۔

''اور تم ہو کہ تمہیں احساس ہی نہیں۔''

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ماما۔'' اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ ''مگر مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ آپ نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔''

دلشاد بیگم نے چونک کر دیکھا۔ وہ پیٹھ موڑے کھڑا تھا۔

''ہمیشہ سے ہی آپ طارق کو چاہتی تھیں اور اسے ہم سب پہ فوقیت دیتی تھیں۔ آپ کی بھرپور توجہ سے وہ آپ کا فرماں بردار بنتا چلا گیا اور میں...... میں محبتیں باہر تلاش کرنے کی کوشش میں خود سے بھی دُور ہوتا چلا گیا۔ پھر آپ نے مجھے اپنے وجود سے ہی کاٹ کر پھینک دیا اور آپ کو مجھ سے اتنی نفرت ہے کہ آپ نے ایسے گھناؤنے فعل کا ذمہ دار ٹھہرا دیا۔ کیوں

"ماما! کیوں......؟ کیا میں آپ کی اولاد نہیں تھا؟" وہ تڑپ اٹھا تھا۔

دلشاد بیگم کا دل ہی تو تھا پتھر تو نہیں، ممتا کے احساس سے لبریز ہو گیا۔ وہ پژمردگی سے ولید کے قریب آ گئیں اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر رنج سے کہنے لگیں:

"کیوں نہیں، تم بھی میری اولاد ہو لیکن تمہاری کچھ نادانیوں نے تمہیں آج رسوا کیا ہے۔ میں تمہیں اول روز سے منع کرتی تھی کہ تم اس سے تعلق نہ رکھنا، یہ عورت اچھی نہیں ہے۔ مگر تم نے میری ایک نہ سنی اس واقعہ کا تمہیں کتنا صدمہ ہے، جبکہ وہ سکون سے ہے۔ غیرت مند ماں باپ کی اولاد ہوتی تو کیا اس گھر میں آتی؟"

ماں کے خیالات سے ولید کے دل کو ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ صرف حورالعین کو اس گھر سے نکالنے کے لیے یہ ساری سازش بُنی جا رہی تھی اور اصباح کو لانے کے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ اسے اصباح سے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ حورالعین کی صفائی میں بولنا چاہتا تھا مگر دلشاد بیگم سننے پہ آمادہ ہی کہاں تھیں۔

"جو کچھ ہو چکا ہے، اسے بھول جاؤ، ولید......! اس گھر کی سلامتی کے لیے یہی بہتر ہے۔"

پھر وہ رسان سے اس کا بازو پکڑ کر صوفے پہ بٹھاتے ہوئے بولیں:

"جو پرپوزل میں نے تمہیں دیا ہے، اس پہ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر مجھے جواب دینا۔ اب ہم تمہاری شادی میں مزید تاخیر نہیں کر سکتے۔"

وہ گم صم سا ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو......؟" دلشاد بیگم نے نرمی و محبت سے اس کے بال پیشانی سے ہٹائے تو ولید کا دل پتھر کی طرح سخت ہو گیا۔ اسے اصباح سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ ولید نے سر جھکا لیا اور فرش کو گھورنے لگا۔

"آپ نے طارق کی زندگی کا فیصلہ کرنے سے پہلے اسے تو ایسا اختیار نہیں دیا تھا جیسا مجھے دے رہی ہیں، حالانکہ سب جانتے تھے کہ طارق، حور بھابھی کو پسند بھی کرتا ہے، اس کے باوجود اس رشتے کی آپ نے مخالفت ہی کی۔ پھر مجھے یہ اختیار کیوں......؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا مگر دانت پہ دانت جمائے بیٹھا رہا۔ دلشاد بیگم اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔

وہ اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس نے طارق کا گھر بچانا تھا اور وہ فیصلہ کر

چکا تھا۔

"جن لڑکیوں سے میری دوستیاں ہیں، ایسی لڑکیاں بیویاں بنانے کے قابل نہیں ہوتیں۔"

کافی دیر بعد اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو دلشاد بیگم کو خوش گوار حیرت ہوئی۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم ایسی سوچ رکھتے ہو۔"

"میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جو صرف آپ کی من پسند ہو۔"

"میری من پسند؟" دلشاد بیگم کو جھٹکا لگا۔ گویا انہیں ولید کی فرماں برداری پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

"ہاں ماما......صرف آپ کی من پسند......" ولید نے یہ کہہ کر ماں کے ہاتھ تھام لیے اور عقیدت سے انہیں اپنے ہاتھوں میں بھینچتے ہوئے بولا:

"صرف آپ کی من چاہی لڑکی ہی میری زندگی کا رخ بدل سکتی ہے۔ مجھے بھٹکنے سے روک سکتی ہے۔ باکردار، خاندانی اور نیک سیرت لڑکی آپ ہی میرے لیے تلاش کر سکتی ہیں۔"

دلشاد بیگم کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"نیک سیرت...... باکردار...... من پسند......صرف اور صرف اصباح کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" دلشاد بیگم کا دل گواہی دے رہا تھا۔ "مگر نہیں، ولید میں بہت کمی ہے۔ وہ اس رشتے کو نہیں نباہ سکتا۔"

"کیا سوچنے لگی ہیں ماما؟" ولید نے دلشاد بیگم کے چہرے پہ آتی چمک کو مایوسی میں ڈوبتا دیکھ کر استفسار کیا تو وہ صاف گوئی سے بولیں:

"کیا تم میری من پسند لڑکی کے ساتھ خوش گوار اور باعزت زندگی گزار لو گے؟"

ان کے اندیشے زبان پہ آئے تو اسے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھوکا دینے میں لطف آیا۔

وہ ماں کے پہلو سے نکل کر کھڑا ہوتے ہوئے شکوہ کناں لہجے میں بولا:

"میں جانتا ہوں، آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے......مگر نہ تو آپ نے پہلے مجھے اس کے قابل سمجھا تھا اور نہ ہی اب سمجھیں گی۔"

وہ مایوسی سے کہہ کر دوسری جانب بیٹھ گیا۔ دلشاد بیگم اُلجھ گئیں اور شش و پنج میں مبتلا ہو کر بیٹے کی طرف دیکھنے لگیں جہاں سنجیدگی نمایاں تھی۔ (اچانک ولید میں اتنی لچک، ضرور وہ اپنے کیے پر نادم ہے۔)

کچھ لمحے یونہی گزر گئے۔

''میں تمہارے بابا سے بات کروں گی، پھر جیسا وہ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔''

''نہیں ماما...... مجھے بابا کی چاہت کی نہیں، آپ کی چاہت کی ضرورت ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں، وقار ماموں کی اصباح سے زیادہ آپ کے دل میں کسی اور لڑکی کی چاہت ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ کو یہ رشتہ قبول ہے تو مجھے بھی دل و جان سے قبول ہوگا۔''

دلشاد بیگم کو اپنی سماعتوں پہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اگر کبھی طارق سے ہٹ کر ولید کے بارے میں انہوں نے سوچنا بھی چاہا تو اسی خوف نے پیش قدمی سے روک دیا تھا کہ ولید کہاں ایسی لڑکی کو خاطر میں لائے گا جو کم پڑھی لکھی اور سیدھی سادی ہوگی۔

اب ولید خود ہی ایسی لڑکی کی خواہش کر رہا تھا۔ اس نے انہیں نئی امنگ دی لیکن ساتھ ہی ایک نئی فکر میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج بہت دنوں کے بعد اسے یونیورسٹی میں دیکھ کر راحیل کو گہری طمانیت کا احساس ہوا تھا۔ دل نشیں میں واضح تبدیلی تھی۔ پہلے کی نسبت وہ زیادہ خود اعتماد اور بولڈ دکھائی دے رہی تھی اور یہ تبدیلی سب ہی محسوس کر رہے تھے۔

''بہت دن سے میں تمہیں مس کر رہا تھا، دلشی! کئی بار تمہیں فون بھی کیا لیکن تم نمبر دیکھ کر فون آف کر دیتی تھیں۔ میں جانتا ہوں، میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ تمہارا بہت دل دکھایا ہے اور اس دوران میں سخت ٹینشن میں رہا۔ تم جانتی ہو، امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ ساری ذمہ داریاں مجھ ہی پر ہیں۔

بس ان ہی حالات کی وجہ سے تمہیں نجانے کیا کچھ کہہ بیٹھا۔ آئی ایم سوری، دلشی! مجھے معاف کر دو۔ میں بہت دن سے گلٹی فیل کر رہا ہوں۔ کئی راتوں سے سو نہیں پایا۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا، حالانکہ تم جیسی لڑکی ہی میرا آئیڈیل ہو سکتی ہے۔ اس بات کا احساس مجھے دو روز کے بعد ہوا ہے کہ تم میرے لیے کیا ہو، اس روز میں نے تمہیں بُرا بھلا کہا۔ تم بھی مجھے بُرا بھلا کہہ لو لیکن پلیز ناراض مت ہو۔ آئی ایم سوری دلشی، آئی ایم رئیلی سوری......''

اس کی منت سماجت پہ دل نشیں قہقہہ لگا کر ہنس پڑی جو راحیل کو حیران کر گیا۔ اس کا تو خیال تھا کہ وہ اس کی ایک بات نہیں سنے گی۔ اُلٹا بُرا بھلا کہہ کر اس کے پاس سے اٹھ جائے

گی لیکن دل نشیں کا رویہ بالکل متضاد تھا۔ وہ دوستانہ لہجے میں راحیل سے مخاطب ہو کر بولی:

''اینی وے...... جو کچھ ہو چکا ہے، میں اسے بھول چکی ہوں۔ تمہیں بھی وہ سب کچھ بھلا دینا چاہیے۔ ہم اچھے دوست ہیں اور اچھے دوست ہی رہیں گے۔''

''رئیلی دلشی......!'' راحیل کو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ تو اسے منانے کو ایک معرکہ سمجھ رہا تھا لیکن یہاں تو معجزہ ہی ہو گیا تھا۔ وہ حیرانی سے دل نشیں کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

راحیل کو اپنا مقصد بآسانی مکمل ہوتا نظر آ رہا تھا، جبکہ دل نشیں اس کی دیوانہ وار خوشی پہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔

جب اسے علم ہوگا کہ میں کسی اور سے منسوب ہو چکی ہوں اور اسے چاہنے بھی لگی ہوں، تب اسے بالکل ویسا ہی صدمہ ہوگا جیسا مجھے اس روز ہوا تھا۔ جب میں نے بیوقوفی میں خود ہی اسے پرپوز کر دیا تھا، تب اس کی بے اعتنائی پہ مجھے اپنا آپ کتنا گھٹیا لگا تھا۔ میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو کبھی بھی خود کو نہ سنبھال پاتی۔ میں نے خود کو سنبھال لیا، لیکن یہ خود کو سنبھال نہیں پائے گا۔ تب مجھے اپنی بے عزتی کا جواب لوٹا کر کتنا سکون ملے گا۔'' وہ دل ہی دل میں ہنستے ہوئے راحیل کے ہمراہ گھاس پہ چل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''میرا خیال ہے کہ تم کچھ روز کے لیے اپنے پیرنٹس کے ہاں چلی جاؤ۔''

بہت دن کے بعد طارق نے اس سے گفتگو کی تھی۔

اس کے سرد رویے سے وہ پہلے ہی لہولہان تھی۔ اب اسی بات پہ اس کی جان پہ بن گئی۔

''میں بلاوجہ اپنا گھر چھوڑ کر کہیں کیوں جاؤں؟''

اس کا ازلی اعتماد اور خودسری بہت دن کے بعد اس کے رویے میں عود آئی تھی۔ طارق نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ کتنی دلیر تھی جبکہ ولید نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور وہ ماما کی مرضی سے شادی کرنے پہ رضامند بھی ہو گیا تھا۔ آخر ولید کے اس قدر ٹوٹنے کی وجہ کیا تھی؟ شاید یہ کہ وہ مجرم تھا۔ طارق کے شبہات پھر سے زندہ ہونے لگے تھے۔

''میں رانی اور شیر خان کو زمین کی ساتویں تہ سے بھی ڈھونڈ نکالوں گی۔''

گویا اس نے طارق کی خاموشی کو چیلنج کیا تھا۔

طارق کچھ نہیں بولا۔ اس کی سرد مہری، بے اعتنائی پہ وہ سلگ گئی اور شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی:

''مجھے آپ سے ایسے رویے کی امید نہیں تھی طارق......! آپ کے گھر میں میرے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، میں نے کبھی آپ سے سپورٹ نہیں مانگی، کبھی ان حالات کا رونا نہیں رویا آپ سے جو مجھے درپیش تھے۔ اکیلے ہی مقابلہ کرتی رہی صرف آپ کی خاطر۔ آج مجھے آپ کی سپورٹ اور مکمل اعتماد کی ضرورت تھی، لیکن آپ نے پھر مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ آپ نے تو مجھ سے محبت کے دعوے کیے تھے۔ کہاں گئی وہ محبت...... وہ دعوے؟''

یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھیگ گئی۔

''اگر پھر بھی آپ کو ایسا ہی لگتا ہے تو میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی وارڈ روب کھولی اور اپنے کپڑے بیگ میں ڈالنے لگی۔

اسے طارق کی محبت پر اعتماد تھا۔ تب ہی اس نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا مگر وہ ایسا کرے گا، اسے یہ امید نہیں تھی۔ اسے اس کے رویے کا گہرا دکھ تھا۔

''میں اب یہاں سے چلی گئی تو پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گی۔''

اس کی آواز دھیمی اور رنجیدہ تھی۔ اس نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے کہا تو وہ اس کے سامنے آ گیا اور اس سے بیگ چھین کر دور پھینکتے ہوئے بولا:

''بابا کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔ گھر میں بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہونے والی ہیں جو میرے لیے ہی نہیں شاید تمہارے لیے بھی اچنبھے کا سبب ہوں۔ میں نے تمہیں عارضی جانے کا کہا ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں۔ میرے اوپر کچھ ذمہ داریاں ہیں، جنہیں میں یکسوئی سے نبھانا چاہتا ہوں۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ دن رات تم اس واقعے کو دہرا کر مجھے ذہنی اذیت پہنچا رہی ہو۔ میں نے تمہیں ایک بار بھی ذمہ دار نہیں ٹھہرایا، مگر شاید تمہیں احساس ہی نہیں ہو رہا کہ مجھے اس موضوع سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔''

حور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کس خود غرضی سے اپنی تکلیف کا احساس دلا رہا تھا اور جس کے اوپر یہ جھوٹی تہمت لگی تھی، اس کی تکلیف اس سے کتنی زیادہ تھی، اس کا اسے احساس ہی نہیں تھا۔ حور کا دل شدتِ غم سے پھٹ پڑا۔

''آپ...... طارق......!'' اس کی آواز گھٹ رہی تھی اور انگشت شہادت طارق کے سامنے تھی۔

''آپ کو ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ اس لیے آپ مجھے میرے پیرنٹس کے ہاں بھیج رہے ہیں۔ میرا سوچا ہے؟ میرا چین سکون، راتوں کی نیندیں سب کچھ برباد ہو گیا۔ کوئی مداوا کرنے والا نہیں۔ ایسی صورتحال میں میں وہاں کیسے رہ پاؤں گی؟''

وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی، مگر وہ کیا کرتا۔ اس کے شکوک کو تقویت پہنچانے کے لیے ولید کا فیصلہ کاری ضرب ثابت ہوا تھا۔

''میں فی الحال تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ جیسے چکرا سا گیا تھا۔

''آپ مجھ سے کھل کر بات کریں طارق......! یہ معاملہ معمولی نہیں ہے۔ ہماری ازدواجی زندگی کا سوال ہے۔ آپ کا مجھ سے فرار، مجھے مجرم ثابت کر رہا ہے۔ مجھے زمانے کی پرواہ نہیں، لیکن آپ کی سرد مہری دن رات مجھے سنگسار کر رہی ہے۔''

''ولید نے فوری شادی کا اعلان کر دیا ہے اور وہ بھی ماما کی پسند سے۔''

وہ اپنے غم میں نڈھال تھی کہ طارق نے یہ بم اس کے سر پر مارا۔ اس کی رگ رگ میں سناٹا پھیل گیا۔ اس نے تحیر سے اس کی طرف دیکھا جیسے یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ ولید کے اس فیصلے کے پیچھے کون سا عمل کارفرما ہے۔

''وہ گھر واپس آ گیا ہے۔ بچپن سے ہی وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی ہے۔ کبھی اپنی کسی غلطی پہ نادم نہیں ہوا۔ اچانک اس کا یوں جھک جانا، کیا ثابت کرتا ہے؟''

وہ حور سے سوال کر رہا تھا۔ حور کے اندر باہر آندھیاں چلنے لگیں، اتنی بڑی سازش۔ سب کچھ با قاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔ میں ولید کو فیئر سمجھتی رہی، لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ وہ بھی اپنی ماں بہنوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ حور کے چہرے کے تاثرات طارق سے پوشیدہ نہیں تھے۔ وہ کپکپاتے لبوں سے کچھ بولنا چاہتی تھی، لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

''ولید کی شادی خیر خیریت سے ہو جائے، میں اپنی رہائش تبدیل کر لوں گا۔ میں آئندہ زندگی میں کبھی اس موضوع پہ تم سے کوئی بات سننا پسند نہیں کروں گا۔''

طارق کے رویے میں اجنبیت اور سرد مہری تھی۔ گویا اپنے ساتھ اسے رکھ کر وہ اس پہ احسان کر رہا تھا۔ وہ یوں نظروں سے گر کر، اپنے جیون ساتھی کے ساتھ قدم ملا کر چل

پائے گی، جسے یہ زعم تھا کہ وہ پورے وقار اور تمکنت کے ساتھ اس کی زندگی میں داخل ہو گی۔ اس کی عزت، توقیر تو ملیامیٹ ہو گئی تھی۔ اب وہ کیسے زندگی گزارے گی۔

طارق کمرے سے جا چکا تھا اور وہ شش و پنج میں مبتلا کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

ولید نے شادی کے لیے رضامندی کا اظہار کیا تو سارے ہی کام جھٹ پٹ طے پا گئے۔

دلشاد بیگم کو امید ہی نہیں تھی کہ وہ اپنے بھائی سے بڑے بیٹے کے بجائے چھوٹے بیٹے کے لیے ان کی بیٹی مانگیں گی اور وہ فوراً رضامند ہو جائیں گے۔ وقار احمد کی طرف سے رشتے کی رضامندی سامنے آتے ہی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اس رشتے پہ دل آویز اور دل نشیں دونوں ہی بہت خوش تھیں اور بڑھ چڑھ کر ماموں کے ساتھ جا رہی تھیں۔ انہیں اصباح پسند بھی تھی، خوبصورت اور بھولی بھالی سی۔ دل نشیں جو ہر وقت ولید سے خار کھائے رہتی تھی، اچانک اس کے قریب ہو گئی تھی۔

وہ بھی دونوں کو زیادہ سے زیادہ وقت دے رہا تھا۔ آئے دن شاپنگ کے سلسلے میں وہ اس کے ہمراہ کہیں نہ کہیں نکل جاتیں۔ حیرت انگیز طور پر ولید کی سابقہ سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ طارق سنجیدگی سے نہ صرف شادیوں کی تیاریوں میں منہمک تھا، بلکہ باپ کی روز بروز گرتی صحت بھی اسے پریشان کر رہی تھی۔

انہیں ڈاکٹرز کے پاس لے جانا اور ان کی غذا اور دوائیوں کا خیال رکھنا، یہ سب اس کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

دل ہی دل میں وہ حور کے لیے بھی پریشان تھا۔ وہ بالکل بجھ کر رہ گئی تھی۔ اب نہ اس میں پہلے کی طرح تیزی تھی اور نہ ہی کام کاج کرنے کی لگن۔ گھر میں کیا ہو رہا تھا، اسے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ وہ جیسے لاتعلق سی ہو گئی تھی۔

وہ حور کو زندگی کی طرف نہیں لا سکتا تھا۔ اسے اس سے شکوہ تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا اس کی لاپرواہی کی بدولت ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی، ولید کس قسم کا شخص ہے۔ پھر اس نے اس پر اندھا اعتماد کیوں کیا؟

وہ دن رات ذہنی اذیت میں مبتلا تھا، جبکہ گھر میں اس واقعے کی اب کسی کو پرواہ نہیں تھی۔ سب ولید کی شادی میں مگن تھے۔

دل آویز اور دل نشیں کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''ڈیٹ فکسنگ سے پہلے اگر منگنی کا چھوٹا سا فنکشن ہو جاتا تو مزہ اور بھی دوبالا ہو جاتا، مگر نجانے ماما کو اتنی جلدی کیا تھی، ماموں جان سے ڈائریکٹ ہی تاریخ لے لی۔''

''منگنی کا فنکشن میں نے تمہارے بابا کی رائے سے ختم کیا ہے اور وہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ خوامخواہ لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا۔ سبھی جانتے ہیں اصباح، طارق سے منسوب تھی۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ لوگوں کو ڈائریکٹ شادی کے کارڈز ہی دیں گے۔'' دلشاد بیگم نے سمجھایا۔

''ویسے ماما! ولید بہت خوش نظر آ رہا ہے اس رشتے سے۔'' دل آویز نے ماں کو جیسے نئی خوش خبری سنائی ہو۔

دلشاد بیگم بیٹی کی طرف دیکھ کر طمانیت سے مسکرائیں اور اس کا گال چھوتے ہی محبت سے بولیں:

''میں ہی نہیں، تم بھی اس شادی سے بہت خوش نظر آ رہی ہو۔ ذرا آئینے میں اپنا چہرہ دیکھو، کیسے گلاب کے پھول کی طرح کھل رہا ہے۔''

ماں کی تعریف پہ دل آویز جھینپ گئی۔

آہ! میں بھی کتنی ناداں تھی۔ چھوٹی سی عمر میں تمہیں اس گدھے کے پلے باندھ بیٹھی۔ حقیقت میں شادی کی عمر تو تمہاری اب تھی۔''

شادی کے نام پہ دل آویز کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئیں اور جھٹ سے رمیض کا سراپا آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ وہ یکدم جھنجلاہٹ سے بولی:

''کیوں کرتی ہیں آپ بار بار ان منحوس لمحوں کا ذکر، جنہیں میں سوچنا نہیں چاہتی۔''

''تم سے چھوٹے بہن بھائیوں کی شادیاں ہوں گی تو لوگ مجھ سے طرح طرح کے سوال نہ کریں گے؟''

''آپ فکر نہ کریں ماما! مجھے لوگوں کے سوالوں کے جواب دینا آتے ہیں۔ دنیا والے کون ہوتے ہیں میری طرف انگلی اٹھانے والے۔ یہ میری زندگی ہے، چاہے میں جیسے بھی گزاروں۔''

وہ بگڑے ہوئے موڈ میں بولی تو دلشاد بیگم نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا۔

''گڈ! میں بھی تمہیں ایسا ہی دیکھنا چاہتی ہوں۔''

یہ اعتماد اس نے حور سے چُرایا تھا۔ اس کے دل نے خود ہی گواہی دی تھی۔

''وہ بیگم صاحبہ کتنے دن کے لیے گئی ہیں میکے؟'' حور کا خیال آتے ہی دل آویز نے ماں سے پوچھا تھا۔

''کم آن دل! یہ حور دور ہمارا مسئلہ نہیں ہے، وہ جائے بھاڑ میں۔ تم لوگوں کو اپنی خوشیاں قائم رکھنی ہیں۔''

''پھر بھی اگر وہ ہوتی تو ضرور جلن محسوس کرتی۔ کہاں وہ گھر بھر پر چھاتی جا رہی تھی۔ سمجھ رہی تھی وہی سب سے زیادہ سگھڑ اور خوبصورت ہے۔ چند ہی دن میں محترمہ کی چھٹی کرا دی۔'' وہ دل ہی دل میں مسکرائی تھی۔

''ماما! میں چاہتی ہوں جب بری کی نمائش ہو ناں، تو آپ سب کو یہ بتائیں کہ یہ آپ کی بڑی بیٹی کی پسند ہے۔''

''کیوں نہیں دل......! مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی کہ میری بیٹی میں جینے کی اتنی امنگ جاگ جائے گی۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''کم آن ماما! آپ بار بار ایسا نہ کہا کریں۔ کیا میں پہلے مری پڑی تھی۔ بس اتنا ہی فرق ہے ناں، پہلے ان باتوں پہ توجہ نہیں دیتی تھی اور اب توجہ دینے لگ گئی ہوں۔''

''وہ کون ہے جس نے تمہیں ان باتوں پہ توجہ دینا سکھایا ہے؟''

طارق کو بہن میں تبدیلی اچھی لگی تھی، سو سراہے بنا نہ رہ سکا۔

لیکن دل آویز کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔ اس کا موڈ بگڑ گیا۔

''نجانے تم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر مجھ سے یہ سوال کر رہے ہو، مگر اپنی خوش فہمی کو دُور کر لینا۔ مجھے تمہاری بیوی سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ یعنی اس نے انکار کر کے اقرار ثابت کر دیا تھا کہ وہ واقعی حورالعین سے ہی متاثر ہوئی ہے۔ طارق دل ہی دل میں ہنسا، گویا اس نے اپنا بھی مذاق اُڑایا ہو۔ ایسی ہی لڑکی جو ایک بیمار ذہن کو صحت یابی کی طرف لے جا سکتی تھی، وہ کیونکر اپنی زندگی غلط سمت کی طرف لے جائے گی۔

وہ اُلجھا تھا، تب ہی دلشاد بیگم نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔

''آؤ طارق! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آج ہم نے جیولر کے پاس جانا ہے۔ تم کھانا

کھا لو، پھر ہم چلتے ہیں۔ دلشی اور دل آویز بھی اپنے لیے کچھ شاپنگ کرنا چاہتی ہیں۔''

''کھانا بھی باہر ہی کھا لیں گے، کیوں طارق بھائی؟'' دل نشیں نے جوش کا اظہار کیا اور اس کی آمادگی پا کر دل آویز کو آوازیں دینے لگی۔

☆ ☆ ☆

جیولرز کی دکانوں پہ چکا چوند روشنیاں اور قیمتی جیولری نظروں کو خیرہ کر رہی تھی۔ طارق اور دلشاد بیگم دلہن کے زیورات پسند کر چکے تھے، جبکہ دل نشیں اور دل آویز کو کوئی چیز بھی پسند نہیں آ رہی تھی۔

تین گھنٹے سے پھر پھر کر دل آویز تھک چکی تھی۔ سو بے زار ہو کر دکان سے باہر نکل آئی اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ اسے بھوک اور پیاس ستا رہی تھی کیونکہ ان سب نے ہلکا پھلکا فاسٹ فوڈ اور سوپ وغیرہ لے لیا تھا، جبکہ اپنے مزاج کے زیرِ اثر اس نے جیولر کی دکان پہ کولڈ ڈرنک تک نہیں لی تھی۔ اب اسے سخت پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ سوچا منرل واٹر کی بوتل ہی خرید لے۔ کم از کم پیاس تو بجھے گی۔ اس خیال کے تحت وہ گاڑی سے نکلی۔ ابھی وہ دکان دار سے منرل واٹر کی بوتل خرید کر مڑی ہی تھی کہ اچانک بھیڑ میں ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ رمیض کو سامنے دیکھ کر وہ گنگ رہ گئی۔

رمیض بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر رمیض نے ہی بولنے میں پہل کی۔

''تم تو بالکل اچھی بھلی دکھائی دے رہی ہو، جبکہ تمہارے باپ نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ تم بیمار ہو اور وہ تمہارا علاج کروا رہے ہیں۔''

''میرے راستے سے ہٹو۔'' دل آویز نے اس کی ساری بات بڑی برداشت سے نظر انداز کی تھی۔

''اوہ! اس کا مطلب ہے، تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ خیر کوئی بات نہیں، ویسے کس چیز کا علاج کروا رہا ہے تمہارا باپ؟'' وہ سامنے ڈٹ کر کھڑا تھا۔

''میں تمہاری کوئی بکواس سننا نہیں چاہتی۔''

وہ دبے دبے لہجے میں غرّائی تھی۔ اردگرد لوگ رواں دواں تھے۔

''مگر میں اس بکواس کا جواب لوٹانا چاہتا ہوں، جو تم نے اور تمہاری ماں نے خاندان بھر میں میرے متعلق پھیلا رکھی ہے۔''

وہ بھی دبے دبے لہجے میں غرّایا تھا۔ دونوں اپنی اپنی گاڑی کے درمیان میں کھڑے تھے۔

''کون سی بکواس؟'' دل آویز نے لاتعلقی کا اظہار کیا۔

''سب باتیں راہ چلتے نہیں ہوتیں، دل آویز بیگم!''

''تو ٹھیک ہے، پھر میرے راستے سے ہٹو۔ جو بات کرنی ہے، میرے گھر آ کر کرنا۔''

''بڑی خوشی ہوئی یہ جان کر کہ تم نے مجھے پہچان لیا اور رہ گیا سوال تمہارے گھر کا تو تمہارا گھر وہ ہے، جہاں میں رہتا ہوں۔ وہ نہیں، جہاں تم رہ رہی ہو۔''

وہ غصے سے بولا تو دل آویز کو بھی غصہ آ گیا۔

''یاد کرو تم نے ہی مجھے گھر سے نکالا تھا، یہ کہہ کر کہ میں ذہنی مریضہ ہوں۔ اب کیوں اس ذہنی مریضہ کی ضرورت پڑ گئی تمہیں، رچا لیتے دوسرا بیاہ۔ بہت زعم تھا تمہاری بہن کو کہ وہ تمہارا دوسرا بیاہ کرے گی۔'' وہ جیسے اپنی جان چھڑا رہی تھی۔

رمیض اس کی بات پہ ہنس پڑا۔

''دوسری شادی کرنا میرے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے...... ظاہر ہے، مجھے اپنا گھر بسانا ہے تو یہ کام تو کرنا ہی پڑے گا لیکن اس سے پہلے تم میرے بچے کی ماں بنو گی، تب ہی میں دوسرا بیاہ رچاؤں گا۔'' یہ کہہ کر رمیض نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسے اندر دھکیل دیا۔ پھر فرنٹ سیٹ سنبھال لی۔

''شور مچا کر لوگوں کو تماشا دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ عرصہ سے نکاح نامہ ساتھ لیے پھر رہا ہوں۔ میاں بیوی میں سو جھگڑے ہوتے ہیں، یوں میکے جا کر بیٹھ جانے والی لڑکیاں عزت دار نہیں ہوتیں۔ لوگ اکٹھے ہوں گے تو انہیں یہی بتانا پڑے گا کہ تمہاری ماں تمہیں بسانا نہیں چاہتی۔ اس لیے زبردستی سرِ راہ پکڑ کر لے جانا پڑ رہا ہے تمہیں۔''

دل آویز کے لیے یہ عمل، یہ حملہ غیر متوقع تھا، وہ شور کیا مچاتی۔ اس کی آواز حلق میں ہی پھنس گئی۔ پانی کی بوتل ہاتھ سے چھوٹی اور وہ ہوش سے بیگانہ ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی رش سے نکالنے کے بعد رمیض نے طارق کا فون ملایا تھا۔ وہ لوگ جیولر کا حساب کر کے ابھی دکان سے نکل ہی رہے تھے کہ رمیض کا نمبر دیکھ کر طارق گنگ رہ گیا۔

جب سے ابراہیم اور دلشاد بیگم نے اسے بُرا بھلا کہا تھا، تب سے اس نے رمیض سے تعلق ختم

کر لیا تھا، لیکن آج اس کی کال اس کے لیے حیرانی کا باعث تھی۔ اچانک رمیض کو اس کی یاد کیسے آ گئی؟

وہ دلشاد بیگم اور دل نشیں کو گاڑی کی طرف جانے کا اشارہ کر کے سائیڈ پہ ہو گیا اور فون اٹینڈ کیا۔

''ایسی بھی کیا مصروفیت طارق صاحب......!''

''کیسے فون کیا؟'' طارق کا لہجہ روکھا تھا۔

''صرف یہ بتانے کے لیے کہ میں اپنی بیوی دل آویز بیگم کو اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں۔''

طارق کو یکدم شاک لگا تھا۔ ادھر دل نشیں اور دلشاد بیگم دائیں بائیں متفکر اور ہراساں سی دل آویز کو دیکھ رہی تھیں، جو دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

''کیا تم دل آویز کو...... مائی گاڈ...... تم اس طرح اسے لے کر نہیں جا سکتے۔'' طارق کو اس کی حرکت پہ سخت غصہ آیا تھا۔

''کیوں نہیں لے کر جا سکتا؟'' وہ بھی کند ذہن اور اڑیل شخص تھا۔ طارق کو ہی اپنے رویے میں نرمی کرنا پڑی۔

''دیکھیں ہمارے جو بھی معاملات ہیں، وہ بات چیت سے حل ہوں گے۔ پھر ہی آپ دل آویز کو لے جا سکیں گے۔''

''پہلی بات تو یہ کہ میرا تم لوگوں سے کوئی معاملہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں اپنی بیوی کو لے کر جا رہا ہوں۔ اس کے لیے مجھے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف بتانا تھا کہ کہیں تم لوگ پریشان نہ ہو جاؤ۔''

یہ کہہ کر رمیض نے فون بند کر دیا۔ طارق کا دماغ چکرا گیا۔

''طارق بھائی، دل آپی!''

دل نشیں گھبرائی ہوئی طارق کی طرف بڑھی تھی۔ طارق نے دیکھا کہ دلشاد بیگم کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اس نے خود کو سنبھالا اور انہیں گاڑی کے قریب لایا۔ وہ پہلے ذہنی اذیت کا شکار تھا، اس پر مستزاد یہ واقعہ......

''آپ لوگ گھر چلیں، میں بتاتا ہوں۔''

''مگر دل آویز کہاں گئی ہے؟'' دلشاد بیگم فکر مند ہونے لگیں۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ

ماں کو کیسے مطمئن کرے۔ اسے جھوٹ بولنا پڑا۔

''دل آویز گھر چلی گئی ہے۔ گھر سے ابھی ابھی فون آیا تھا اس کا، اس کی طبیعت صحیح نہیں تھی۔ شاید ٹیکسی وغیرہ میں چلی گئی ہو۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں، چل رہے ہیں ناں گھر۔'' وہ راستہ بھر ماں کو مطمئن کرتا آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''تم نے یہ بات مجھے وہیں کیوں نہیں بتائی۔'' دلشاد بیگم غصے و اشتعال میں طارق کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''میں آپ کو وہاں بتا بھی دیتا تو آپ کیا کر لیتیں؟''

''منہ توڑ دیتی اس کا۔ اس کمینے کی مجال کیسے ہوئی یہ حرکت کرنے کی۔ وہ ہرگز میری بیٹی کے قابل نہیں ہے۔'' ماں کا اشتعال دیکھ کر اس نے بے چارگی سے گہرا سانس کھینچا۔ دل نشیں اطمینان سے صوفے پہ ایستادہ تھی۔

''اب اس ہنگامے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، جو ہونا تھا سو ہو چکا ہے۔ اب یہ سوچیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔'' دلشی کی بات سے طارق کو قدرے اطمینان ہوا، جبکہ دلشاد بیگم بھپر کر بیٹی کے قریب آ بیٹھیں۔

''تم ابھی ناسمجھ ہو دلشی! تمہیں ان معاملات کا نہیں پتا۔ خوامخواہ اس معاملے میں نہ ہی بولو تو بہتر ہوگا۔''

''فار گاڈ سیک ماما! دل آویز اپنے گھر جا چکی ہے، وہ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ۔ ہم یا آپ اب کچھ بھی نہیں کر سکتے۔''

''کیوں نہیں کر سکتے؟'' دلشاد بیگم کو بیٹی کی بات سخت بے تمیزی سی لگی۔ ''تم مجھے ابھی فون ملا کر دو، ابھی بات کرتی ہوں اس سے۔''

''اس نے فون بند کیا ہوا ہے۔ کئی بار آپ کے سامنے ملا چکا ہوں۔'' طارق نے بے بسی ظاہر کی تو دلشاد بیگم تڑپ اٹھیں۔

''یا اللہ! میری بچی نجانے کس حال میں ہوگی؟'' طارق کو ماں کا یہ واویلا عجیب لگ رہا تھا۔

دلشاد بیگم کھڑی ہوگئیں۔ ''مجھے اس کے گھر لے کر چلو، میں اسے ابھی لے کر آؤں گی۔''

طارق اچنبھے سے ماں کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت ابراہیم کی کرخت آواز اُبھری۔

''کوئی کہیں نہیں جائے گا، خوامخواہ اس معاملے کو تماشا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' دلشاد بیگم نے بے بسی سے شوہر کی طرف دیکھا۔ ''حالانکہ سب کچھ جانتے ہیں آپ۔'' دلشاد بیگم کا دبا دبا لہجہ کچھ جتا رہا تھا۔

''سب کچھ جانتا ہوں، تب ہی اس ہنگامہ آرائی سے روک رہا ہوں اور ہاں، اسے فون کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رمیض میں کتنی قوت برداشت ہے۔ ابھی تھوڑی دیر تک وہ خود ہی فون ملائے گا یا ہوسکتا ہے دل آویز کو خود ہی چھوڑنے آ جائے۔''

ابراہیم صاحب کا لہجہ خشک اور سپاٹ تھا۔ سب لوگ گنگ رہ گئے اور پھر اس کشمکش میں چار دن گزر گئے۔ رمیض نے فون ملایا اور نہ ہی اس نے دل آویز کو لا پھینکا۔ دلشاد بیگم دن رات پریشانی میں مبتلا تھیں۔

''وقار بھائی کا فون آیا تھا، وہ تاریخ رکھنا چاہ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ اس جمعہ کو ہم فنکشن نہیں کر سکتے۔'' دلشاد بیگم نے ابراہیم صاحب کو بتایا۔

''اس جمعہ کو ہم فنکشن کیوں نہیں کر سکتے؟'' انہوں نے تعجب سے دلشاد بیگم کی طرف دیکھا۔

''کمال کرتے ہیں آپ!'' دلشاد بیگم بھنا اٹھیں۔

''میری بیٹی گھر پر نہیں ہے اور میں تاریخ لینے چل پڑوں گی۔''

''یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا، ہمیں اس شادی میں رمیض کو بھی انوائٹ کرنا پڑے گا۔''

دلشاد بیگم اُچھل پڑیں۔ ''وہ یہاں آئے گا، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ طارق کی شادی میں، میں نے سب کو بتایا کہ دل آویز ان میرڈ ہے۔ لوگ اسے دیکھ کر کیا کیا نہ سوال کریں گے مجھ سے۔''

''اوہ! تو یہ پرابلم ہے تمہیں۔ آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ دل آویز کو ان میرڈ ظاہر کریں اور ایسا کرنے سے آپ کا مقصد کیا تھا؟''

دلشاد بیگم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئیں۔

ابراہیم صاحب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا:

''ابھی وقار کو فون ملائیں۔ میں ایک دن تو کیا ایک گھنٹہ بھی ولید کی شادی لیٹ نہیں کرنا چاہتا۔''

☆ ☆ ☆

آج مہندی کی رسم تھی۔ گھر برقی قمقموں کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ لان میں فنکشن کا اہتمام تھا، جو بہت خوبصورتی سے کیا گیا تھا۔ ہر ایک چیز مکمل تھی، کمی تھی تو صرف دل آویز کی۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ بادامی رنگ کی قیمتی ساڑھی میں دلشاد بیگم بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔ کئی بار دل آویز کو فون کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کا فون مسلسل آف ہی تھا۔ سب لوگ مہندی لے جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ دلشاد بیگم کی نگاہیں دروازے سے لگی تھیں کہ اچانک ان کی نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔ بلیو کلر کی شیفون ستاروں سے مزین ساڑھی میں سر کی مانگ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک آراستہ حورالعین مسکراتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ وہی ازلی اعتماد اور خوشی تھی، جو اس کی شخصیت کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔ وہ مہمان خواتین سے اس طرح مل رہی تھی جیسے وہی سب سے بڑی میزبان ہے۔

''بھئی، بڑی کمی محسوس ہو رہی تھی تمہاری۔ میں ابھی مسز ابراہیم سے پوچھنے ہی والی تھی کہ دلہن نظر نہیں آ رہی۔'' دلشاد بیگم کی کولیگز حورالعین میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلشاد بیگم کو سخت کڑھن ہونے لگی۔

دل نشیں کے سسرال والے بھی آ گئے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اس تقریب میں چھوٹی سی رسم وہ لوگ بھی کر لیں۔ اسی مقصد کے تحت وہ پھولوں کا زیور اور کانچ کی چوڑیاں لے کر آئے تھے۔ دلشاد بیگم فی الحال انہیں ٹالنا چاہتی تھی، لیکن انہوں نے دل نشیں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ دل نشیں کو ہم عمر کزنز ذومعنی جملوں سے چھیڑ رہی تھیں، جنہیں وہ ہنس ہنس کر انجوائے کر رہی تھی۔

طارق کی نگاہ حورالعین پہ پڑی تو اسے اپنے ہوش اُڑتے محسوس ہوئے۔ وہ پوری محفل پہ چھائی ہوئی تھی اور مہمانوں کو کولڈ ڈرنک پیش کر رہی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس کی ایک فون کال پہ اس فنکشن میں شریک ہو جائے گی اور وہ بھی اس سج دھج سے۔ اسے قدرے اطمینان ہوا تھا۔

''ابھی میری بیٹی آئی نہیں اور تم نے مہمانوں کی تواضع شروع کر دی۔'' دلشاد بیگم ملازم پہ

بھنائیں تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''چھوٹی بیگم صاحبہ نے کہا تھا۔'' وہ کہہ کر سائیڈ سے کھسک لیا۔ دلشاد بیگم کی نگاہیں حورالعین پہ جا ٹکیں جو خواتین سے تعریفیں وصول کرتے کرتے خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔

''کیا بات ہے دلشاد بیگم! بہت پریشان نظر آ رہی ہو، کب سے بچیاں بے چین ہو رہی ہیں کہ تم تھوڑا سا وقت دو تو ہم دل نشیں کو چوڑیاں پہنا دیں۔''

''نہیں آپا! اس رسم کے لیے آج کا دن مناسب نہیں ہے۔''

''ہم دل نشیں کی رسم اکیلے میں کریں گے۔''

''آپ لوگ بے شک کل ہی آ کر رسم کر لیجیے گا، مگر آج نہیں۔ ابھی تک تو میری دل آویز بھی نہیں آئی۔'' دلشاد بیگم نے ایک بار پھر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا مطلب کہاں گئی ہے دل آویز؟'' دلشاد بیگم کے چہرے پہ پریشانی دیکھ کر نسیم کو تشویش ہوئی تھی۔

رمیض اسے زبردستی شاپنگ سینٹر سے لے گیا تھا۔ پورے چھ دن ہو گئے ہیں اسے گئے ہوئے۔ رات طارق اور ولید خود گئے تھے اس کے گھر شادی کا سندیسہ دینے۔''

''تم نے اسے بلوایا کیوں نہیں، بھلا بہنیں بھائیوں کی شادیوں میں وقت کے وقت مہمانوں کی طرح آیا کرتی ہیں؟''

''یہی سوچ تھی ہماری بھی، مگر اس ذلیل انسان نے نجانے کیا سوچ رکھا ہے۔ تین سال سے تو اسے ہوش نہیں تھا اور اب اچانک اسے ہوش آ گیا۔ عین خوشی کے موقع پہ نحوست ڈال دی۔ طارق سے لمبے چوڑے حساب لے کر بیٹھ گیا۔ شکوے تو سنو، ہم نے جوائی راجہ کو طارق کی شادی پہ جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا۔'' دلشاد بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بھلا بیٹی تو دہلیز پہ بیٹھی تھی اور ہم جاتے اس کی ہتھ جوڑیاں کرنے۔'' نسیم کو بھی افسوس ہونے لگا۔

''کیا اس نے کہا تھا کہ دل آویز کو لے کر آ جائے گا؟''

''کہا تو اس نے یہی تھا لیکن جانے کا وقت ہو رہا ہے۔ وقار بھائی کے فون پہ فون آ رہے ہیں۔ کیا آدھی رات کو پہنچیں گے ہم وہاں؟''

تب ہی ابراہیم لان میں داخل ہوئے اور دلشاد بیگم کو اشارہ کیا کہ مہمان خواتین کو چلنے

کا کہیں۔

''دل آویز آ گئی ہے، وہ گاڑی میں بیٹھی ہے۔ وقت کافی ہو گیا ہے تم اس سے گاڑی میں ہی مل لینا۔'' دل آویز کے آنے کا سن کر دلشاد بیگم باہر کی طرف دوڑی تھیں۔

''نجانے میری بچی کس حال میں ہے جو گاڑی سے ہی نہیں اُتری۔ کہیں دوسری جگہ جا کر تماشا ہی نہ بن جائے۔'' مہمان خواتین کو اٹھنے کا کہے بنا وہ عجلت میں باہر نکلی تھیں۔

حورالعین نے یہ ساری صورتحال دیکھی تو خود ہی مہمانوں کو چلنے کا کہا۔ یک بیک کرسیاں خالی ہو گئیں، سب لوگ نکل گئے۔ وہ ملازموں کو کرسیاں سمیٹنے کی ہدایت کرتے ہوئے چادر سنبھالنے لگی۔

''ہمارے آنے تک یہ سب کچھ صاف کر دینا اور کمروں میں لاک تو لگے ہوئے ہیں۔ گھر کا دروازہ اندر سے بند کر کے سونا۔''

''آپ فکر نہ کریں بیگم صاحبہ! ولید صاحب بھی گھر پر ہیں، وہ ہمیں کہاں سونے دیں گے۔''

ولید کا نام سن کر حور کی رگ رگ میں بھونچال آ گیا۔

''کہاں ہے وہ؟'' حور کا لہجہ عجیب تھا۔

''شاید اپنے کمرے میں ہیں۔'' حور چادر اوڑھ کر اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔

اپنے کمرے کے دروازے پہ حور کو ایستادہ دیکھ کر ولید دنگ رہ گیا، پھر تیزی سے سنبھلا۔

''بھابھی آپ......!'' حور کے اندر نفرت کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

''جن رشتوں کی عزت نہیں کرنا جانتے، انہیں زبان سے دہراتے کیوں ہو؟'' وہ غصے سے پھنکاری تھی۔ ولید کا سر جھک گیا۔

''جو کچھ بھی ہوا، بہت بُرا ہوا۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔''

''صرف تمہارے شرمندہ ہو جانے سے میری زندگی کی تکلیفیں کم ہو جائیں گی؟'' وہ طیش میں آ کر چلائی تھی۔

ولید کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔

''تم جانتے ہو، تمہارے اس فیصلے نے مجھے پاتال میں لا پھینکا ہے۔'' وہ اس کے روبرو کھڑی تھی۔

''میں نے یہ فیصلہ آپ کی بھلائی کے لیے ہی کیا ہے۔'' اس کی آواز رندھ رہی تھی۔

حورالعین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ''میری بھلائی! میری بھلائی کرو گے تم، جو شخص اپنا بھلا نہیں سوچ سکتا، وہ کسی کا بھلا کیا سوچے گا؟''

''بھابھی! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''مت کہو مجھے بھابھی، اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔ یہ کہو کہ ہمارا مشترکہ وار کاری ثابت ہوا ہے۔''

''الزام ہے یہ مجھ پہ۔'' وہ چلایا تو حور کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''آواز کو نیچا رکھو، اتنا بڑا دھوکہ دیا تم نے مجھے۔'' اس نے ولید کو بے اختیار تھپڑ مار دیا۔

وہ سر جھکائے بنا پس و پیش خاموش کھڑا رہا۔

''میں تمہیں قیامت تک معاف نہیں کروں گی ولید، آخر کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا۔''

وہ روتے ہوئے اس کے کمرے سے نکلی تو سامنے ہی طارق سے ٹکراؤ ہو گیا۔ اس کی پیشانی پہ تفکر اور پریشانی کی لکیریں تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹھکی ضرور، مگر رکی نہیں۔ تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکلتی چلی گئی۔ جہاں واحد طارق کی گاڑی اس کی منتظر تھی۔ وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔

نجانے وہ ابھی اور کتنا روتی کہ طارق نے ٹشو پیپر اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اگر یہی ماتم کرنا تھا تو آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ اسٹیرنگ سنبھال کر بولا۔

وہ ٹشو سے آنکھیں اور ناک پونچھنے لگی، طارق نے شیشے کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

''اس طرح تھپڑ مارنے سے تمہارا مؤقف صحیح ثابت ہو جائے گا؟'' وہ دانت پہ دانت جمائے گاڑی چلا رہا تھا۔

حورالعین کے چہرہ صاف کرتے ہاتھ رک گئے، گویا اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس نے ولید کو تھپڑ مارا ہے۔ وہ کچھ نہیں بولی اور چپ چاپ اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔ ولید پہ ہاتھ اٹھانے پر اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی، بلکہ دل کو سکون ہی ہوا تھا۔

''آج تم نے جو حرکت کی ہے نا، نہایت ہی نازیبا تھی۔ اگر جواب میں وہ بھی تم پر ہاتھ اٹھا لیتا تو کیا عزت رہ جاتی تمہاری اور پھر میں کیا کھڑے ہو کر تماشا دیکھتا، کچھ بھی ہو سکتا تھا وہاں......'' وہ سخت غصے میں تھا۔

''کیوں کی تم نے یہ حرکت؟'' اب اس کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ وہ حور پہ غرّا رہا تھا۔

اس کی جواب طلبی پہ حور بھنا اٹھی۔

''ہاں، وہ مجھ پہ ہاتھ اٹھا سکتا تھا، اگر وہ سچا ہوتا...... وہ تو مجھ سے نظریں بھی نہیں ملا پایا اور آپ طارق! آپ تماشا ہی دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کسی کے لیے آواز اٹھائیں، آپ میں یہ حوصلہ ہی نہیں ہے اور آخری بات اب مجھے آپ کی فیور کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں خود اپنا معاملہ کلیئر کروں گی۔ آپ صرف یہ سوچیں کہ دل آویز کو اچانک رمیض کیوں لے گیا تھا اور اب وہ آئی ہے تو گاڑی سے اُتر کر اندر گھر میں کیوں نہیں آئی۔''

اپنے اس قدر حساس موڈ سے ہٹ کر اچانک حورالعین نے دل آویز کی بات شروع کر دی اور اسے کیسے پتا چلا کہ دل آویز کب گئی ہے اور کیسے آئی ہے۔ ایک لمحے کے لیے طارق کا دماغ چکرایا۔

☆ ☆ ☆

''آپ یقین نہیں کریں گی ماما! یہ سب طارق کی سازش ہے۔ میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ طارق نے ہی اسے ٹائم دیا تھا کہ فلاں وقت ہم لوگ وہاں پہنچیں گے اور وہ وہاں پہنچ گیا۔''

''تم خوامخواہ طارق سے بدگمان ہو رہی ہو دل! وہ بھلا ایسا کیوں کرنے لگا۔ شاپنگ کا پروگرام تو ہمارا اپنا تھا۔ اس کا تو ادھر دھیان بھی نہیں تھا۔ تم رو رو کر خود کو ہلکان مت کرو۔ دیکھو، اب تک تو سب لوگ وہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ تم خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرو۔''

''میں ابنارمل نہیں ہوں ماما!'' وہ تقریباً چلائی تھی۔ ''وہ بھی ہر وقت مجھے یہی کہتا ہے۔ کون سی بات ہے مجھ میں ابنارمل لوگوں والی، بتائیں مجھے۔'' وہ ماں سے اُلجھ پڑی تھی۔

دلشاد بیگم کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ''ابنارمل تم نہیں، وہ ہے۔ اس طرح زبردستی کرنے سے گھر نہیں بستے، مگر وہ جاہل گنوار یہ باتیں نہیں سمجھ سکتا۔''

''آخر میرے ساتھ ہی کیوں ماما! میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سب ہی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں ہنستی بستی ہیں، میں کیوں خوش نہیں ہوں ماما! کیوں

مجھے اس شخص کی موجودگی میں گھٹن ہوتی ہے؟ میرا سانس رکنے لگتا ہے ماما، میں مر جاؤں گی۔''

وہ سر پٹخ پٹخ کر بے بسی سے روتی رہی تھی۔ دلشاد بیگم کا دل کٹنے لگا۔

''تم فکر نہیں کرو۔ میں اب تمہیں بالکل وہاں نہیں بھیجوں گی۔'' دلشاد بیگم بیٹی کو جھوٹے دلاسے دے رہی تھیں، یہاں تک کہ وقار کا گھر آ گیا۔

☆ ☆ ☆

''جہیز بہت دیا ہے آپ کے سمدھیانے والوں نے، پورا دن نکل گیا مگر جہیز کے آنے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ میں تو سمجھا تھا، سب سے زیادہ اور عالی شان جہیز میرے گھر میں آیا تھا لیکن مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کے ہاں تو یہ عام رواج ہے۔ ویسے میں نے آپ کی بہو، حور کا جہیز نہیں دیکھا، وہ بھی کم و بیش ایسا ہی آیا ہوگا۔''

رمیض ڈرائنگ روم میں بیٹھا اپنی جلی کٹی اور طنزیہ باتوں سے اپنے سسر اور سالوں کا دل جلا رہا تھا۔ دلشاد بیگم نے کاٹ دار نگاہوں سے داماد کی طرف دیکھا، پھر اپنے شوہر اور بیٹوں کی طرف جو اس کی بکواس خاموشی سے سن رہے تھے۔

''جب تم آ ہی گئے تھے تو دل آویز کو بھی ساتھ لے آتے۔ اس روز بھی تم دل آویز کو اپنے ساتھ لائے اور ساتھ ہی لے کر چلے گئے۔''

ابراہیم صاحب نے نپے تلے انداز میں داماد سے شکوہ کیا تو وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔

''میں تو ادھر سے گزر رہا تھا، اس لیے آ گیا۔ دل آویز کا ارادہ ہوتا تو وہ ضرور یہاں آنے کا کہتی، مگر اس نے تو مجھ سے ایسی کوئی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔''

اس کے جھوٹ اور مکاری پہ دلشاد بیگم سے چپ نہ رہا گیا۔

''کبھی ایسا ہوا ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پہ بہنیں اس طرح الگ تھلگ بیٹھی رہیں اور دل آویز تو پھر اس گھر کی بڑی بیٹی ہے۔''

''یہ تو آپ کی بیٹی ہی بتا سکتی ہیں۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' اس کے مسلسل جھوٹ پہ دلشاد بیگم بُری طرح تپ گئیں۔

''کس طرح پوچھیں ہم اس سے۔ موبائل تک تو چھین لیا ہے تم نے اس سے۔''

''ہاں، میں نہیں چاہتا، میرے گھریلو معاملات میں کوئی بلاوجہ مداخلت کرے۔''

''ان ہتھکنڈوں سے تم دل آویز کا دل نہیں جیت سکتے۔'' وہ داماد کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر کہہ رہی تھیں۔

''یہ تو آپ کی بیٹی پر منحصر ہے۔'' رمیض لاپرواہی سے بولا تو ابراہیم نے پہلو بدلا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ موضوع مزید طول پکڑے، اس لیے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر بولے:

''طارق! ولید کے کمرے کی سیٹنگ ڈھنگ سے کرا دینا۔ سامان بہت زیادہ ہے کہیں ایک ہی جگہ بھرتی کر کے بیڈ روم کو اسٹور نہ بنا دینا۔'' طارق باپ کی بات پہ ہنس پڑا۔

''آپ فکر نہ کریں، ماما نے ولید کے لیے دو کمرے سیٹ کرائے ہیں اور اسٹور تو ہے ہی علیحدہ۔ ماموں نے اتنی چاہت سے جہیز دیا ہے تو کیا ہم ناقدری کریں گے؟'' طارق کی چبھتی نگاہیں بے ساختہ رمیض کی طرف اٹھی تھیں، جس نے ایک کمرے میں سارا سامان ٹھونس کر دل آویز کے جہیز کی ناقدری کی تھی۔ رمیض پہلو بدل کر رہ گیا، اچانک اس کی نگاہ حورالعین پر پڑی جو بھری ہوئی ٹرالی لے کر آ رہی تھی۔

''اور طارق کو کتنے کمرے دے رکھے ہیں آپ نے؟''

''یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے، جس طرح آپ اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے، اسی طرح میں اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔''

حور نے باری باری چائے سب کی طرف بڑھائی تو رمیض، حور کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا: ''طارق صاحب! شریکِ سفر سمجھدار ہو تو مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو بھابھی جیسی شریکِ سفر ملی۔'' اس کی تعریف پہ دلشاد بیگم کو شدید دھچکا لگا تھا۔

''آخر یہ مرد ایسا ہی کیوں سوچتے ہیں کہ خواتین کو زیادہ سمجھدار اور ذمہ دار ہونا چاہیے۔ کسی مشکل پہ وہ یہ فرض خود کیوں نہیں نباہ لیتے۔'' حور نے شائستگی سے مداخلت کی تو رمیض لاجواب سا ہو گیا۔ طارق کو بھی دل ہی دل میں شرمندگی ہوئی تھی۔

''اس کی وجہ میں بتاتی ہوں۔ بہت سے لوگ سطحی سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں قوتِ برداشت بھی کم ہوتی ہے۔ وہ تعاون ہی نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں صرف خوشیاں اور سکون لینا آتا ہے، دینا نہیں۔ اسی وجہ سے ہزاروں مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ایک ساتھی شخصی لحاظ سے کمزور ہے تو دوسرا اس کا اعتماد اور حوصلہ بنا سکتا ہے، مگر اتنی قربانی دینے کا حوصلہ کم از کم مردوں میں نہیں ہوتا۔ عورت میں ذرا سی کمی یا خامی ہو تو وہ اسے پاتال میں اُتار دیتے

ہیں، سہارا دینا تو در کنار۔''

وہ طارق کو جتا رہی تھی یا رمیض کو؟ ابراہیم نے تلے انداز میں بولتی حورالعین کو بغور دیکھا تھا۔ دلشاد بیگم کو بُرا لگ رہا تھا۔ وہ کیوں خوامخواہ ان کے نجی معاملات میں دخل دے رہی تھی۔

''طارق! سارا وقت یہیں بیٹھ کر گزار دو گے۔ ولید کا فرنیچر کب سیٹ کراؤ گے اور پھر بارات کے لیے کوئنیس کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ یہ سارے کام ایک ہی دن میں ہوں گے؟''

''آنٹی جی نے موضوع ہی بدل دیا، ورنہ بات چیت کرنے میں تو اب مزہ آیا تھا۔ خیر چلتا ہوں، آپ لوگوں نے اپنے کام سمیٹنے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔''

وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا تو دلشاد بیگم نے ایک کڑوا سا ہنکارا بھرا۔

''احساسِ کمتری کا مارا ہوا شخص۔ اپنے عیب چھپانے کے چکر میں ہمارے گھر کی ٹوہ لینے آ رہا ہے اور کان کھول کر سن لو طارق! آئندہ اس جانور کو اتنی عزت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک یہ دل آویز سے رویہ درست نہیں کرے گا، یہ میرے گھر میں آ کر اس طرح نہیں بیٹھے گا۔'' انہوں نے چبھتی نگاہ حور پہ بھی ڈالی تھی۔ ان تنبیہی نگاہوں کو طارق نے بخوبی سمجھ لیا تھا جبکہ حور مزے سے بیٹھی چائے کی چسکیاں بھر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''شادی میں صرف چند دن ہی باقی ہیں۔ تم نے اپنی جو تیاری کرنی ہے، ابھی کر لو یا پھر مجھے بتا دو کہ تمہیں کیا کچھ چاہیے، میں لا دوں گا۔'' طارق نے بستر میں لیٹے لیٹے نگاہِ غلط حور پہ ڈال کر پوچھا تھا جو اپنی وارڈ روب میں اسی معاملے کو سلجھانے کے لیے اُلجھ رہی تھی۔

''میں پہلے بھی بتا چکی ہوں، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میرے پاس ہر چیز ان چھ پڑی ہے اور شادی کے بعد میں نے پہنا ہی کیا ہے۔ اب سب کچھ شادی میں استعمال ہو جائے گا۔''

وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال نکال کر ایک جانب رکھ رہی تھی۔

''شادی اور ولیمہ کے روز تم ان میں سے کچھ نہیں پہنو گی، انڈرسٹینڈ۔ میرے ساتھ بازار چلنا، شاپنگ کرنی ہے۔'' اس مہربانی پہ حورالعین نے حیرت سے طارق کی طرف دیکھا جو دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

''اس مہربانی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' طارق نے جواب نہیں دیا اور ٹی وی کی طرف ہی متوجہ رہا۔

"تم اس گھر کی بڑی بہو ہو، ہر لحاظ سے تمہیں شان دار نظر آنا چاہیے اور بس۔"

طارق کی رکھائی اور گریز پہ حور کلس کر رہ گئی اور جلے ہوئے لہجے میں بولی:

"تو گویا تم نہیں چاہتے کہ میں تمہاری سابقہ منگیتر سے کم تر نظر آؤں۔"

"اوہ، شٹ اپ......!" طارق نے غصے سے ریموٹ پھینک مارا۔ "وہ کبھی بھی میری منگیتر نہیں تھی، انڈر اسٹینڈ۔ صرف ماما چاہتی تھیں اور ان کی چاہت پوری نہیں ہو سکی۔ آج کے بعد تم مجھ سے ایسی بات نہیں کرو گی، کیونکہ وہ میرے بھائی کی عزت بن کر آ رہی ہے جو میرے لیے قابلِ احترام ہو گی۔" اس کے غصہ اور اشتعال کو حور نے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔

"وہ تمہارے لیے قابلِ احترام ہے تو کیا میں ولید کے لیے قابلِ احترام نہیں تھی۔" حور کی آنکھیں نمی سے چمکنے لگی تھیں، لیکن اس نے کچھ نہیں کہا اور چپ چاپ اپنے کام میں مگن ہو گئی۔ طارق بھی غصے میں بستر میں پڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

"کم آن دلشی! اب تو کم از کم یونیورسٹی کو خیر باد کہہ دو۔ عین فنکشن کے روز بھی تم پڑھنے جا رہی ہو، پتا ہے کتنے کام ہیں کرنے کو۔ دل آویز ہوتی تو کچھ نہ کچھ ہاتھ تو بٹا رہتا۔ نہ مجھے پارلر جانے کا وقت مل رہا ہے اور نہ ہی ٹیلر کے پاس سے میرے کپڑے آئے ہیں اور تم ہو کہ اس ساری افراتفری سے بے نیاز پڑھائی میں جتی ہو۔ اس سے پہلے تو تم اتنی پڑھاکو نہیں تھی۔"

ماں کے شکوے پہ دل نشیں کو ہنسی آ گئی۔ وہ ماں کو کیا بتاتی کہ زندگی کے حسین دن تو وہ اب گزار رہی ہے۔ پڑھائی وغیرہ تو صرف ایک بہانہ ہے، وہ تو یونیورسٹی انجوائے کرنے جاتی ہے۔

"آپ تو ماما خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی ہیں۔ فنکشن تو لیٹ نائٹ ہی ہو گا اور میں تو ابھی دو پریڈ لے کر دو گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔ آتے ہوئے ٹیلر سے آپ کے کپڑے بھی لیتی آؤں گی۔ آپ کیوں اس ہلدی اور تیل سے اپنی انگلیاں خراب کر رہی ہیں۔ آپ اطمینان سے پارلر جائیں۔ یہ کام تو یہاں ملازمہ کر دے گی اور کوئی نہیں تو حور تو ہے ناں۔" دل نشیں نے چہکتے ہوئے کہا۔ "ایسے کام تو وہ منٹوں میں نمٹا لیتی ہے۔ آپ بے کار کی ٹینشن لے رہی ہیں۔" وہ کہہ کر عجلت میں باہر نکل گئی۔

دلشاد بیگم نے شکوہ کناں نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔ اس میں تو کچھ شک نہیں تھا کہ حور ہی ان کے کام آ رہی تھی۔ دل نشیں کو یونیورسٹی سے فرصت نہیں تھی اور دل آویز اپنے گھر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ بیٹی کا خیال آتے ہی ان کا دل پھر سے بجھ گیا۔ اس روز گاڑی میں دل آویز نے کوئی بات ماں سے نہیں چھپائی تھی۔ دلشاد بیگم کو خود حیرت ہو رہی تھی کہ یہ بات کس نے پھیلائی کہ رمیض نارمل نہیں ہے۔ یہ پروپیگنڈہ تو اس نے اپنی بیٹی کی جان چھڑانے کے لیے سوچا تھا۔ اُلٹا پھندہ گلے میں پڑ جائے گا، نہ دلشاد بیگم کو توقع تھی اور نہ دل آویز کو۔

دل آویز نے ماں کو بتایا تھا کہ اس نے اپنی بہن کلثوم کو اسی گھر میں علیحدہ پورشن بنا کر دے دیا ہے، جس کی وجہ سے اب رمیض کے سارے کام کاج اسے خود کرنے پڑ رہے ہیں۔ پہلے کلثوم اور بچوں کے لحاظ کی وجہ سے وہ اس کے گریز پہ خاموشی اختیار کر لیتا تھا یا گھر سے باہر چلا جاتا تھا۔ اب اکیلے پن کی وجہ سے وہ کسی بات کا لحاظ نہیں کرتا۔ کلثوم اور اس کے بچوں کا بیرونی راستہ بھی دوسری طرف ہو گیا ہے۔ جب سے وہ گئی ہے، کلثوم اس سے ملنے نہیں آئی۔ البتہ بچے کبھی کبھار کھانے پینے کی چیز لے آتے ہیں جوان کی ماں اپنے بھائی کے لیے بھیجتی ہے۔ رمیض کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی کبھی بچوں کے لیے کچھ بنا کر بھیجے کیونکہ اسے اپنے بھانجا، بھانجی سے بہت پیار ہے، جبکہ بچوں کے حلیے دیکھ کر ہی اسے ان سے کراہت آتی ہے۔ وہ رمیض کے ساتھ بالکل نہیں رہ سکتی۔

یہ بات دل آویز نے کئی بار دہرائی تھی، جبکہ دلشاد بیگم کو پہلے ہی پتا تھا کہ رمیض جیسا شخص اس کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ سکتا اور یہ بات دلشاد بیگم نے دل آویز کے جانے کے بعد ابراہیم صاحب کو بتائی تھی تو ابراہیم کا حیرت انگیز رویہ سامنے آیا تھا۔ انہوں نے بڑے اطمینان و سکون سے کہا تھا:

"دلشاد بیگم! اب دل آویز کی پرواہ کرنا چھوڑ دیجیے کیونکہ جس وقت اسے آپ کی ضرورت تھی، آپ نے اس پہ توجہ نہیں دی۔ اب جبکہ جسمانی اور ذہنی صحت کے لحاظ سے وہ کافی بہتر ہے تو آپ اسے اپنے پیروں پہ کھڑا ہی نہیں ہونے دے رہیں۔"

"آپ کی سوچ کی اچانک تبدیلی مجھے حیران ہی نہیں، پریشان بھی کر رہی ہے۔ چند ماہ ڈاکٹر عبداللہ کا علاج کرا کر آپ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کی بیٹی تندرست ہو گئی ہے۔ جب تک کوئی نئی مصیبت آپ کے سر پر نہیں آئے گی، تب تک آپ اس معاملے کی گہرائی کو نہیں

سمجھیں گے۔''

''میں نے معاملے کی گہرائی کو سمجھا تھا تو بیٹی کو سائیکاٹرسٹ کے پاس لے گیا تھا اور تب بھی آپ نے واویلا مچایا تھا، لیکن بعد میں آپ نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ واقعی ہماری بیٹی بیمار تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ پہلے کی نسبت بہت بہتر ہے۔ آپ کس لیے فکر مند ہو رہی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ رمیض نے اپنی ذمہ داری کو سمجھا اور دل آویز کے ساتھ ہی گھر بسانے کو ترجیح دی۔ ٹھیک ہے، اس کا دل آویز کو لے جانے کا طریقہ غلط تھا لیکن ہم اس غلط اور صحیح کے چکر میں پھنسیں گے تو یہ معاملات خراب ہی ہوں گے اور آپ سے بھی گزارش ہے کہ بیٹی کے معاملات میں زیادہ مداخلت نہ کریں۔ آپ کی مداخلت کی وجہ سے وہ کبھی بھی رمیض اور اس کے ماحول کو قبول نہیں کر پائے گی۔''

دلشاد بیگم دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر خاموش تو ہو گئیں مگر اپنے دل کو باز نہ رکھ سکیں۔

''کل ولید کی بارات ہے، کیا دل آویز مہمانوں کی طرح بھائی کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے آئے گی، ابٹن کی رسم میں وہ سرے سے آئی ہی نہیں۔ میں بول بول کر تھک گئی مگر آپ کے کان پہ جوں تک نہیں رینگی۔ کیا وہ اس طرح الگ تھلگ خوشی سے بیٹھی ہو گی، نجانے کمبخت اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا حال ہی پوچھ آئے۔'' یہ کہہ کر دلشاد بیگم رونے لگیں تو ابراہیم صاحب کو بھی تشویش نے آن گھیرا۔

طارق جواب تک چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا: ''اگر آپ کہیں تو میں چلا جاتا ہوں اس کے گھر لیکن مجھ سے تو بدگمان ہی بہت ہے میری بہن، جب سے گئی ہے، اس کی زبان پہ یہی بات ہے کہ میری وجہ سے ہوا ہے یہ سب کچھ۔'' طارق نے شکوہ کیا تو دلشاد بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''چاہوں تو میں خود بھی جا سکتی ہوں، مگر اس ذلیل شخص نے مجھے بے عزت کیا تھا اپنے گھر پر اور اب بھی مجھے اس سے کوئی اچھی توقع نہیں ہے۔ کل پھر وہ اسے مہمانوں کی طرح لائے گا اور اپنے ساتھ لے جائے گا۔ ہائے میری بچی کس مصیبت میں پھنس گئی۔'' دلشاد بیگم نے پھر رونا شروع کر دیا۔

''معیز چھوٹا ہے اور ولید جذباتی ہے۔ آخر کس کو دل آویز کے گھر بھیجوں، کم از کم کوئی یہ تو خبر لے آئے کہ میری بچی ہے کیسی؟'' پھر یکدم انہیں حور کا خیال آیا۔ کیوں نہ حور کو ہی

دل آویز کے گھر بھیجیں۔ رمیض بے عزتی کرے گا تو حور کی ہی ہو گی ناں۔

''مگر حور کیوں جائے گی، کیا اس سے ہم نے ایسا تعلق رکھا ہوا ہے؟ وہ صاف انکار کر دے گی اور اگر چلی بھی گئی تو کہیں کچھ گڑبڑ ہی نہ کر دے۔ طارق کے ہوتے ہوئے وہ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتی۔ مجھے کیا ضرورت ہے اس کے منہ لگنے کی، طارق سے کہتی ہوں جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔'' دلشاد بیگم کو یہ سوچ کر قدرے اطمینان ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

آپ اندر نہیں آ رہے؟'' حور نے گاڑی سے اُترتے ہوئے مڑ کر طارق کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں چُرا لیں اور مصروف انداز میں بولا:

''مجھے کچھ ضروری کام ہیں، اتنے میں وہ نمٹا لیتا ہوں۔ تم اطمینان سے دل آویز سے مل لینا۔'' پھر اس نے گاڑی سے نکل کر پھلوں کے تھیلے حورالعین کو پکڑائے۔

''یہ رمیض کی بہن کو دے دینا اور ہاں، زیادہ بے کار کی باتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور رمیض کے منہ بھی نہیں لگنا۔ وہ بدتمیز اور منہ پھٹ شخص ہے۔ اس روز بھی تم خوامخواہ ہی اس سے بحث لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ اس میں اتنا سینس ہوتا تو وہ اپنے گھر کو جہنم ہی کیوں بناتا؟''

وہ قدرے پریشان اور جھنجھلایا ہوا تھا۔ حور نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

''مائنڈ اٹ مسٹر طارق! یہ باتیں آپ مجھے سارے راستے سمجھاتے آئے ہیں۔ اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں تھا تو مجھے لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟'' اس نے لب بھینچ لیے اور غصے میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا: ''میرا خیال تھا کہ تم جانے سے انکار کر دو گی اور میں ماما سے صاف کہہ دوں گا لیکن تمہیں تو جیسے......'' اس کی بے بسی پر حور کے چہرے پر معنی خیز تبسم بکھر گیا، اس نے لطف لیتے ہوئے کہا:

''مجھے تو رمیض میں کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ اگر وہ دل آویز کی خامیاں گنوائے گا تو میں ضرور سنوں گی۔ آخر اچھے یا بُرے کا فرق بھی تو محسوس کرنا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ اندر بڑھتی چلی گئی۔ طارق تلملا کر رہ گیا۔ اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ یہ غلط ہو رہا ہے، لیکن ہمیشہ کی طرح ماں کے حکم کو وہ ٹال نہیں سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر کا دروازہ چونکہ کھلا ہوا تھا، اس لیے متلاشی نظروں سے دیکھتی، وہ اندر بڑھتی چلی گئی۔

گھر میں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے تو سنا تھا، بے ہنگم بچے ہر وقت یہاں اودھم مچائے رکھتے ہیں مگر یہاں تو چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا اور باہر روشنی آ رہی تھی۔ وہ اس دروازے کے سامنے رک گئی۔ ہمت ہی نہ ہوئی کہ سیدھی اندر گھس جائے۔ دل آویز اندر صوفے پہ نیم دراز تھی۔ اچانک آہٹ اور سایہ محسوس کر کے چونک گئی۔

''کون ہے؟'' اس کی کرخت آواز اُبھری تو حور کو حوصلہ ہوا اور دروازے پہ دستک دیتے ہوئے وہ اس کے کمرے میں داخل ہو گئی تو حور کو دیکھ کر دل آویز گنگ رہ گئی۔

''تم یہاں؟'' بہت دیر کے بعد اس نے خشک ہونٹوں اور اجنبی آنکھوں سے کہا تو حور خفت سے مسکرا دی۔ اپنائیت سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی:

''کیسی ہو دل......؟''

دل آویز نے خشک سے انداز میں اسے بیٹھنے کو کہا۔

''مجھے ماما نے تمہاری خبر گیری کے لیے بھیجا ہے۔'' حور اطمینان اور اعتماد سے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ پھلوں کے تھیلے اس نے میز پر رکھ دیے۔

''ماما کو میرا بڑی جلدی خیال آ گیا۔''

''تمہارا شکوہ جائز تو ہے، مگر برمحل نہیں ہے۔''

حور اطمینان سے اس کے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی تو دل آویز ٹھٹھک گئی۔

تمہیں کیسے بھیج دیا ماما نے......؟'' دل آویز نے چبھتی نگاہیں اس کے چہرے پہ ڈالیں، جس کی شگفتگی پہلے دن سے اس کے لیے جلن کا سبب تھی۔

''ہاں، یہ بات عجیب ہے، مجھے خود بھی سمجھ نہیں آئی۔''

وہ اس کے کمرے کی ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کمرے میں کسی عورت کا وجود ہے۔ ہر چیز دھول مٹی سے اَٹی پڑی تھی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ اس کے جہیز کی کئی چیزیں ابھی تک ڈبوں میں بند اِدھر اُدھر پڑی تھیں، جس کی وجہ سے بیڈروم، اسٹور کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ رمیض کے میلے کپڑے کھونٹی سے فرش تک لٹک رہے تھے۔ کہیں گندا تولیہ پڑا تھا اور کہیں جرابیں اور جوتے۔ خود دل آویز کے کپڑے بھی جگہ جگہ بکھرے نظر آ رہے تھے۔ پردے بے ترتیبی سے لٹک رہے تھے۔ حور کو چند ہی لمحوں میں اندازہ

ہو گیا کہ یہاں کام کرنے والی نہیں آتی ہو گی۔ جب ہی سب کچھ بکھرا پڑا ہے، تو کیا دل آویز ذرا سی ڈسٹنگ بھی نہیں کر سکتی۔ بہت صفائی کا خبط تھا اسے تو۔ کس طرح رہ رہی ہے اس حال میں، خود اس کا اپنا حلیہ بھی بس ٹھیک ہی تھا۔ دل آویز خود اپنے اس حلیے پہ دل ہی دل میں شرمندہ تھی۔ اس کے بیڈروم کا نقشہ دیکھ کر حور اپنے شاندار بیڈروم پہ فخر کر رہی ہو گی۔

ہونہہ! مگر یہ تو قسمت کی بات ہے۔ راجہ کے گھر باندی اور فقیر کے گھر رانی۔

''ماما تمہیں نہیں بھیج سکتیں، ضرور تمہیں طارق ہی لے کر آیا ہو گا۔ خوب دونوں میاں بیوی نے دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھے ہوئے ہیں۔ طارق کیا سمجھ رہا تھا، میں روتی پیٹتی واپس آ جاؤں گی۔ اس سے کہنا جس شخص کے ساتھ میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوں، میرے والدین کی اولاد میں سے ایسے شخص کے ساتھ کوئی ایک دن بھی نہیں گزار سکتا۔'' یہ کہہ کر دل آویز رو پڑی۔

حور اپنی جگہ بیٹھی رہی، فی الحال اس کا دل آویز سے ہمدردی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''دیکھ لیا تم نے تماشا میرے گھر کا، یہ پیلی دیواریں اور جا بجا اکھڑا پلستر، یہ تکون کمرہ اس لاکھوں کے فرنیچر کے لائق ہے؟ کس قدر ناقدری سے اس نے میرے سامان کو پھینک رکھا ہے۔'' اس کے خیالات پہ حور کو افسوس ہوا۔

''خوش قسمت ہو تم حور! جو تمہیں طارق جیسا ویل مینرڈ شوہر اور میرے پیرنٹس کا گھر ملا، جہاں تمہارا معمولی سا سامان بھی بیش بہا قیمتی لگتا ہے اور پھر ملازموں کی لمبی قطار۔ یہاں کیا ہے، وہ کیا سمجھتا ہے اس کے بدبودار کپڑے میں سمیٹوں گی، اس کے جوتے صاف کروں گی، اس کے گھر میں پونچھا ماروں گی۔ مائی فٹ۔ میں ان معمولی کاموں کے لیے پیدا نہیں ہوئی تھی۔'' حور خاموشی سے سنتی رہی پھر یکدم دل آویز رو پڑی۔

''تمہیں پتا ہے حور! اچانک اس میں باپ بننے کی خواہش جاگ گئی ہے۔ وہ انتقام لے رہا ہے مجھ سے۔ وہ میری تکلیف کو نہیں سمجھتا۔ وہ کہتا ہے، میں مغرور ہوں، جان بوجھ کر اس سے دُور بھاگتی ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے، میں خود تھک چکی ہوں۔ اب اپنی زندگی میں آسانی چاہتی ہوں۔''

حور کو پہلی بار اس کی بے بسی پہ ترس آیا۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔ (شاید وہ ایسا نہ کرتا اگر تم اس کی مردانگی کو چیلنج نہ کرتیں۔)

''میں تمہیں لینے کے لیے آئی ہوں دل......! کل ولید کی بارات ہے اور تمہیں بارات

میں گھر سے شامل ہونا ہے۔ یہ ہم سب کی خواہش ہے۔'' حور نے نرم اور دھیمے لہجے میں کہا تو دل آویز نے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

دل آویز کو حیرانی تھی کہ اس نے اس کی کسی بات میں دلچسپی نہیں لی تھی۔

''یہ اختیار میرے پاس ہوتا تو میں یہاں بیٹھی ہوتی؟'' وہ قدرے چڑچڑے سے انداز میں بولی تو حور ہلکا سا مسکرا دی۔

''میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتی تھی، تم بھی اندر سے وہی بھیگی بلی نکلیں۔ خیر میں آئی ہوں تو تمہیں لے کر ہی جاؤں گی۔ کہاں ہوتی ہے تمہاری نند......؟''

''اس کا پورشن دوسرا ہے۔ وہ یہاں آتی ہے، نہ میں اس کی طرف جاتی ہوں۔ میں یہاں اکیلی ہوتی ہوں، جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔'' وہ تیور چڑھا کر بولی۔

''یہ تو خوشی کی بات ہے دل!'' حور نرمی سے بولی۔

''مگر میں کیوں جاؤں بار بار تماشا بننے کے لیے۔'' وہ چڑچڑے سے انداز میں بولی تو حور بالکل نہیں سمجھی۔

''جس طریقے سے وہ مجھے لے کر آیا اور میرے ماں باپ اور بھائیوں نے اس پر خاموشی اختیار کی، اس سے اس کی ہمت اور بڑھ گئی۔ زندگی حرام کر دی ہے اس نے میری۔ اتنی غیر اہم تو نہیں تھی میں، ماما اور بابا کے لیے کہ وہ ولید کی شادی کی خوشی میں مجھے فراموش ہی کر بیٹھے۔''

''کہاں فراموش کیا ہے انہوں نے تمہیں...... رمیض سے بات ہوئی تھی تو اس نے کہہ دیا تھا کہ تم خود آنا نہیں چاہتیں۔''

''اور انہوں نے یقین کر لیا۔ ہاں، ایک بات کان کھول کر سن لو حور! میں ایک دفعہ یہاں سے چلی گئی تو زندگی بھر لوٹ کر نہیں آؤں گی اور اس خوش فہمی میں کبھی نہ رہنا کہ باپ کی دہلیز پر بیٹھوں گی، پھر میرا کوئی تیسرا ہی ٹھکانا ہو گا۔''

''سن لیے اس کے خیالات آپ نے؟'' رمیض کی غیر متوقع آمد نے دونوں کو چکرا دیا۔

''اس کے ایسے نادر خیالات جانتے ہوئے بھی میں اسے تنہا گھر میں چھوڑ کر جاتا ہوں، دروازے پر تالا لگا کر نہیں جاتا۔''

''وہ ایسے ہی کہہ رہی ہے، کر تو نہیں دیا اس نے۔ کرنا چاہتی تو اب تک کر چکی ہوتی،

تب تم کیا کر لیتے؟''

''کیا مطلب؟'' اب کی بار رمیض چکرایا تھا۔

''سیدھے اور واضح لفظوں کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔'' حور کا لہجہ پُر اعتماد اور چبھتا ہوا تھا۔

''دن بھر گھر میں اکیلے بیٹھے بیٹھے وہ کیا کرے؟''

''اس اکیلے پن کو اس نے خود پسند کیا تھا اور اپنے گھر میں دل لگانے کے لیے سینکڑوں کام ہوتے ہیں۔ یہ دیکھیں اس گھر کا حلیہ، تین کمروں کا یہ چھوٹا سا گھر یہ عورت صاف نہیں رکھ سکتی۔ حتیٰ کہ اپنا بیڈ روم بھی اس نے کس قدر گندا رکھا ہوا ہے، میری کیا خدمت کرے گی؟ کچن میں جا کر دیکھیں، کیسا اُجاڑ پڑا ہے۔ دونوں وقت کا کھانا میں بازار سے لے کر آتا ہوں یا میری بہن پکا کر بھیجتی ہے۔ کون سی ذمہ داری ہے میری جو اس نے اٹھا رکھی ہے۔ کیا ایسی ہوتی ہیں بیویاں، کوئی ایک کام سلیقے سے نہیں کر سکتی ہے۔ بیوی کے آنے کے بعد گھر کی رونق بڑھ جاتی ہے، جبکہ اس کے آنے سے میرے گھر کی بدرونقی میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔''

''تو پھر کیوں لے کر آئے تھے مجھے؟'' دل آویز دوبدو چلائی تھی۔

''اگر میں تمہارے منہ لگوں نا تو دن رات تماشے ہوں لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں، تمہاری ماں نے تمہیں سوائے زبان چلانے کے اور کچھ نہیں سکھایا۔ ہاتھ پاؤں تو تمہارے جیسے گروی رکھے ہوئے ہیں۔''

یہ کہہ کر رمیض صوفے پہ بیٹھ گیا۔ دل آویز تنتناتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''لے جائیں آپ اسے، طارق کا فون آیا تھا مجھے اور میں نے تب بھی انکار نہیں کیا تھا، مگر جب وہ خود ہی جانا نہیں چاہتی تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' رمیض غصہ ضبط کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہ ہی وہ میرا گھر بسائے گی اور نہ ہی آپ لوگوں سے تعلق رکھے گی۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا تو حور نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی تھی، مگر آپ نے سمجھنا ہی نہیں چاہا۔''

''میں نے۔'' رمیض کو اچنبھا ہوا۔

''ہاں! آپ نے۔'' حور کا لہجہ تلخ تھا۔

''رشتے داری کرتے ہوئے آپ نے اُونچی فصیلیں تو دیکھیں، مگر اپنے قد کو فراموش کر دیا اور آج آپ کو صرف اپنا قد نظر آ رہا ہے۔ وہ اُونچی فصیلیں بھول گئے ہیں جہاں سے دل آویز کو بیاہ کر لائے تھے۔''

رمیض، حور کی بات کا مطلب پوری گہرائی سے سمجھ گیا تھا، تنک کر بولا:

''ہر لڑکی اپنے گھر میں عیش و آرام کی زندگی گزارتی ہے، لیکن شوہر کے گھر میں آ کر اسے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

''یہی سوچ ہمیں چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے محروم رکھتی ہے۔'' حور نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایک دوسرے کا خیال رکھنے سے محبت بڑھتی ہے۔ اگر آپ ایک معمولی ملازمہ کا انتظام کر دیتے جو آپ کے لیے مشکل بھی نہیں تھا، تو دل آویز کے دل میں آپ کے لیے جگہ بنتی کہ اس کے شوہر کو اس کا خیال ہے، لیکن آپ اپنی سوچ سے کیونکر ہٹ سکتے تھے۔''

''فقط دو ہی تو جی ہیں گھر میں۔'' وہ کمزور آواز میں بولا۔

''کیا دو جی ایک دوسرے کے لیے قربانیاں نہیں دے سکتے...... رمیض بھائی! سب سے پہلی چیز ایک دوسرے کے دل میں جگہ بنانا ہے۔ گھر بسانا اور نسل بڑھانا، یہ بعد کی باتیں ہیں۔ جب آپ اس کے دل میں جگہ ہی نہیں بنا سکے......''

''بات صرف ایک ملازمہ کی ہی نہیں ہے۔'' رمیض دل ہی دل میں سوچ کر رہ گیا۔

''آپ مجھ سے ناحق بحث کر رہی ہیں۔ جتنی قربانی میں اس کے لیے دے رہا ہوں، شاید ہی کوئی مرد دے سکتا ہو۔''

''کیا قربانی دے رہے ہیں آپ......؟ ماں باپ، بہن بھائی، عیش و عشرت سب چھوڑ کر آئی ہے آپ کے پاس، نہ کہ آپ اس کے پاس گئے ہیں۔'' اس کی نرالی منطق پہ رمیض حیران رہ گیا۔

''یقیناً آپ کو میری باتیں عجیب لگ رہی ہوں گی، لیکن میں آپ سے اتنا کہوں گی، بہت سے لوگ عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر انہیں سمجھ لیا جائے تو ان کے اندر ایک بہت پیارا انسان چھپا ہوتا ہے۔ زندگی کا سکون ذہنی ملاپ میں ہے اور وہ ذہنی ملاپ تب ہی ممکن ہے، جب آپ دل آویز اور اس کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اسے محبت اور توجہ

دیں، اپنا رویہ تبدیل کریں، اس میں خود بخود تبدیلی آ جائے گی۔ وہ بُری نہیں ہے، آپ خود جان لیں گے۔''

دل آویز دروازے کے باہر کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ حور اس کے متعلق ایسی سوچ رکھتی ہے۔

''میں آپ کی رضامندی سے دل آویز کو لے کر جا رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کچھ دن آپ اسے شادی انجوائے کرنے کا موقع فراہم کریں گے۔'' تب ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''دل! سامان لے لو، ہم چل رہے ہیں۔'' دل آویز نے رمیض کی طرف دیکھا وہ چپ چاپ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ اب کسی بھی قسم کی ناراضگی نہیں تھی۔

دل آویز کو پہلی بار حور سے اپنائیت کا احساس ہوا۔ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے وہ اس سے کہنے لگی: ''میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم میرے شوہر کے منہ سے میری بُرائیاں سن کر بہت خوش ہو گی اور کچھ بعید نہیں کہ مجھے ہی نصیحتیں کرنے بیٹھ جاؤ گی لیکن تمہارے رویے نے تو مجھے حیران کر دیا اور اس سے زیادہ حیرانی تب ہوئی، جب رمیض تمہاری کڑوی کسیلی سن کر چپ رہا۔'' حور خاموش بیٹھی رہی۔ کچھ نہیں بولی تو وہ کہنے لگی:

''مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ ابھی کچھ دیر قبل تم جس شخص کو لیکچر سنا کر آ رہی ہو، وہ واقعی رمیض تھا جو ذرا سی بات پہ بھڑک اٹھتا ہے۔'' دل آویز نے کندھے اُچکائے۔

''ویسے صحیح صحیح بتاؤ حور! اس سے تمہارا کوئی تعلق تو نہیں؟''

''وٹ ڈو یو مین؟'' حور نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور کنپٹیاں سلگ گئی تھیں۔

''حور اتنی گئی گزری نہیں ہے کہ ایسوں سے تعلق رکھے گی۔'' اس نے چبا کر کہا اور اپنا اشتعال کم کرنے کے لیے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔

دل آویز کو اس کے غصے پہ حیرانی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی دانست میں کوئی بڑی بات نہیں کہی تھی، وہ بھی دوسری جانب سے باہر دیکھنے لگی تھی۔



بارات تیار تھی، سب مہمان اکٹھے ہو گئے تھے۔ دل آویز اور دل نشیں کی سج دھج پوری

محفل پہ چھائی ہوئی تھی۔ دلشاد بیگم بھی خوشی سے دمکتی، یہاں وہاں پھر رہی تھی۔ سہرا بندی کا وقت قریب آ گیا تھا۔ دل آویز اور دل نشیں کو آوازیں پڑ رہی تھیں۔ ولید گولڈن کامدانی اطلس کی شیروانی اور کلاہ میں خوب جچ رہا تھا۔ اس کے سہرا بندی سے پہلے شگن کی چند رسمیں ہونا تھیں۔ مووی کیمرے کی چکا چوند روشنی اور ڈیک پہ چلتے سریلے گیت شادی کی خوشی کو دوبالا کر رہے تھے۔ اتنی خوشی اس کی شادی پہ تو نہیں ہوئی تھی۔ یہ اتنے مہمان اور رشتے دار کہاں سے آ گئے۔ اس کی شادی پہ تو بس چند ایک مہمان تھے۔ اس نے ماں کے دمکتے چہرے کو دیکھا جو ولید پہ صدقے واری جا رہی تھیں۔ بہنیں علیحدہ اس پر سے نوٹ وار وار کر دے رہی تھیں۔ اس کی دفعہ سہرا بندی کس طرح ہوئی تھی۔ وہ سادگی سے اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلا تھا، صرف بابا ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا تھا:

''تمہاری ماں اور بہنیں باہر گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی ہیں۔ بہت مشکل سے منایا ہے انہیں چلنے کے لیے، تم بھی بس نکلنے کی کرو۔''

اور وہ ہکا بکا رہ گیا تھا، دو روپے تک ماں نے اس کے سر پر سے وار کر کسی ملازم کو نہ دیے تھے۔ وہ ٹوٹے دل سے گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ گاڑیوں کے ہمراہ بینڈ بجتا ہوا چل رہا تھا، مگر اس کے اندر بالکل سناٹا تھا۔ آج بھی اس کے اندر وہی سناٹا، وہی خاموشی آن بیٹھی تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر سے نکلنا چاہا، تب ہی بڑی پھوپھو سامنے آ گئیں۔

''طارق بیٹا! حور نظر نہیں آ رہی۔ سرمہ ڈلوائی کی رسم کرنا ہے اور یہ شگن تو بھابھیاں ہی ادا کرتی ہیں۔''

''طارق بھائی! آپ کی دفعہ میں نے تو سنا ہے، شادی بالکل ہی بور ہوئی تھی۔ ڈھنگ سے رسمیں بھی نہ ہو سکی تھیں۔ حور بھابھی کو بلائیں ناں۔ ہم بھی دیکھیں، سرمہ ڈلوائی کی رسم کیسی ہوتی ہے؟''

راحت کی بیٹی رمشا نے کہا تو راحت مسکرا کر بولیں:

''طارق کی کوئی بھابھی ہی نہیں تھی، اس لیے رسمیں نہیں ہوئیں اور اس کی شادی بورنگ کیوں ہونے لگی؟ حور العین جیسی بہو نہیں آئی، دلشاد بیگم بھابھی کے گھر میں۔'' یہ بات راحت نے اپنی بہنوں کے بیچ میں کہی تو سب ہی ہنسنے لگیں۔ اب اِدھر اُدھر سے حور کو آوازیں پڑ رہی تھیں۔ طارق نے دیکھا، یہاں سے وہاں تک خواتین کا جمِ غفیر تھا لیکن ان

میں حور نہیں تھی۔

''ارے کوئی اوپر تو جا کر دیکھو یا یہیں سے قیاس آرائیاں ہوتی رہیں گی۔'' دلشاد بیگم نے کہا۔ دل آویز اور دل نشیں مووی بنوانے میں محو تھیں، جبکہ ولید کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ حور العین ہرگز یہ رسم ادا کرنے نہیں آئے گی، اسی وجہ سے کئی بار وہ بیچ میں جھنجلایا تھا۔

''کم آن ماما! کون کرتا ہے اب یہ رسمیں۔''

''بڑی جلدی ہو رہی ہے دولہے میاں، بنو کے پاس جانے کی۔''

شازیہ چچی نے کان مروڑا تو وہ نادم سا ہو گیا، مگر اس کو ڈر تھا کہیں سرِ محفل آج پھر تماشا نہ ہو جائے اور ایسا ہی ڈر طارق کو بھی تھا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ماما نجانے کیوں مزے لے رہی ہیں۔ وہ جھنجلا رہا تھا۔

''طارق بیٹا! ذرا جانا، دیکھنا تو حور اب تک تیار نہیں ہوئی کیا؟ سب انتظار کر رہے ہیں اس کا۔''

وہ بہ عجلت سیڑھیاں چڑھتا اوپر پہنچا تو حور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سنگھار سے آراستہ اطمینان سے بیٹھی تھی۔ وہ اس کے اطمینان پہ جھنجلاتا، لیکن گنگ رہ گیا۔ آج اس نے اپنا وہی عروسی جوڑا پہن رکھا تھا جو بابا نے ملتان سے خاص طور پر بنوایا تھا۔ قوس قزح کے رنگوں پہ بنفشی ڈبکے کا لہنگا چولی اور دوپٹہ۔ ہم رنگ گولڈ کی جیولری اور میک اپ، حور واقعی حور لگ رہی تھی۔ یہ سوٹ جب بن کر آیا تھا تو اس کو بے حد پسند آیا تھا۔ اس کے باوجود جب حور اسے پہن کر اس کے پاس آئی تھی تو اس نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا، لیکن آج وہ اس پہ سے نظریں نہ ہٹا پا رہا تھا۔ حور نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا تو اسے بھی جیسے ہوش سا آ گیا۔

''تم یہاں سج سنور کر بیٹھی ہو اور نیچے سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ کولون کی شیشی کھول کر اپنی گردن پہ چھڑکتے ہوئے لاپرواہی سے بولی: ''باقی سب لوگ بیٹھ گئے گاڑیوں میں؟''

''فار گاڈ سیک!'' طارق کو غصہ آ گیا۔ ''ابھی رسمیں ہو رہی ہیں اور خصوصی طور پر تمہیں بلایا جا رہا ہے۔'' اس کے قیامت خیز حسن کو نظر انداز کرنا طارق کے لیے محال تھا۔ وہ جانتی تھی، وہ کون سی رسم ہو سکتی ہے۔

''مجھے کسی رسم کا حصہ نہیں بننا۔'' وہ نروٹھے سے انداز میں کہہ کر اپنی لپ اسٹک پہ پنسل

پھیرنے لگی۔

''تو میں جا کر کیا کہوں کہ تم نہیں آ رہیں؟''

''ایز یو وش۔'' اس نے کندھے اُچکائے۔ طارق نے اسے غصے سے دیکھا۔

''کل تک تو تم بڑھ چڑھ کر ہر چیز میں آگے آگے تھیں۔ اب اچانک تم نے بائیکاٹ کر دیا اور پھر یہ اتنی سج دھج کیا کمرے میں بیٹھنے کے لیے کی ہے۔'' طارق کو اس کی ڈھٹائی سے چڑ ہوئی تھی۔

''سج دھج تو لوگ میری دیکھ ہی لیں گے جب اسٹیج پہ نئی نویلی دلہن کے ہمراہ بیٹھوں گی۔ لوگوں کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا، طارق کی بیوی زیادہ خوبصورت ہے یا منگیتر۔''

''شٹ اپ!'' وہ غصے سے چلّایا۔

''میں یہ فضول باتیں نہیں سننا چاہتا...... چلو میرے ساتھ، اس وقت خوامخواہ اپنا تماشا نہیں بنوا سکتا۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور اس کی چوڑیوں سے بھری کلائی تھام لی۔

''اپنی عزت کا کتنا خیال ہے طارق، آپ کو۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

''اس میں تمہاری بھی عزت ہے۔'' وہ اس پہ غرّایا ''اگر تم سمجھو تو۔'' وہ حور پہ تقریباً جھکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے اٹھالیا۔

''طارق! یہ آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔'' وہ گھسٹتی ہوئی تقریباً کمرے کے وسط تک آ گئی تھی۔ اس کی آواز گھٹ رہی تھی اور آنکھوں میں پانی تھا۔

''جس شخص نے میرے ساتھ اتنی زیادتی کی، میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی اور آپ کہتے ہیں میں اس کے شگن پورے کروں گی۔ میرے دل سے تو اس کے لیے بددعا ہی نکلے گی...... کیوں اپنے بھائی کے لیے بددعا کا بندوبست کر رہے ہیں آپ؟''

طارق کو کرنٹ سا لگا اور اس نے حور کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کی پھوپھیاں اور کزنز اندر آ گئیں۔

''اتنی زبردست تیاری اور یوں چھپ کر بیٹھی ہو اور یہ طارق بے وقوف تمہیں لینے آیا تھا یا آنکھوں میں اُتارنے۔''

طارق کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اب سب کے سامنے حور بے بس تھی۔ انکار کرنے کا

مطلب جگ ہنسائی اور رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ ان کے ہمراہ نیچے آ گئی۔ وہ محفل میں کیا آئی کہ سب کی نظروں کا مرکز بن گئی۔ ہر نگاہ میں اس کے لیے ستائش تھی۔ اس کی سج دھج کے سامنے ہر چہرہ ماند پڑ گیا۔

''آ جاؤ حور! پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔'' وہ دکھے دل کے ساتھ کچھ نروس سی آگے بڑھ رہی تھی۔ ولید کو اپنی ہتھیلیوں میں پسینہ محسوس ہونے لگا تھا۔ بظاہر وہ دوستوں میں مگن تھا، مگر اس کا سارا دھیان اپنی طرف بڑھتی حور کی طرف تھا۔ بڑی پھوپھو نے چاندی کی سرمہ دانی حور کے ہاتھ میں تھمائی۔

''تگڑا سا نیگ لینا، آخر اکلوتی بھاوج ہو۔ معیز کی دفعہ تو حصہ دار بھی شامل ہو جائے گی۔''

طارق نے دیکھا حور کے قدموں میں کپکپاہٹ اور آنکھوں میں نمی سی تھی۔ وہ ولید کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''پہلے نیگ لینا ہے یا سرمہ ڈالنا ہے؟'' اس کے دوست اور کزن حور سے براہِ راست مذاق کر رہے تھے۔ نجانے اس کے دل کو کیا ہو رہا تھا۔ اسے یہ سب کچھ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دل چاہتا تھا، سب کچھ پھینک کر یہاں سے غائب ہو جائے اور پھر بہت سا رو دے۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا اور زبان کچھ بولنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ لڑکیاں کہہ رہی تھیں:

''ایک لاکھ روپے لینے ہیں۔''

''نہیں، آنکھیں دو ہیں، دو لاکھ روپے۔''

''ہم نے نہیں ڈلوانا سرمہ، اپنا سرمہ اپنی آنکھوں میں رکھیں۔''

چاروں طرف اتنا شور تھا۔ اسے اس وقت کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔

''مدعی سست، گواہ چست۔'' لڑکے اور لڑکیوں میں براہِ راست مکالمہ ہونے لگا تھا۔ سب لطف لے رہے تھے اور وہ اس لطف سے کوسوں دُور کسی اندھیرے میں جا رہی تھی۔ اچانک اسے اپنے عقب میں مانوس سی خوشبو محسوس ہوئی۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ میں ایک مضبوط ہاتھ کا لمس۔ طارق اس کے شانے پہ جھکا کہہ رہا تھا۔

''پہلے نیگ، پھر سرمہ۔''

''یہ چیٹنگ ہے طارق بھائی! فاؤل ہے۔ آپ خواتین کا ساتھ دے رہے ہیں۔''

حور کو لگا اس کی شریانوں میں رکا خون گردش کرنے لگا ہے اور سانس لینے کے لیے کھلی

ہوا میسر آ گئی ہے۔ وہ مکمل طارق کے حصار میں تھی۔ اب اسے کوئی ڈر نہیں تھا۔ اس نے اس کا سرے دانی والا بازو بھی تھام لیا۔

''میں خواتین کا ساتھ کہاں دے رہا ہوں، میں تو صرف اپنی مسز کی ہیلپ کر رہا ہوں۔'' لڑکوں میں شیم شیم کے نعرے لگنے لگے۔

''ولید! سوچ لو سرمہ لگواتا ہے، ورنہ اسی ہڑبونگ میں بیٹھے رہنا۔ کیونکہ دل آویز اور دل نشیں سہرا ہاتھ میں اٹھائے اٹھائے سخت تھک چکی ہیں اور جب تک سرمہ نہیں لگے گا، سہرا نہیں بندھے گا اور سہرا نہیں بندھے گا تو بارات بھی نہیں چلے گی۔ کیوں دل آویز اور دلشی؟''

طارق نے بہنوں کو پکارا۔ دل آویز کو حور کو دیکھ کر نئے سرے سے اپنی جیولری اور بال سیٹ کرنے کا خیال آ گیا تھا، جبکہ دل نشیں نے طارق کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''بھابھی! جو نیگ چاہیں مانگ لیں، میں انکار نہیں کروں گا۔'' ولید کے چہرے اور آنکھوں میں اپنائیت اور رشتوں کے تقدس کا احترام تھا۔ حور کی آنکھیں چار ہوئی تھیں جو کہہ رہی تھیں:

''تم مجھے اب کچھ نہیں دے سکتے ولید! جو دینا تھا وہ دے چکے ہو۔''

''ولید! دھیان سے، جتنا بھاوج کو دو گے، اس سے ڈبل بہنوں کو دینا پڑے گا۔'' کوئی شور میں چلا رہا تھا۔

''مجھے کیا فکر ہے، میرا بینک تو سامنے کھڑا ہے۔'' بہت دیر کے بعد ولید کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ آئی تھی۔ حور نے طارق کی مدد سے سرمہ ولید کی آنکھوں میں لگایا تو خوب ہلڑ مچا۔ سب ہی اس سچویشن سے لطف لے رہے تھے۔ وہ وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی لیکن طارق زبردستی اسے لیے کھڑا رہا۔

دلشاد بیگم بھتیجی کیا بیاہنے جا رہی تھیں جیسے ہر چیز سے بے نیاز ہو گئی تھیں۔ انہیں طارق اور حور کی بے تکلفی پہ غور کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ اب دل آویز کو آوازیں پڑنے لگی تھیں۔

''ماما! دیکھنا میں ٹھیک لگ رہی ہوں؟'' بھری محفل میں اپنے بارے میں پوچھنے پہ دلشاد بیگم بیٹی سے تقریباً چڑ گئی تھیں۔

''کم آن دل! سب تمہیں بلا رہے ہیں اور تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ وہاں چلو، دیکھو! حور نے کیسے محفل لوٹ رکھی ہے۔''

وہ اپنی کولیگز کی طرف دیکھتے ہوئے جبراً مسکراتی، دل آویز کو گھسیٹتی ولید کی جانب بڑھی تھیں جہاں دل نشیں ان کی منتظر تھیں۔

دونوں بہنوں نے ولید کو سہرا باندھ دیا تو طارق نے جیب سے پیسے نکالے اور پچاس پچاس ہزار دونوں بہنوں کو دے دیے۔

''حور کو کیا دیا ہے؟'' چاروں جانب سے شور اٹھا۔

''یہ بندہ سالم کا سالم۔'' طارق نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو حور کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ طارق کے اس منافقانہ رویے سے باہر نکلنا چاہتی تھی، جبکہ لڑکیاں اور خواتین شور مچانے لگیں۔

''شرم کرو ولید! پیسہ بچانے کے لیے بھائی کو ہی نیگ میں دے دیا۔''

''میں اس قابل کہاں تھا۔'' ولید کو طارق کے رویے سے خاصی تقویت ملی تھی جبکہ حور، طارق کے پہلو سے نکل کر دور جا بیٹھی تھی۔ لڑکیاں طارق اور ولید کی درگت بنا رہی تھیں، یہاں تک کہ بارات چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

ڈنر کے بعد رخصتی کا شور پڑ گیا اور پھر جلد ہی رخصتی بھی ہو گئی۔ دل آویز اور دل نشیں دولہا، دلہن کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھی تھیں، جبکہ دلشاد بیگم اور ابراہیم، وقار احمد اور ان کے عزیز و اقارب سے مل کر پیچھے گاڑی میں آ رہے تھے۔ زیادہ تر مہمان اپنے گھر چلے گئے تھے۔ صرف چند مہمان تھے جو دلہن کے ہمراہ گھر تک جا رہے تھے۔ باری باری گاڑیاں گھر کے آگے رکیں۔ دلشاد بیگم کو سخت قلق تھا کہ دلہن کے استقبال کے لیے گھر پر کوئی نہیں ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے گاڑی سے نکلتے ہی کیا تو طارق کو سخت حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس کی شادی پر تو کسی نے اس بات کی پرواہ نہیں کی تھی۔ دلشاد بیگم جب دلہن کے ہمراہ گیٹ پر اتریں تو ششدر رہ گئیں۔ پھولوں کے تھال لیے حورالعین سامنے کھڑی تھی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر حور نے ساری لائٹس آن کرا دیں۔ اس کے ہمراہ طارق کی کزنز بھی تھیں، جن کی مدد سے اس نے روش پر دیوں کی قطاریں بنا کر روشن کر رکھی تھیں۔ دلشاد بیگم چاہ کر بھی اپنے تاثرات نہ چھپا سکیں، انہیں سخت ندامت و خفت کا احساس ہو رہا تھا۔ ایسے ہی حالات دل آویز اور دل نشیں کے بھی تھے۔

ولید، اصباح کے ہمراہ اندر آ گیا۔ جس صوفے پہ انہیں لا کر بٹھایا گیا، وہ بھی گلاب کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر لاؤنج میں گہما گہمی رہی، پھر ایک ایک کر کے سب مہمان

رخصت ہو گئے۔ حور بھی سخت تھک چکی تھی۔ وہ بھی چینج کر کے آرام کرنا چاہتی تھی۔ دلشاد بیگم نے دل آویز سے کہا کہ اصباح کو اس کے کمرے میں بٹھا آئے۔

تب ہی اچانک ولید کمرے سے نمودار ہوا۔ وہ بالکل سادہ لباس میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں گاڑی کی چابیاں تھیں۔

''اوکے ماما...... شب بخیر، ہم لوگ جا رہے ہیں۔ چلو اصباح، میرے ساتھ چلو۔''

''مگر کہاں؟'' دلشاد بیگم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ایسے ہی گھومنے پھرنے اور کہاں؟'' اس کا سابقہ انداز لوٹ آیا جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

''یہ کون سا وقت ہے گھومنے پھرنے کا؟'' دل آویز نے اچنبھے سے کہا۔ نئی دلہن جوں کی توں بیٹھی تھی۔

''کم آن ماما...... آپ کو پتا ہے، میں اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔''

''وٹ ڈو یو مین؟'' دل آویز کو غصہ آ گیا۔ ''تم ہمیں ''کسی'' کہہ رہے ہو، جنہوں نے دن رات محنت سے تمہاری بری بنائی اور تمہاری خوشیوں کو دوبالا کیا۔''

ولید قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''میری خوشیوں کو نہیں، اپنی خوشیوں کو دوبالا کیا۔ اب سب خوش ہیں تو مجھے بھی خوش ہونے کا حق دیا جائے۔''

ولید کے چہرے پہ اتنی سنجیدگی تھی کہ دلشاد بیگم چونک گئیں۔

''تم نے سنا نہیں اصباح! میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

نوخیز دلہن اس کے حکم پہ تھوڑا سا شپٹائی تو دلشاد بیگم لپک کر بھتیجی کے پہلو میں آ بیٹھیں اور اپنا غصہ دبا کر نرمی سے بولیں: ''گھومنے پھرنے کے لیے ساری زندگی پڑی ہے ولید! تم دونوں ہی تھکے ہوئے ہو، آرام کرو۔''

''ماما! میں بچہ نہیں ہوں، سب کچھ جانتا ہوں۔ اٹھو اصباح۔'' اس کے لہجے کے تحکم سے ڈر کر اصباح کھڑی ہو گئی۔

''اس حلیے میں رات کے تین بجے تم اسے کہاں لے کر جاؤ گے؟'' دلشاد بیگم کی گھبراہٹ

ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''کم آن ماما! میں اس کا شوہر ہوں۔ اس قابل تھا تو ماموں میاں نے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا تھا۔ آپ کیوں خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں؟''

یہ کہہ کر وہ آگے کی طرف بڑھا۔ اصباح اپنی جگہ پر کھڑی رہی تو ولید نے مڑ کر نئی نویلی دلہن کی طرف دیکھا۔ شاید وہ دلشاد بیگم کی طرف سے کسی حکم کی منتظر تھی۔

''تم نے زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے، یا میرے گھر والوں کے ساتھ؟'' اصباح سادہ طبیعت لڑکی تھی اور ابھی چند گھنٹے پہلے ہی تو وہ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی، یہ تک نہیں جانتی تھی کہ وہ کس مزاج کا بندہ ہے۔ امی، ابو کے منہ سے تو صرف طارق کی تعریفیں سن رکھی تھیں، ولید کے مزاج کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

وہ خوفزدہ سی چڑیا کی طرح لرزتی کانپتی ٹانگوں سے ولید کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس وقت یہ تماشا دیکھنے کے لیے صرف دل آویز اور دلشاد بیگم ہی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھتی رہ گئیں، یہاں تک کہ گاڑی کی آواز دور تک چلی گئی۔

''آپ بھی حد کرتی ہیں ماما! نہ بابا کو اٹھایا اور نہ ہی طارق کو...... نجانے کہاں لے کر جائے گا وہ اسے۔''

''تمہارے بابا کافی دیر پہلے میڈیسن لے کر لیٹ گئے تھے۔ طارق بھی اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ کیا اب میں اسے کمرے سے بلواتی تاکہ اس کی بیوی بھی تماشا دیکھتی۔''

''اور اب اگر کچھ اور بڑا تماشا ہو گیا تو کیا کریں گی آپ؟'' دلشاد بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

''تم جا کر سو جاؤ، میں یہاں لیٹی ہوئی ہوں۔ وہ لوگ آئیں گے تو میں دروازہ کھول دوں گی اور یہ ساری لائٹس آف کرتی چلی جانا۔ مجھے ڈر ہے کہیں تمہارے بابا کی آنکھ نہ کھل جائے۔''

دل آویز نے ماں کے متفکر چہرے کی طرف دیکھا اور طنز سے بولی:

''یہ اچھی سہاگ رات ہے جو سڑکوں پہ منائی جائے گی۔''

☆ ☆ ☆

''آں ہاں!'' حورالعین نے کمرے میں آ کر اپنے بھاری بھرکم زیورات اتارنے شروع کیے تو طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے پتا تھا تم میرے ساتھ یہی سلوک کرو گی، اسی لیے میں جلدی جلدی اوپر آیا ہوں۔"
حور حیرانی سے طارق کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟"

وہ اس کی بندیا کو واپس مانگ میں ٹکاتے ہوئے کہہ رہا تھا، پھر اسے شانوں سے تھام کر آئینے کے سامنے لے آیا۔

"تمہیں پتا ہے، آج پورے فنکشن میں تم سب سے خوبصورت لگ رہی تھیں اور یہ بات صرف میں ہی نہیں، مووی میکر بھی کہہ رہا تھا۔ جب ہی کیمرہ تمہارے اوپر سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔"

"آپ نے شاید اصباح کو نہیں دیکھا؟" حور نے جان بوجھ کر کہا تو طارق ہنس پڑا۔

"مجھے ضرورت بھی کیا ہے، کسی اور کی طرف دیکھوں۔"

حور نے محسوس کیا کہ اسے کو اب غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے آویزے کو چھیڑ رہا تھا۔

"یہ جیولری صرف میری پسند سے بابا نے خریدی تھی۔ تمہاری دفعہ صرف میں نے اور بابا نے خریداری کی تھی۔ ولید خوش قسمت ہے اس کی شادی میں سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یہاں تک کہ دل آویز نے بھی اور مزے کی بات تو یہ کہ رمیض نے بھی شادی اٹینڈ کی اور کچھ بدمزگی بھی نہیں ہوئی۔" وہ جیسے بہت ہی ترنگ میں خود سے باتیں کر رہا تھا۔

"تم نے ولید سے نیگ کیوں نہیں مانگا، یہ تو خوشی کی بات ہوتی ہے...... بس تھوڑا سا رنگ میلہ۔"

وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس خوشی کی وجہ کیا تھی، وہ سمجھ ہی نہ پا رہی تھی۔

"اگر میں نیگ میں رانی اور شیر خان کو مانگتی تو کیا عزت رہ جاتی آپ لوگوں کی۔ کیا آپ کا بھائی یہ نیگ مجھے ادا کر دیتا۔ اگر میں اپنا ہاتھ ہی کاٹ لیتی اور اس رسم میں شرکت ہی نہ کرتی، تب آپ میرے ساتھ کیسے زبردستی کر سکتے تھے......؟ میری بددعا ہے طارق! ولید ان خوشیوں کو ترسے جن سے اس نے مجھے محروم کیا ہے۔"

وہ اچانک رو پڑی تھی۔ طارق کے اندر سناٹا سا چھا گیا تھا۔

"میں جتنا اس واقعے کو بھلانا چاہتا ہوں، تم اتنی ہی شدت سے مجھے یاد دلاتی ہو۔ اس طرح بے کار میں تم اپنی اور میری زندگی اجیرن بنا رہی ہو۔

"اس لیے کہ آپ نے اس واقعہ پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور مجھے ساری عمر اسی بات کا قلق رہے گا۔" یہ کہہ کر حور ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

وہ ابھی مزید بحث کرتا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ نمبر دیکھا تو ولید کا تھا۔ اس کو حیرانی ہوئی، اس نے پریشانی سے فون اٹینڈ کیا۔ ولید کا لہجہ بوجھل اور نشیلا تھا۔

"طارق...... میں اصباح کو لے کر اپنے آبائی گھر میں آ گیا ہوں، ہوسکتا ہے ماما ہمارا انتظار کر رہی ہوں۔ ان سے کہہ دینا، سو جائیں۔ اب ولید کبھی گھر نہیں آئے گا۔"

ولید نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ رات کے چار بجے وہ کہاں چلا گیا تھا۔ جب وہ اوپر آیا تھا تب تو وہ دونوں نیچے ہی تھے۔ کہیں ولید نے زیادہ ڈرنک تو نہیں کر لی، جس کی وجہ سے بہک رہا ہو۔ وہ چکرا سا گیا تھا۔ سوچا نیچے جائے اور صورتحال معلوم کرے۔

فجر کی اذانیں ہونے لگی تھیں اور دلشاد بیگم کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ تب ہی طارق کو نیچے آتا دیکھ کر وہ بے چینی سے اس کی طرف بڑھیں۔ وہ خود سوالیہ نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہی میرا اصل گھر ہے اور یہی میرا ٹھکانا ہے۔ میں آوارہ پنچھی ہوں۔ زیادہ قید و بند برداشت نہیں کرتا۔ یہ نہ کرو، یہ نہ کھاؤ، یوں نہ چلو، یوں اٹھو، یوں بیٹھو، مجھے بچپن سے ایسے لفظوں سے چڑ ہے۔ اس لیے میری علیحدہ ہی دنیا ہے۔ آج ہماری زندگی کا آغاز ہو رہا ہے، اس لیے میں نے سوچا تمہیں آج ہی سب کچھ بتا دوں۔ یوں تو تم میری کزن تھیں لیکن میں نے خاندان کی لڑکیوں پہ کبھی غور نہیں کیا۔ یہ شادی سراسر ماما کو خوش کرنے کے لیے ہوئی ہے، تاکہ طارق کا گھر بسا رہ سکے۔ مجھے اس بندھن کی کوئی خوشی نہیں۔ خیر اب تم میری زندگی میں شامل ہو گئی ہو، میں اب اتنا بھی بدذوق نہیں کہ تمہارا خیر مقدم بھی نہ کروں، لیکن تم میرے ساتھ تب ہی خوش رہ سکتی ہو جب میرے معاملات میں مداخلت نہیں کرو گی۔"

اس نے اصباح کے معصوم چہرے کو انگلیوں کی پوروں سے چھوا تھا۔

"تم واقعی خوبصورت ہو، لیکن......" یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

"خوبصورتی میرے لیے کبھی اہم نہیں رہی۔ ڈرائنگ روم میں میرے دوست بیٹھے

ہیں۔ میری شادی کی خوشی میں انہوں نے مجرے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ آج یہاں دن چڑھے تک رقص و سرود کی محفل بجی رہے گی۔ تم سکون سے سو جانا، میرا انتظار نہ کرنا۔''

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اصباح کے لیے یہ سب حالات غیر متوقع اور حیران کن تھے۔ نئی اور ویران جگہ پہ اکیلے سونے کا تصور اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کے قریب آ گئی۔ وہ گھر کی بالائی منزل پر تھی، نیچے بڑا سا صحن تھا اور دونوں اطراف پر برآمدے، برآمدے کے پیچھے سے گھنگھروؤں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ محفل عروج پر تھی۔ اصباح نے کھڑکی کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

دن نکل آیا تھا۔ سوائے طارق اور دلشاد بیگم کے سارا گھر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ دونوں فکر مندی میں مبتلا سر جوڑے بیٹھے تھے۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس نے یہ گھٹیا حرکت آخر کیوں کی؟ ابھی بھابھی بیگم کی طرف سے کوئی ناشتہ لے کر آ گیا تو کیا کہوں گی کہ میرا بیٹا اصباح کو لے کر بھاگ گیا ہے اور اس نے فون پہ کہا ہے کہ وہ کبھی نہیں آئے گا۔ اگر اس نے یہی لچھن کرنا تھے تو خاندان کی لڑکی سے شادی ہی کیوں کی۔ میری جان تو مصیبت میں آئی ہے...... میں تو سوچ رہی ہوں طارق! یہ بات تمہارے بابا سے چھپانے کی نہیں ہے۔ وہ اٹھتے ہیں تو بتا دیتی ہوں۔''

''ظاہر ہے، بابا سے یہ بات چھپائی تو نہیں جا سکتی۔'' اس نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''تم خود کیوں نہیں چلے جاتے؟'' دلشاد بیگم نے بے چارگی سے کہا۔

''وہ چھوٹا سا بچہ تو نہیں ہے جسے کان سے پکڑ کر لے آؤں گا اور آپ کو پتا ہے جب وہ نشے میں ہوتا ہے تو کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ خوامخواہ میں اپنا تماشا نہیں بنوا سکتا۔'' طارق صحیح کہہ رہا تھا۔

''لیکن اصباح، پتا نہیں کس حال میں ہو گی؟ یا اللہ! میری عزت رکھ لینا۔ اس بچی کے منہ میں تو زبان بھی نہیں ہے اور وقار بھائی کو ان سب حالات کا پتا چل گیا تو قیامت آ جائے گی۔'' دلشاد بیگم نے رونا شروع کر دیا۔

''آپ ایسا کریں تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ اصباح کے گھر سے کوئی آئے گا تو یہ کہہ کر ٹال دیجیے گا کہ وہ سو رہی ہے۔ اصباح کو لینے کے لیے تو شام تک ہی آئیں گے، تب تک

صاحب بہادر کا نشہ بھی کم ہو جائے گا اور پھر ہی کوئی راہ نکالی جا سکتی ہے۔''

''بھاڑ میں جائے وہ...... میں اصباح کو لے آؤں پھر دیکھ لوں گی اسے۔'' ابھی دلشاد بیگم ارادے ہی باندھ رہی تھیں کہ ان کا سیل فون بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر دلشاد بیگم کا رنگ اُڑ گیا۔

''بھائی جان کا فون ہے...... وہ اصباح سے بات کرنا چاہیں گے تو کس طرح کراؤں گی؟''

''آپ گھبرا کیوں رہی ہیں، اصباح ہے تو ولید کے ساتھ ہی۔ اس گھر میں نہیں تو اُس گھر میں، آپ بات کریں ماموں سے اور انہیں ٹال دیں کہ فی الحال وہ لوگ سو رہے ہیں۔''

دلشاد بیگم نے ڈرتے، جھجکتے، فون اٹینڈ کیا۔ دوسری طرف وقار سخت برہم تھے۔

''دلشاد بیگم! اصباح کہاں ہے؟ کیا آپ اسے اس لیے بیاہ کر لے گئی تھیں کہ وہ مجرے دیکھے اور شراب کی بدبو سے اپنا دماغ خراب کرے؟''

وقار احمد کے الفاظ تھے یا بم۔ دلشاد بیگم کے ہاتھ سے فون چھوٹا اور وہ صوفے پہ ڈھے گئیں۔

اصباح نے باپ کو خود فون کیا تھا۔ جب محفل چھٹ گئی اور سناٹا چھا گیا تھا تو وہ نیچے آئی تھی، پھر اس نے صحن اور برآمدہ عبور کیا اور دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ ولید آڑا ترچھا بستر پر پڑا تھا۔ وہ ہوش سے بالکل بیگانہ تھا۔ کمرے کا حلیہ ناگفتہ بہ تھا۔ الکحل کی بدبو سے اصباح کا دماغ چکرانے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ کمرے کے وسط میں میز پہ پڑی جس پہ ولید کا فون پڑا تھا۔ اس نے وہ فون اٹھا لیا اور دبے قدموں سے باہر نکل آئی۔ اس نے اپنے گھر فون ملایا۔ فون اس کی امی نے اٹھایا تھا۔ اصباح رونے لگی، پھر اس نے روتے روتے سارے حالات بتا دیے۔

دلشاد بیگم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وقار سگے بھائی ہو کر اتنی بے عزتی کریں گے۔ وہ بضد تھے کہ اصباح کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ بیٹے کی وجہ سے بھائی بھاوج کے سامنے دلشاد بیگم کو بے حد سبکی محسوس ہو رہی تھی۔ ادھر ابراہیم سخت خفت اور غصے میں مبتلا تھے۔ طارق خود اس صورتحال کو کنٹرول کرنے سے قاصر تھا۔ ابراہیم کو دلشاد بیگم اور طارق دونوں پہ ہی غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے انہیں پہلے آگاہ کیوں نہیں کیا اور اس معاملے میں اتنی دیر کیوں لگائی۔

دوپہر تک گھر بھر میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ ولید، اصباح کو لے کر رات سے غائب ہے۔ ابراہیم گاڑی کی چابی لے کر گھر سے باہر نکلے اور سیدھا اپنے آبائی گھر پہنچے۔ بہت دیر تک ڈور

بیل بجانے پہ دروازہ نہ کھلا۔ وہ دروازہ بجاتے رہے اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہے۔ آخر کار دروازہ اصباح نے ہی کھولا تھا۔ ولید ہوش میں کہاں تھا۔ وہ اندر آ گئے، وہ اسی حلیے میں کھڑی تھی جس میں رات کو آئی تھی۔

''میرے ساتھ چلو۔'' انہوں نے نظریں چُراتے ہوئے کہا اور اسے لے کر گھر آ گئے۔

وقار اور آصفہ ہی نہیں بلکہ تمام گھر والے بھی اصباح کو دیکھ کر گنگ رہ گئے۔

دلشاد بیگم نے اصباح کو سینے سے لگا لیا۔

''تم فکر نہیں کرو، جو کچھ بھی ہوا ہے بس آج تک ہی تھا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا تم یہیں رہو گی میرے پاس اسی گھر میں، منہ ہاتھ دھولو، میں تمہارے لیے ناشتہ بنواتی ہوں۔''

''ناشتہ اصباح گھر جا کر کرے گی۔''

پھر انہوں نے سر جھکائے بیٹھے طارق کی طرف دیکھا۔ ''بھول ہوگئی ہم سے، طارق اور ولید میں ہم نے فرق ہی محسوس نہیں کیا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی جان آپ......! ہمیں تھوڑا سا وقت تو دیں۔'' دلشاد بیگم شرمندگی و لجاجت سے بات بنا رہی تھیں۔

''دلشاد! اصباح ہماری اکلوتی بچی ہے، یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ غیروں سے بھی ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔ جیسی...... خیر چھوڑیں، اچھا ہوا ہمیں جلد ہی ولید کی نیچر کا پتا چل گیا، یہ عمر بھر کے فیصلے ہوتے ہیں، معمولی بات نہیں ہے۔ بیٹے کی بُری عادتیں چھوٹ جائیں تو اصباح کو آ کر لے جایئے گا، بصورتِ دیگر ہم سمجھیں گے ہم نے اپنی بیٹی کو بیاہا ہی نہیں۔''

وقار اور آصفہ بیٹی کو لے کر نکلے تو دلشاد بیگم نے کلیجہ تھام لیا۔ ادھر ابراہیم برہم ہو رہے تھے۔

''زندگی تماشا بن کر رہ گئی ہے۔ حد ہوتی ہے پاگل پن کی بھی۔ ایک مسئلے سے جان نہیں چھوٹتی کہ دوسرا گلے آن پڑتا ہے۔ شوٹ کر دوں گا میں اسے، ایسی اولاد اسی کے لائق ہے۔''

ابراہیم اپنا فون ملانے لگے۔ وہ کسی اسٹیٹ ایجنٹ سے بات کر رہے تھے، ذکر گھر کو فروخت کرنے کا تھا۔

''ادریس صاحب! آپ جگہ دیکھ لیں، میں آج ہی اس گھر کو بیچ دینا چاہتا ہوں۔''

''نہیں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، ادائیگی دستاویزات پہ ہو جائے۔ کیش پے منٹ بھلے بعد میں ہوتی رہے، میں دستاویزات پہ ہی مالکانہ حقوق دوں گا۔ آپ رجسٹری تیار کرائیں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ دلشاد بیگم اور طارق گنگ ہو گئے۔ دلشاد بیگم ہی نہیں، طارق بھی جانتا تھا اس گھر سے ابراہیم کو کتنی محبت تھی۔ وہ اسی غصے میں کمرے سے نکل گئے تھے۔ وہ بھی بوجھل قدموں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کا بھی دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ حورالعین ساری صورتحال سے باخبر تھی، لیکن اس نے اس موضوع پہ اس سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر لیٹ گیا۔ اسے ولید سے ایسی ہی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی توقع تھی۔ حورالعین سوچتے ہوئے چپ چاپ نیچے آ گئی۔ دل آویز اور دلشاد بیگم آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

''ماما! آپ کی بھتیجی سے کہیں بہتر بابا کی بھانجی تھی، جس نے آج تک اپنے گھر کی کوئی بات کسی سے نہیں کی۔ اصباح نے تو ایک رات بھی برداشت نہیں کیا اور فوراً اپنے ماں باپ کو بلا لیا۔''

''ہاں...... مجھے بھی اس بات کا بہت دکھ ہے۔ کم از کم اصباح ایک رات تو برداشت کر لیتی۔ اس طرح گھر کی بات گھر میں ہی رہ جاتی۔ کیا ہم ولید کو ایسے ہی بے مہار چھوڑ دیتے؟''

''اور پھر ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہی تو تھی ناں۔''

''سچ پوچھو تو دل! مجھے اصباح کا یہ اتاولا پن بالکل نہیں بھایا۔ حورالعین کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا، مگر اس کے گھر سے کوئی نہیں آیا۔ مانا کہ ماں سوتیلی ہے مگر باپ تو سگا ہے اور اپنی اولاد کے ساتھ زیادتی کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔ پہلی رات تو طارق اپنے کمرے میں گیا ہی نہیں تھا، یہ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں اور یہ بات گھر کی چار دیواری میں ہی ختم ہوگئی۔ اصباح نے تو پہلے دن ہی پیشی لگوا دی، حالانکہ ہم نے اسے حورالعین سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ پورے تین کمروں میں تو اس کا جہیز لگوایا ہے۔ سونا بھی زیادہ چڑھایا اور کپڑے بھی ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی تھے۔ طارق میرا کتنا اچھا بیٹا ہے۔ اسے میں نے چند تولے سونا دیا اور چند کپڑے۔ ایسے بیٹے کو تو سونے میں بھی تول دیتی جب بھی کم تھا۔'' دلشاد بیگم کو رہ رہ کر ملال ہوا۔

''نہ صرف بیٹا، بہو بھی اصباح سے بہتر ہے۔''

دل آویز نے تعریف بھی کی تو بخل سے ہی کام لیا۔ حورالعین نے اپنے متعلق یہ گفتگو سنی تھی، وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔

شام تک گھر میں سناٹا سا رہا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ کل یہاں شادی ہوئی ہے اور دلہن بیاہ کر آئی ہے۔ کیونکہ سوائے حورالعین کے گھر پر کوئی نہیں تھا، سب ہی ولید کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

''میری مرضی کے بغیر اصباح اپنے پیرنٹس کے ہاں ایک رات بھی نہیں رکے گی۔''

ولید کی ڈھٹائی اور بدتمیزی پہ ابراہیم کو اشتعال آ گیا۔

''سن رہی ہو تم اس کی باتیں۔''

ولید پر ماں باپ کے کسی لیکچر کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور نہ ہی یہ احساس جاگا تھا کہ اس کی وجہ سے اصباح کے والد اس کے ماں باپ کی کتنی بے عزتی کر کے گئے ہیں۔ وہ اپنے غیر ذمہ دارانہ رویے پہ مطمئن تھا۔

''اصباح تب تک نہیں آئے گی، جب تک تم نہیں سدھرو گے۔'' دلشاد بیگم نے ابراہیم کا غصہ دیکھتے ہوئے بیٹے کو دھمکی دی۔

''وٹ ڈو یو مین ماما! یہ اصلاح آپ کو میری پہلے کرنا چاہیے تھی۔ اب میں جیسا ہوں ویسا ہی رہوں گا۔''

ابراہیم کا ضبط جواب دے گیا۔ انہوں نے اس کی بے غیرتی پہ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا۔

''ابھی اور اسی وقت اس گھر کو خالی کر دو، کیونکہ تمہاری وجہ سے میں اس گھر کو بیچ چکا ہوں۔ اب اس جگہ تم اپنی عیاشی کا اڈہ نہیں بنا سکتے۔''

ولید کے لیے یہ جھٹکا بھی تھپڑ سے کم نہیں تھا۔

''آپ یہ گھر نہیں بیچ سکتے۔'' ولید نے باپ کو تنبیہہ کی تھی۔

''میں آپ کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہوں گا۔ مجھے علیحدہ رہائش چاہیے۔'' اس کے مطالبے پہ دلشاد بیگم کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''اتنے بڑے گھر میں کس چیز کی کمی ہے تمہیں؟''

''وہاں کا ماحول میری پسند کے مطابق نہیں ہے۔'' وہ ڈھیلے پن پہ قائم تھا۔

''میں بھی تمہیں رکھنا نہیں چاہتا کیونکہ تمہارا چال چلن مجھے پسند نہیں ہے۔'' ابراہیم غصے

سے پھنکارے تھے۔

طارق درمیان میں بول پڑا: ''اگر یہ میری وجہ سے وہاں رہنا نہیں چاہتا تو میں جلد ہی رہائش تبدیل کر لوں گا، لیکن دل نشیں کی شادی تک میں وقت چاہتا ہوں۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' دلشاد بیگم اور ابراہیم بیک وقت بولے تھے۔ ''نہ اب، نہ دلشی کی شادی کے بعد، اسے اگر ہم سے تکلیف ہے تو یہ اپنی شکل دفعان کرے۔ ایک دفعہ ہی ہماری جان چھوڑ دے، ہمیں بھی ضرورت نہیں ایسی اولاد کی۔'' ابراہیم کا اشتعال تھا کہ کم ہونے پہ ہی نہیں آ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، آج کے بعد میرے معاملات میں آپ میں سے کسی کو مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

ولید نے یہ کہا اور ان کے درمیان سے نکل کر باہر چلا گیا۔ دلشاد بیگم بے چارگی سے شوہر اور بیٹے کا منہ دیکھنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

دو دن اسی خاموشی سے گزر گئے۔ رمیض، دل آویز کو لینے آیا تھا۔ اب ولیمہ کا تو کوئی تصور ہی نہیں رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس گھر میں شادی نہیں بلکہ موت واقع ہوئی ہے۔ دل آویز جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

گھر میں تین شادیاں ہوئی تھیں اور تینوں ہی خوشیوں سے خالی۔ دل آویز کو ولید کے رویے کا گہرا دکھ تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ماں باپ اس وقت بہت پریشان ہیں۔ سو اسے اپنی طرف سے انہیں پریشانی دینا اچھا نہیں لگا اور اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا اور ایسا اس نے پہلی بار سوچا تھا۔ کسی بڑے غم کے سامنے اپنے دکھ کو چھوٹا سمجھا تھا ورنہ آج تک تو وہ ماں باپ کو ہی الزام دیتی آئی تھی کہ اس کی زندگی برباد کرنے والے وہی ہیں۔ وہ چپ چاپ تیار ہو کر باہر نکلی۔ دلشاد بیگم نے حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے بیٹی کو رخصت کر دیا۔

رمیض کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دل آویز سوچ رہی تھی۔

''ولید کتنا خراب ہے۔ اس کی ناقابلِ برداشت عادتوں کے باوجود ماما نے یہ کہا، اگر اصباح ایک رات برداشت کر لیتی تو کون سی قیامت آ جاتی۔ مجھے کبھی ماما نے برداشت کرنے

کو نہیں کہا، ہمیشہ یہی کہتی تھیں، وہ تمہارے لائق نہیں ہے۔ لیکن یہ ہنر مجھے حورالعین نے سکھایا، ناقابلِ برداشت عادتوں کو برداشت کرنا اور اپنی جگہ پہ ڈٹے رہنا۔ اس صبر اور استقامت نے آج حورالعین کو اصباح پہ سبقت دی تھی۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی، رمیض کے اور اس کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن آج اس نے یہ عزم کیا تھا کہ اپنے حصے کے دکھ اپنے ماں باپ کو نہیں دے گی۔''

☆ ☆ ☆

عورت کے حقوق و سالمیت کا آج عالمی دن تھا۔ بہت دنوں کے بعد دلشاد بیگم نے اپنی تنظیم کے وفد میں جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ویسے بھی وہ گھر میں پڑے پڑے سوچوں سے ہلکان ہو رہی تھیں۔ یہ بات کتنی شرمندگی کا سبب تھی کہ ولید نے اپنے سسرال میں پڑاؤ ڈال لیا تھا اور وہ وہیں رہ رہا تھا۔ یہ بات وقار احمد نے دلشاد بیگم کو خود بتائی تھی۔ دلشاد بیگم کیا کہتیں کہ دھکے دے کر نکال دو یا یہ کہ ہم تو ولید کو ناخلف قرار دے چکے ہیں۔ دلشاد بیگم کے لب سل گئے تھے۔ ان کے پاس کوئی معقول بات نہیں تھی، وہ صرف عاجزانہ سے لہجے میں کہہ سکی تھیں:

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں، بھائی جان!''

''شرمندگی تو ہمیں بھی ہے اپنی بیٹی سے اور دکھ بھی، لیکن اگر وہ ہمارے پاس آ گیا ہے تو اچھی ہی صحبت لے کر جائے گا۔''

ان کو بھائی کا انداز بُرا لگا تھا، مگر کیا کہتیں بیٹے نے یہ وقت دکھلایا تھا، ضبط کر گئیں۔

☆ ☆ ☆

دل نشیں یونیورسٹی جانے لگی تھی۔ دل آویز اپنے گھر چلی گئی تھی اور دلشاد بیگم کی مصروفیات پھر سے رواں دواں ہو گئی تھیں۔ فقط حور ہی گھر میں رہ جاتی تھی۔ آج بہت دنوں کے بعد اسے لان کی صفائی کا خیال آیا تھا۔ وہ مالی بابا سے جنگلی گھاس صاف کرا رہی تھی کہ اچانک طارق کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ دلشاد بیگم کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ملازم نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی اپنے آفس گئی ہیں تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔

حورالعین بھی ہاتھوں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ وہ ولید کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ باہر ہی رک گئی۔ دروازہ چونکہ کھلا ہوا تھا اس لیے وہ طارق کی سرگرمی دیکھ

سکتی تھی۔ وہ، ولید کی وارڈروب سے اس کے کپڑے نکال رہا تھا۔ اب اس سے رہا نہ گیا اور اندر آ گئی۔

''کیا بات ہے، کچھ بتائیں گے بھی؟'' طارق نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کی درازیں کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ پھر وہ ولید کے کپڑے لے کر باہر نکل گیا اور ڈرائیور کو آواز دے کر کہا کہ وہ گاڑی لے کر جائے اور ماما کو فوراً اپنے ساتھ لے کر آئے۔

''طارق کچھ بتائیں تو کیا ہوا ہے؟'' وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا، وہ اس کے پیچھے پیچھے اپنے کمرے تک آ گئی۔ وہ لاک اپ میں سے پیسے نکال رہا تھا۔

''ولید کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔'' طارق کی آواز گھٹ رہی تھی۔

''کیا ہوا ولید کو؟'' حور کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا تھا۔ طارق نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، وہ شاید ضبط کر رہا تھا۔ تب ہی ایک بول نہ پایا۔ حور نے دیکھا اس کے چہرے پر زردی کھنڈی تھی۔

''ولید کو اس کے دوستوں نے زہریلی شراب پلا دی ہے۔ وہ سٹی ہاسپٹل میں آئی سی یو میں ہے۔'' یہ کہتے کہتے اس کی آواز رندھ گئی۔ اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہو رہے تھے۔

''شاید تمہاری بددعا......''

حور نے اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ غم سے اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔

''ولید کو معاف کر دینا حور! اس وقت اسے دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

یہ کہہ کر وہ تیز قدم اٹھاتا کمرے سے اور پھر گھر سے باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

دن گزر گیا اور پھر پوری رات گھر میں کوئی نہیں تھا۔ سب اسپتال میں ولید کے پاس تھے۔ گو کہ وہ اسپتال میں نہیں تھی، مگر گھر میں رات بھر سو بھی نہیں سکی تھی۔ اس نے طارق کی آنکھوں میں بھائی کے لیے محبت کا الاؤ دہکتے دیکھا تھا۔ اس نے ولید کی زندگی کی دعائیں مانگی تھیں۔

نماز فجر کے بعد اس نے طارق کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ ابھی اسے ہوش نہیں آیا ہے، لیکن ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں وہ خطرے سے باہر ہے۔ صبح وہ اسپتال میں سب کے لیے ناشتہ بنا کر لے گئی۔ ولید ابھی آئی سی یو میں ہی تھا، لیکن خطرے سے باہر تھا۔ اس نے زبردستی سب کو

ناشتہ کرایا۔ دلشاد بیگم نے رو رو کر بُرا حال کر رکھا تھا، جبکہ ابراہیم سکتے کی سی حالت میں تھے۔
ابھی وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ وقار اور آصفہ آ گئے۔ وقار احمد کو دیکھ کر دلشاد بیگم ان پہ برس پڑیں:

''اتنی بڑی غلطی تو نہیں کی تھی میرے بیٹے نے کہ آپ نے اسے زہر پلا کر مار ہی ڈالنے کا سوچ لیا۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو دلشاد تم!'' وقار احمد خود دل گرفتہ تھے۔

''ولید آپ کے ہاں ہی رہ رہا تھا ناں، پھر اس کی یہ حالت کیسے ہوئی؟'' انہوں نے بھائی کا گریبان پکڑ کر ہسٹریائی انداز میں پوچھا تو وقار احمد نے ان کے ہاتھ جھٹک دیے۔

''اس نے اصباح کو اپنے ساتھ ہنی مون پہ لے جانے کی ضد باندھ لی تھی، میں نے انکار کر دیا تھا۔ اس بات پہ وہ اشتعال میں آ گیا اور میرے گھر میں توڑ پھوڑ کی تو میں نے غصے میں بُرا بھلا کہہ دیا، جو اس سے برداشت نہ ہوا اور میرے گھر سے نکل گیا۔ دو روز سے وہ ہمارے پاس نہیں تھا۔ میں سمجھا شاید آپ کی طرف چلا گیا ہو۔ مجھے کیا معلوم تھا، یہ اپنے دوستوں میں چلا جائے گا۔''

''اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو جانتے ہیں آپ کیا ہو سکتا تھا؟'' دلشاد بیگم رو رہی تھیں۔ وقار احمد نے سر جھکا لیا۔

جواں سال بھائی کو بسترِ مرگ پہ پڑا دیکھ کر دل آویز اور دل نشیں ایک کونے میں بیٹھی سسک رہی تھیں۔ غم و فکر سے نڈھال حور بھی ان کے پاس بیٹھی تھی۔

تین روز اسی پریشانی میں گزر گئے۔ رفتہ رفتہ ولید کی طبیعت بحال ہو رہی تھی۔

آج شام کو اسے چھٹی ہونا تھی اور اسے گھر آنا تھا۔ وہ سوپ بنا کر ڈرائیور کے ہمراہ اسپتال پہنچی تو کمرے میں صرف ولید اور طارق تھے۔ طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس پہ جھکا ہوا تھا۔

''مجھے بتاؤ ولید! وہ لوگ کون تھے، جنہوں نے تمہیں اس حال تک پہنچایا؟'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ ولید کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے اور وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

''تم جانتے ہو طارق! ماموں نے مجھے طعنہ دیا، گھر داماد بن کر عمر بھر میں ان کے ٹکڑوں پہ پلنے کے لیے آن پڑا ہوں۔''

''تم وہاں گئے ہی کیوں تھے؟'' اسے گہرا رنج تھا۔ ولید نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''بتاؤ ولید! جب تم نے شادی خوشی خوشی کی تو پھر ایسا رویہ کیوں اختیار کیا۔ کیوں تم اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی اجیرن کر رہے ہو؟''

''میں ماما کو اتنا ہی دکھ دینا چاہتا تھا جتنا انہوں نے مجھے دیا۔'' یہ کہتے ہوئے ولید رو رہا تھا۔

''تمہیں پتا ہے طارق! ماما نے جان بوجھ کر مجھے اور حور بھابھی کو سکینڈلائز کیا تھا۔ کیا یہ بات معمولی تھی؟ ماما نے یہ تک نہ سوچا کہ وہ اپنے ہی بچوں پر گندگی اُچھال رہی ہیں۔ شیر خان نمک حرام نہیں تھا۔ اس نے ڈیرہ اسماعیل خان سے مجھے فون کیا اور مجھ سے معافیاں مانگنے لگا۔ پھر پتا ہے اس نے مجھے کیا بتایا، انہیں ماما نے حکم دیا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلے جائیں اور زندگی بھر اِدھر کا رخ نہ کریں۔ یہ راز کبھی نہیں کھلنا چاہیے کہ حورالعین یہاں کب سے آئی ہوئی تھی اور کیوں آئی تھی۔ یہاں وہی کچھ ہوا ہے جو میں نے کہا ہے۔ میں شیر خان کے منہ سے یہ سب سن کر گنگ رہ گیا۔ میں سوچ رہا تھا، کیا مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں۔''

پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور غم سے نڈھال بھائی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ماں اپنی معمولی سی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی اولاد کے گھر میں آگ لگا سکتی ہے؟ تمہارا گھر بچانے کے لیے طارق! میں نے اس آگ کو گلے لگا لیا ہے۔ میں اس آگ میں خود جل جاؤں گا، لیکن تمہاری گرہستی پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔'' ولید رو رہا تھا۔

طارق نے ضبطِ غم سے بھائی کے آنسو پونچھے اور دل گرفتہ لہجے میں بولا:

''تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں یہ سب کچھ نہیں جانتا؟ میں سب کچھ جانتا ہوں، حور بے گناہ ہے۔ مجھے اس کی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی، میری حور ایسا گناہ کر ہی نہیں سکتی۔ مجھے اس سے شکایت تھی تو بس اتنی کہ اس نے ایسا موقع فراہم ہی کیوں کیا۔ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ ماما اول روز سے اس سے نفرت کرتی ہیں، مگر ماما کی نفرت سے وہ میری زندگی سے بے دخل تو نہیں ہو جائے گی۔ دیکھو ولید! تمہیں اپنا رویہ بدلنا ہوگا، جب میں سب کچھ بھلا سکتا ہوں، تو تم کیوں نہیں؟ تم ماما سے کوئی انتقام نہیں لو گے۔ وہ ہماری ماں ہیں، تھوڑی دیر کے لیے سوچو۔ یہ بات حور کو پتا چل گئی تو ماما کا امیج کتنا خراب ہوگا۔ اس لیے شیر خان والی بات تم کبھی کسی سے نہیں کرو گے۔ تم سن رہے ہو نا ولید! میری بات۔ میں اپنی محبت سے حور کے دل سے

ساری تلخ باتیں مٹا دوں گا، لیکن ماما کا امیج خراب ہو، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔''

طارق کے چہرے پہ رنج وغم کی پرچھائیاں تھیں۔ ولید حیرت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

شدتِ غم سے حور کا دل پھٹ گیا۔ وہ کمرے سے باہر نکلی۔ دروازے کی آہٹ پہ دونوں نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ تیزی سے نکل کر جا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے اور قدم ڈگمگا رہے تھے۔ طارق تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اسپتال کے کوریڈور میں وہ تیز تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔

''حور! رُکو تو سہی۔ میری بات تو سنو۔'' طارق اس کے پیچھے تھا، مگر حورالعین رکنا تو درکنار سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ آنسو تواتر سے اس کے گالوں پہ بہہ رہے تھے۔

''میں سب کچھ جانتا ہوں ولید! مگر میں ماما کو بے عزت نہیں کر سکتا۔ ولید! وہ ہماری ماں ہیں، انہوں نے جو کچھ بھی کیا بہت بُرا کیا لیکن وہ میرے لیے اب بھی محترم ہیں اور تم بھی اس جنگ سے دستبردار ہو جاؤ۔ ہمارا وقار اسی میں ہے۔''

طارق کے الفاظ اس کے اعصاب پہ ہتھوڑے بن کر برس رہے تھے۔ وہ ہتھیلیوں سے آنسو رگڑتی سیڑھیاں اُترنے لگی۔

''حور پلیز، رکو تو سہی۔ میری بات سنو۔'' طارق اس کے قریب پہنچ گیا۔

یکدم ہی اس کے قدم رک گئے۔ طارق کے چہرے پہ ملال ضرور تھا لیکن پشیمانی ہرگز نہیں تھی۔ اس نے سرخ آنکھوں سے طارق کی طرف دیکھا۔

''میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' تب تک اس نے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ریلے کو ہتھیلی سے رگڑا۔ ''جب تک تمہاری ماں اپنے اس گھناؤنے فعل کی مجھ سے معافی نہیں مانگے گی۔''

اس کی آواز پست ضرور تھی لیکن لہجہ کچھ ایسا تھا کہ طارق چونک گیا۔

''سنا تم نے طارق! تمہاری ماں سب کے سامنے میری بے گناہی کا اعتراف کریں گی، تب ہی میرے زخم کا مداوا ہوگا۔'' وہ تیزی سے کہہ کر اسپتال سے نکل گئی۔

طارق حق دق کھڑا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

آج پورے گروپ میں ہر ایک کی توجہ کا مرکز دل نشیں ابراہیم تھی۔ اس کی سب سے

بڑی وجہ اس کی منگنی تھی۔ اس کے قریبی دوست اس خوشی کے موقع پر اس سے دعوت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ اس سارے ماحول سے خوب انجوائے کر رہی تھی، جبکہ راحیل کو گہرا دھچکا لگا تھا۔ اس نے راحیل کو تو نیچا دکھانے کے لیے ہی اپنی منگنی کا اعلان کیا تھا۔ انگوٹھی بھی خود ہی خریدی تھی۔

راحیل کے تاثرات اس کے لیے تسکین کا سبب تھے۔ آج اس نے راحیل سے بدلہ لے لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''آخر یہ خاموشی کب ٹوٹے گی؟'' طارق حور کی بے رخی سے زچ ہو چکا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی اور چپ چاپ لحاف کھول کر خود پہ پھیلانے لگی۔

''ولید گھر آ گیا ہے، تم سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ تمہاری بدگمانی دُور کرنا چاہتا ہے۔''

''اس نے آپ کی بدگمانی دُور کر دی، میرے اوپر یہ احسان ہی بہت ہے۔''

اس کا لہجہ تلخ اور رنجیدہ تھا۔ ''اس سے کہنا، میں اب کسی سے بدگمان نہیں ہوں۔ میں نے آپ سے محبت کی تھی، اس کی سزا تو ملنا ہی تھی۔ آپ کی بے اعتنائیاں اور سرد مہری پھر یکدم کرم نوازی اور التفات۔ مجھے تو بس اسی میں خوش ہو جانا چاہیے کہ آپ کی نظرِ کرم تو ہوئی اور مجھے کیا چاہیے۔ نہ عزت، نہ وقار۔''

اس کا لہجہ آنسوؤں کی آمیزش سے بوجھل ہو رہا تھا۔ طارق چپ چاپ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ پہ اپنائیت ومحبت سے ہاتھ رکھا تو چونک گیا۔

''تمہیں تو ٹھیک ٹھاک ٹمپریچر ہے۔'' وہ اس کی پیشانی کو چھو کر بولا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لحاف خود پہ پھیلا کر سر بیڈ کے سرہانے پہ ٹکا لیا اور چپ چاپ آنکھیں موند لیں۔

''چلو اٹھو، تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں۔''

''میں ٹھیک ہوں، مجھے کہیں نہیں جانا۔'' اس کی تھکی تھکی آواز اُبھری تو طارق نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں جانتا ہوں، تم کتنی ضدی ہو۔''

''کیسی ضد اور کہاں کی ضد؟ جب لاڈ اٹھانے والے چلے جائیں تو ضدیں بھی ان کے

ساتھ چلی جاتی ہیں۔'' اس کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہو رہے تھے۔ اسے شدت سے نانو یاد آ رہی تھیں۔

اس کے آنسوؤں سے طارق کے دل پہ بوجھ سا پڑا۔ وہ نادم تھا، مگر مجبور بھی...... ماحول کا بوجھل پن دُور کرنے کی غرض سے مسکرا کر بولا:

''میں ہوں نا تمہارے لاڈ اٹھانے کے لیے۔'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

اسے اس کے منافقانہ رویے کا گہرا رنج تھا۔

طارق نے محبت سے اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے سمیٹے اور گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

''میں، ماما کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ حور! ہمیں معاف کر دو۔'' اس کی سماعتوں میں طارق کے لفظ کسی سیسے کی طرح پڑے تھے۔ وہ بلک بلک کر رو پڑی۔ طارق نے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

''مجھے ماما کے رویے کا تم سے زیادہ رنج ہے حور......! اس لیے نہیں کہ میں نے کبھی اپنی طرف سے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ اس لیے کہ وہ میری ماں تھی۔ ماں کا درجہ بہت بلند ہے۔ یہ ان کا ظرف تھا مگر میرا ظرف گوارا نہیں کرتا کہ ماں کو پشیمان ہوتا دیکھوں۔ زندگی کا ایک بڑا سانحہ سمجھ کر ہمیں اس واقعہ کو بھلانا ہوگا۔''

حور، طارق کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو پڑی۔

☆ ☆ ☆

''چار دن ہو گئے ہیں ولید کو گھر آئے ہوئے، اس سے پہلے وہ اسپتال میں رہا، تب بھی آپ اصباح کو لے کر نہیں آئے اور آج بھی آئے تو اکیلے ہی چلے آئے۔''

''کیا کرے گی اصباح اس وقت آ کر، ولید کو آرام کی ضرورت ہے۔'' وقار کی لاپرواہی پہ دلشاد بیگم کو دکھ ہوا۔

''مانا کہ ولید نے اصباح کے ساتھ زیادتی کی ہے، لیکن اس کا بھی تو کچھ فرض بنتا تھا۔ اس وقت اسے ولید کے پاس ہونا چاہیے تھا۔''

''دیکھو...... دلشاد! تمہیں پتا ہے میری بیٹی بہت نازک احساسات کی مالک ہے۔ وہ بہت ناز و نعم میں پلی ہے۔ ولید کے رویے سے اسے شدید دھچکا لگا ہے۔ فی الحال تم اصباح کا

ذکر نہ ہی چھیڑو تو اچھا ہے۔''

''صاف کہیں بھائی جان! آپ نہیں چاہتے اصباح، ولید کی خدمت کرے، کیونکہ آپ ولید کو اس لائق ہی نہیں جانتے کہ اصباح اس کی ناز برداریاں کرے۔''

(یہ تو میری غلط فہمی تھی کہ میں نے ولید کو اصباح کے لائق جان لیا تھا۔) وقار کی چبھتی نگاہیں دلشاد بیگم سے چھپی نہ رہ سکیں۔

''کاش! مجھے پہلے پتا ہوتا تو میں ہرگز بھی یہ رشتہ نہ جوڑتا۔''

وقار نے پچھتاوے سے مکا ہتھیلی پہ مارا۔ دلشاد بیگم سے برداشت نہ ہوا۔

''ایسی کون سی قیامت آ گئی بھائی جان! لڑکیوں کو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ میری دل آویز کو لے لیں۔ کتنے ناز و نعم میں پلی تھی مگر سسرال میں کیا کچھ نہیں سہہ رہی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے یہیں بٹھا لیں۔ آپ نے تو حد کر دی۔ ابراہیم کیا کیا طعنے نہ دیں گے۔ آپ خود سوچیں، کس قدر شرمندگی کا سامنا ہے مجھے۔''

دلشاد بیگم رونے لگیں۔ وہ جذباتی بلیک میلنگ سے بھائی کو قابو کرنا چاہ رہی تھیں۔

وقار سنجیدگی و متانت سے بولے: ''پورے تین سال سے بیٹھی ہے دل آویز آپ کی چوکھٹ پر۔ کسی بھی بات سے بے خبر نہیں ہوں میں اور جب اس کے گھر کے حالات سدھر گئے، تب ہی آپ نے اسے بھیجا۔ اصباح بھی آ جائے گی، ہماری تو آپس کی ہی بات ہے۔ آپ اصباح کی فکر چھوڑیں، اپنے بیٹے کی عادتوں پہ توجہ دیں۔''

وقار خشک سے انداز میں کہہ کر اٹھ گئے تو دلشاد بیگم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

کتنا ارمان تھا انہیں اصباح کو بیاہ کر لانے کا۔ ولید تو تھا ہی بُرا، آوارہ اور غیر ذمہ دار، لیکن اصباح تھوڑا سا صبر کر لیتی تو کون سا عذاب آ جاتا۔ آخر ہم بڑے بیٹھے ہی تھے۔ اصباح سے کئی درجہ بہتر تو حور ہے، جس نے کبھی گھر کی چار دیواری سے باہر بات نہیں نکالی۔ کیا کچھ نہیں ہوا اس کے ساتھ، مگر اس کے قدم اس گھر سے باہر نہیں نکلے، حالانکہ اس کا بھی باپ زندہ ہے۔ اس کے والد بھی اسپتال میں ولید کی احوال پرسی کرنے آئے تھے، پھر شادی میں بھی شریک ہوئے ہیں لیکن ان کے کسی بھی عمل سے کوئی رنجش ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ حور نے انہیں اس گھر کی کوئی بات نہیں بتائی۔ اسے میرے طارق سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس کے لیے زہر کا پیالہ بھی چپ چاپ پی جائے گی۔

دلشاد بیگم کو دل ہی دل میں اس کی محبت پہ رشک آیا تھا۔

جبکہ اصباح...... اس نے ہماری محبت کو محسوس ہی نہیں کیا۔ کتنا چاہتی تھی میں اصباح کو۔ صرف اسی کی وجہ سے طارق سے زیادہ ولید کی شادی دھوم دھام سے ہوئی۔ کیا نمایاں تبدیلی بھائی جان اور بھابھی کو نظر نہیں آئی۔ کیسے طعنہ دے گئے بھائی جان کہ میری بیٹی تین سال میری چوکھٹ پہ بیٹھی رہی ہے۔ آہ! غیروں نے طعنے نہ دیے، پر اپنوں نے روح لہولہان کر دی۔ دلشاد بیگم پچھتاؤں کا شکار ہو رہی تھیں تب ہی دل آویز اور دل نشیں کمرے میں داخل ہوئیں۔ طارق بھی پیچھے آ گیا۔

''ماما! ہم سوچ رہے تھے ہم اصباح سے ملنے چلے جائیں۔''

''کیوں؟'' دلشاد بیگم کی یکدم تیوریاں چڑھ گئیں۔

''ماما! ایسے ہی۔'' دل نشیں نے بے نیازی سے کندھے اُچکائے۔

''کوئی نہیں جائے گا اس سے ملنے، اسے تو پرواہ نہ ہوئی کہ آ کر شوہر کی خبر گیری کرے۔ کیا ہوا ہے اسے جو تم اسے پوچھنے جا رہی ہو؟'' دلشاد بیگم کا رویہ دونوں بہنوں کے لیے حیران کن تھا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ماما! انہیں ماموں کے گھر جانے دیں۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے طارق تمہارا! میں نے وہاں بیٹا بیاہا ہے بیٹی نہیں۔ شوق سے رکھیں بھائی جان اپنی بیٹی کو، اب میں بھی بھی......''

''ماما پلیز۔'' طارق نے احتجاج کیا، پھر جھنجھلا کر بولا:

''پلیز ماما......! ہم نے ولید کا ناتا ماموں کے گھر نبھانے کے لیے جوڑا تھا، توڑنے کے لیے نہیں۔ جب تک ولید کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو جاتی، یہ لوگ اُدھر جاتے رہیں تو اچھا ہے۔ اس طرح اصباح کو احساس ہوگا کہ ہم اس کے ساتھ ہیں۔''

طارق کی بات پہ دلشاد بیگم سیخ پا ہو گئیں۔

''اسے ہماری کون سی پرواہ ہے۔ ولید کی تو وہ شکل ہی نہیں دیکھنا چاہتی۔ میرا ہی بیٹا نالائق تھا جو مجھے سر جھکانا پڑ رہا ہے، ورنہ بھائی جان کی کتنی خواہش تھی میرے گھر رشتہ کرنے کی، کیا میں جانتی نہیں؟''

''آپ اس طرح جذباتی ہوں گی تو ولید اور بھی بدظن ہو جائے گا۔'' طارق ماں کو سمجھا

رہا تھا۔ ''ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔ آپس کی رشتہ داری میں تنازعہ ہوگا تو پورے خاندان میں بات پھیلے گی۔ آپ انہیں اصباح سے ملنے جانے دیں۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے آنے جانے سے ماموں اور ممانی کے خیالات تبدیل ہو جائیں۔''

طارق نے بالکل صحیح مشورہ دیا تھا، لیکن دلشاد بیگم کے دل سے بھائی کا وہ رویہ نہیں مٹ رہا تھا جس کی وجہ سے ولید اس حالت کا شکار ہوا تھا۔ انہوں نے اسے بے عزت کر کے گھر سے نکالا تھا۔ اگر ولید کو زیادہ نقصان پہنچ جاتا تو اس کا ذمہ دار کون ہوتا؟

وہ طارق پہ بگڑ گئیں۔

''طارق تم ہر ایک کی وکالت نہ کرو۔ میں خوب جانتی ہوں اپنے بھائی کو، دیکھ لوں گی۔''

طارق زچ سا ہو کر کمرے سے نکل گیا۔ باہر نکلا تو باپ سے ٹکراؤ ہو گیا۔

ابراہیم صاحب کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنی اسٹڈی میں چلے گئے تو طارق بھی اُلجھتا ہوا، ان کے پیچھے پیچھے آ گیا۔

''کیوں خوامخواہ اپنا وقت اور انرجی ضائع کر رہے ہو طارق!''

ابراہیم صاحب نے لاپرواہی سے کتاب کھولی اور راکنگ چیئر سے ٹیک لگا لی۔

''یہ سب کچھ تو ہونا تھا، چلو ہو گیا۔ تمہاری ماں کو سیاہ و سفید کا فرق سمجھ میں آ جائے گا۔ کچھ ان کے بھائی صاحب سمجھا دیں گے اور کچھ بیٹا...... اور ہاں، بھتیجی میں بھی گن ہیں...... ذرا اسے یہاں آ کر بسنے تو دو...... حور کی قدر ہو جائے گی ان لوگوں کو۔'' باپ کے خیالات پہ طارق گم صم سا رہ گیا۔

''حورالعین میرا انتخاب تھی نا، اس لیے بُری تھی۔ وہ سر کے بل بھی کھڑی ہو جاتی تو تاعمر بُری رہتی، اس لیے میں نے تمہاری ماں کو موقع دیا کہ وہ بھی اپنا انتخاب آزما لیں۔ دو ہی دن میں مزہ چکھ لیا ہے۔''

ابراہیم صاحب نے کتاب میز پہ ڈال دی اور پشت سے ٹیک لگا کر بولے:

''میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔ اس مسئلے کو تمہاری ماں ہی حل کریں گی، تم اور طارق درمیان میں نہیں پڑو گے۔''

ان کا لہجہ حتمی تھا۔ طارق حیرانی سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

''کم آن طارق! مطمئن رہو۔ اب میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، حور اب کبھی کسی سازش

کا شکار نہیں ہو گی۔''

ان کے الفاظ تھے یا حور کی گواہی کا پروانہ، طارق کے حواس گم ہونے لگے۔

''میں کبھی حورالعین سے بدگمان نہیں ہوا۔ اب مجھے دکھ ہے وہ اس سازش کا شکار ہوئی، صرف اپنی نادانی کی وجہ سے۔ خیر یہ ایک بھیانک خواب تھا جسے ہم بھلا چکے ہیں اور تم بھی بھلانے کی کوشش کرو۔''

انہوں نے طارق کا کندھا تھپتھپایا تو طارق پہلی بار بولا تھا:

''مگر اس بھیانک خواب کو وہ نہیں بھولے گی۔''

''بھول جائے گی، وقت کے ساتھ ساتھ...... تمہاری محبت اور توجہ اسے یہ سب کچھ بھلا دے گی۔''

ابراہیم صاحب نے اطمینان سے بیٹے کو یقین دلایا تو طارق پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''کیا سچائی آپ پہ بھی کھل گئی ہے؟'' بیٹے کی بات پہ ابراہیم صاحب کے چہرے پہ تاسف بھری مسکراہٹ آئی اور معدوم ہو گئی۔

''کسی بھی سچائی اور گواہی کی ضرورت تمہیں ہو گی طارق! مجھے نہیں...... مجھے حور پہ مکمل بھروسہ تھا، ہے اور رہے گا۔ اس کے باوجود میں نے خاموشی صرف اس لیے اختیار کی کہ مجھے تمہاری ماں کے رویے نے گہرے رنج میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر میں حور کے کردار کی صفائی دیتا تو تمہارے اور اس کے درمیان شاید اختلافات نہ ہوتے، البتہ تمہاری ماں کی حور سے دشمنی بڑھ جاتی۔'' وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولے تو طارق آہستگی سے بولا:

''مگر حور کہتی ہے کہ ماما اس کی بے گناہی کا اعتراف کریں گی، وہ تب ہی اس گھناؤنے واقعے کو بھلا سکے گی۔ اب آپ ہی بتائیں، میں ماما کو کیسے ڈیفینڈ کروں۔''

طارق کی بات پہ ابراہیم گہری سوچ میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

''آئے دن اخبارات ایسی خبروں سے بھرے پڑے رہتے ہیں۔ نجانے والدین اور خصوصاً مائیں اپنی اولاد سے اس قدر غافل کیوں ہیں؟ جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تب واویلا مچانے لگتے ہیں۔ یہ دیکھیں، یہ لڑکی معمولی خاندان کی نہیں ہے۔ اب گھر بیٹھے بٹھائے تو گینگ

ریپ نہیں ہو گیا اس کے ساتھ۔ لڑکی کے بُرے لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوں گے تو یہ معاملہ اس سطح پہ پہنچا ہے۔ اخبار والوں کو موضوع مل جاتا ہے، بیٹی کی آبرو تو واپس نہیں آ سکتی۔''

مسز باسط نے غیر دلچسپی سے اخبار ایک طرف پھینک دیا۔ پھر گم صم بیٹھی دلشاد بیگم کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں:

''کیا بات ہے، مسز ابراہیم؟ آپ آج بہت چپ چپ سی لگ رہی ہیں؟''

دلشاد بیگم نے سرسری سی نگاہ مسز باسط پر ڈالی، پھر کہنے لگیں:

''میں اپنے بیٹے کی وجہ سے ڈسٹرب ہوں۔''

''کیا ہوا، اس کی طبیعت ابھی تک نہیں سنبھلی؟''

''طبیعت تو اس کی پہلے کی نسبت بہت بہتر ہے لیکن......'' دلشاد بیگم نے بات ہونٹوں میں ہی روک لی۔ وہ اپنے گھریلو افیئرز، اپنی کولیگز سے ڈسکس نہیں کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے کسی کو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ ان کا بیٹا تو خود بے راہ روی کا شکار ہے جس کی وجہ اس کی نو بیاہتا بیوی میکے میں بیٹھی ہے۔ اس مسئلے کا حل دلشاد بیگم کو کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ طارق اور ابراہیم کی دلچسپی بھی اس معاملے میں صفر تھی۔

تب ہی تنظیم کی دوسری خواتین کمرے میں آ گئیں اور مسز باسط ان سے باتوں میں لگ گئیں۔ دلشاد بیگم اُلجھی ہوئی تھیں۔ ولید نے آج بات ہی ایسی کی تھی، جو ان کے وہم و گمان میں کبھی نہ تھی۔

''یہ دیکھیں مسز ابراہیم! یہ ہے ہمارے سیمینار کا موضوع۔'' انہوں نے دلشاد بیگم کے سامنے ایک فائل رکھی۔

''آزاد میڈیا کے دَور میں فلاحی تنظیموں کے کردار۔ مظلوم خواتین کو کمرشلائز کر کے کچھ تنظیمیں خود کو اور میڈیا کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ ان ہی حالات کی حوصلہ شکنی کے لیے ہماری تنظیم، گرلز اسکول وکالج اور یونیورسٹیوں میں ایسے موضوعات پر پروگرام منعقد کرائے گی، جس سے نوجوان نسل آگہی بھی حاصل کرے اور عبرت بھی۔ اپنے خیالات و افکار کے لحاظ سے یہ ملک کی واحد تنظیم ہو گی جو بگڑنے سے قبل اس قوم کی بیٹیوں کو سنوارے گی اور ان چہروں کی نشاندہی کرے گی جو نئی نسل کو بُرائی کی طرف لے جا رہے ہیں اور جن میں سرفہرست ہے کیبل، انٹرنیٹ اور موبائل فون۔ آپ لوگ دیکھیے گا کتنی جلدی ہماری تنظیم ملک میں نمایاں مقام

حاصل کرتی ہے اور بعید نہیں، یہ سیمینار اس قدر پسند کیے جائیں کہ ٹی وی چینل پر بھی ان کی کوریج ہونے لگے۔"

دلشاد بیگم بھی اس حکمتِ عملی پہ مسکرائی تھیں۔

مسز باسط اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باصلاحیت خاتون تھیں اور یہ تنظیم انہی کی سرپرستی میں چل رہی تھی۔ ان کی حکمتِ عملیوں نے تنظیم کی خواتین کو ہمہ وقت سرگرمِ عمل کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

یونیورسٹی میں سالانہ تقریبات منعقد کی جا رہی تھیں۔ ملک کے معروف سنگرز گروپ کی آمد نے پوری یونیورسٹی میں کئی روز سے ہلچل مچا رکھی تھی۔

آج اس تقریب میں ہر ایک کی تیاری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ دل نشیں گھر سے تو قمیص شلوار ہی پہن کر آئی تھی لیکن یہاں آ کر اس نے ٹاپ اور جینز پہن لی تھی، جو وہ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ کر لائی تھی۔

برہنہ بازوؤں پہ لڑکیاں ٹیٹو بنوا رہی تھیں۔ وہ بھی اپنی دوستوں کے ہمراہ اس اسٹال پر آ گئی تھی، جہاں سب سے زیادہ رونق تھی۔ اس رونق میں دو آنکھیں اسے بڑی محویت سے تک رہی تھیں۔

یہ شکیل باجوہ تھا، وہ نظر انداز کر کے وہاں سے نکل گئی اور یہ بھول گئی شکیل باجوہ نے اسے قمیص شلوار میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اندازہ لگا لیا کہ اس نے کپڑے کہاں چینج کیے اور اب وہ جائے گی تو اپنا لباس تبدیل کر کے جائے گی۔

شکیل نے اپنے ساتھیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ اس کا ایک ساتھی سائے کی طرح دل نشیں کے گروپ کے ساتھ ساتھ تھا اور وہ صرف شکیل ہی نہیں، دل نشیں کا بھی دوست تھا۔

فنکشن کے اختتام پہ اس نے کپڑے ہر صورت میں بدلنا تھے اور وہ جگہ کون سی ہو سکتی تھی؟ یونیورسٹی کے باتھ روم میں، آڈیٹوریم ہال کا ڈریسنگ روم یا کوئی بھی کلاس روم۔

☆ ☆ ☆

رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ دوپہر میں سو کر اٹھی تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ عباد کے گھر والے یعنی اس کی والدہ اور بہنیں آئی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر میں عباد کی دونوں بہنیں اس کے پاس آ گئیں۔ وہ شرمندگی سے بستر سے اٹھ گئی۔ ان سے ملی اور منہ

ہاتھ دھونے کی غرض سے واش روم میں جانے لگی تو اس کے موبائل کی بیل بجی تھی۔

فون اٹھایا تو مس کال تھی۔ مس کال کے فوراً بعد ہی اسے میسج ریسیو ہوا۔ میسج دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی اور چھت سر پر آن پڑی۔ ٹاپ اور جینز میں اس کی تصویر موبائل اسکرین پر جگمگا رہی تھی۔ رات کا فنکشن اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ بہ دقت تمام خود کو سنبھالتے، کپکپاتے وجود کے ہمراہ واش روم میں گھس گئی اور اس میسج کو ڈیلیٹ کر دیا۔ فی الحال تو اسے بس یہی سوجھ سکا تھا۔ ابھی پکچر میسج ڈیلیٹ ہی کیا تھا کہ دوسری پکچر اسکرین پہ چمکنے لگی۔ وہ تصویر تھی یا قیامت، اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹا لیکن پاش پاش نہ ہوا۔ اس کی برہنہ تصویر اسکرین پہ جگمگا رہی تھی۔ دل نشیں نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

نجانے کتنی دیر وہ سکتے کی حالت میں رہتی کہ باہر سے دروازہ بجنے لگا۔ کوکب اور عمرانہ، اس کی ہونے والی نندیں اسے باتھ روم میں دیر لگانے کو شرارت سمجھ رہی تھیں۔

"دل نشیں! بھئی یہ کیسا مذاق ہے۔ ہمیں کمرے میں بٹھا کر تم واش روم میں جا کر بیٹھ گئیں۔ اگر تمہارا وہاں دل لگ رہا ہے تو ہم بھی آ جاتے ہیں۔" وہ دونوں ہنس رہی تھیں اور دل نشیں کی جان پہ بن رہی تھی۔

کئی روز ہو گئے تھے، پھر نہ کوئی میسج اور نہ ہی کوئی مس کال اسے ریسیو ہوئی۔ وہ بہت پریشان تھی، آخر یہ حرکت کون کر سکتا ہے؟ وہ چاہتے ہوئے بھی اس واقعہ کو بھلا نہیں پا رہی تھی۔ فنکشن کے بعد جب وہ پہلی بار یونیورسٹی گئی تو اسے لگا جیسے ساری آنکھیں اسے برہنہ دیکھ رہی ہوں۔ وہ ڈری ڈری نگاہوں سے چاروں جانب دیکھ رہی تھی کہ شکیل باجوہ اس کے سامنے آ گیا۔

"ہائے دل نشیں!" وہ اُچھل پڑی، پھر خود کو سنبھال کر ایک طرف ہو گئی۔

"فنکشن والے روز تم بہت خوبصورت لگ رہی تھیں، پھر نجانے بعد میں تم نے کپڑے کیوں تبدیل کر لیے تھے۔" یہ کہہ کر شکیل نے قہقہہ لگایا اور اس کے سامنے سے چلا گیا۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"کہاں جا رہے ہو ولید؟" اسے تیار ہو کر گھر سے نکلتا دیکھ کر دلشاد بیگم نے راستے میں روک لیا۔

''میں پہلے بھی بنا بتائے آتا جاتا تھا اور اب بھی آپ سے یہی گزارش کروں گا کہ میرا راستہ نہ روکا کریں۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے، تمہارا راستہ روکوں۔ میں تو یہ جاننا چاہتی تھی کہیں تم اصباح کو لینے تو نہیں جا رہے؟''

''ایک بات سے آپ مطمئن ہو جائیں۔ میری زندگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن......'' یہ کہتے ہوئے وہ دلشاد بیگم کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

''لیکن وقار احمد میری حیثیت اور اہمیت کو چیلنج کر چکے ہیں اور اب مجھے انہیں جواب لوٹانا ہے۔'' دلشاد بیگم کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

''تو تم بھائی جان کی طرف جا رہے ہو؟ خدا کے واسطے ولید! میری عزت کا جنازہ مت نکالو۔ میں بھائی جان کی منت ساجت کر کے اصباح کو لے آؤں گی۔''

''میں بے وقوف نہیں ہوں ماما! اور آپ منت ساجت کیوں کریں گی۔ وقار احمد خود اپنی بیٹی کو چھوڑ کر جائیں گے۔'' وہ بے رحمی سے مسکرایا تو دلشاد بیگم اس کے پاگل پن پہ خوفزدہ ہو گئیں۔

''میں اپنے بھائی کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اگر تم نے ان سے بدتمیزی کی تو وہ اس معاملے کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیں گے۔''

''انا!'' ولید ہنس پڑا۔

''اصل میں یہ جنگ تو انہی کی ہے آپ کیا سمجھتی ہیں...... کہ اب انہوں نے اس معاملے کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا، وہ کون ہوتے ہیں یہ بات کہنے والے؟ ولید سدھرے گا تو ان کی بیٹی ولید کے ساتھ گزارہ کرے گی، ورنہ نہیں۔''

''ان کا مطالبہ ناجائز نہیں ہے ولید! اگر تم نے یہ سب کچھ کرنا تھا تو مجھے دھوکے میں کیوں رکھا۔ ایک طرف تم اصباح کی زندگی سے کھیل رہے ہو اور دوسری طرف تم نے میری عزت کا جنازہ نکال رکھا ہے۔''

''عزت......'' اس نے لفظ دانتوں میں چبایا۔

''عزت صرف آپ کی ہی ہے...... میری عزت نہیں تھی۔'' ولید بھڑک گیا۔ ''کس طرح آپ نے ایک مقدس اور حساس رشتے کو گندگی میں لپیٹا اور آج تک آپ کو اپنے جرم کا، اپنے

گناہ کا احساس بھی نہیں ہوا۔ آپ تو اپنی زندگی میں مگن ہو گئیں، مگر آپ کو احساس ہے کہ میں دن رات کیسے جلا ہوں اس الزام پہ۔ میری غلطی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر آپ زیادہ دیر تک اپنا چہرہ نہیں چھپا سکتیں ماما! رانی اور شیر خان نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے کہ آپ نے انہیں روپوش ہونے کا حکم دیا تھا۔'' دلشاد بیگم کے سر پر بم پھٹا تھا۔

''آپ کو حورالعین سے نفرت تھی، مجھ سے تو نہیں۔''

دلشاد بیگم یکدم خجالت وخفت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

''میں طارق نہیں ہوں ماما! جو یہ سب کچھ بھول جاؤں گا، نہ میرے اندر اتنا ظرف ہے۔ میری وقار احمد سے کوئی دشمنی نہیں، میں نے تو اصباح سے شادی ہی اس لیے کی تھی کہ آپ کو اپنی غلطی کا احساس دلا سکوں۔''

وہ بے رحم انداز میں ماں کو جتا رہا تھا۔ پھر وہ ایک منٹ بھی دلشاد بیگم کے سامنے نہیں رکا اور وہاں سے باہر نکلتا چلا گیا۔ دلشاد بیگم کو لگا جیسے ان کا دم نکل گیا ہو۔ وہ بے جان ٹانگوں سے خود کو سنبھالتی وہیں صوفے پہ ڈھیر ہو گئیں۔ شرمندگی وندامت کا پسینہ ان کی پیشانی پر چمک رہا تھا۔

ولید نے مجھ سے بہت بڑی چال چلی ہے۔ اگر اصباح درمیان میں نہ ہوتی تو یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا لیکن اب یہ کسی کی عزت کا خیال نہیں کرے گا۔

دلشاد بیگم کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔ گویا اس روز ولید نے رانی اور شیر خان کا ذکر یونہی نہیں چھیڑا تھا۔ دلشاد بیگم نے ایک بار پھر پسینہ اپنے چہرے سے صاف کیا تھا۔

دل نشیں یونیورسٹی نہیں جا رہی تھی۔ وہ دوہری کیفیت کا شکار تھی۔ آیا ماما کو بتائے یا چھپائے، چھپانے سے مسئلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کئی دن تک فون آف کیے رکھا، لیکن جب کھولا تو پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور باقاعدہ دھمکیوں کے ساتھ۔ اگر اس نے فون یا سم بند کر دی تو وہ یہ تصاویر اس کے گھر والوں تک پہنچا دے گا۔ اس بات سے وہ اس قدر خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اس کی راتوں کی نیند اور دن کا چین غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے کوئی راستہ نہ سجھائی دیتا تھا۔ تب ہی دلشاد بیگم اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

''مجھے ولید نے دن رات کی اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مجال ہے جو کسی اور طرف دھیان بھی ہونے دے۔''

''باجی چاہ رہی تھیں تمہاری اور عباد کی ایک ملاقات ہو جائے۔''

''میری!'' دل نشیں کو تعجب ہوا۔

''ہاں، تمہاری اور عباد کی ملاقات ہونی بھی چاہیے۔ میں نے تمہارے بابا سے ذکر کیا تھا انہیں تو عباد کی سوچ بہت اچھی لگی۔ کہہ رہے تھے کوئی دن رکھ لیتے ہیں، عباد کو بھی ڈنر پر انوائیٹ کرتے ہیں۔ میں نے کہا پہلے میں دلشی سے پوچھوں گی۔ تم بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟''

''مم...... میری رائے؟'' دل نشیں کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

''ہاں، دلشی تمہاری رائے، کیونکہ زندگی تم نے گزارنی ہے، ہم نے نہیں۔ عباد تمہاری رائے جاننا چاہتا ہے۔ پھر تم تو ایجوکیشن حاصل کر رہی ہو۔ وہ تمہارا کزن بھی ہے۔ تمہیں تو کسی بھی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہونی چاہیے۔''

''مگر...... مم......!'' دل نشیں کی گھٹن بڑھنے لگی۔

''ماما! فی الحال تو میں عباد سے نہیں مل سکتی۔''

''مگر...... کیوں......؟''

''پتا نہیں...... فی الحال میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ نجانے وہ میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے؟'' دل نشیں کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ دلشاد بیگم نے چونک کر دیکھا، اس کا چہرہ مرجھا رہا تھا اور آنکھیں بھی سوچ رہی تھیں۔

دلشاد بیگم یہی نتیجہ اخذ کر سکیں شاید ایگزیم کی وجہ سے وہ آج کل ڈسٹرب ہے۔ ''اس سے قبل تو تم نے کبھی امتحانوں کو خود پہ سوار نہیں کیا۔ تمہارا حلیہ کیسا عجیب ہو رہا ہے؟''

دل نشیں سوچنے لگی اگر ماما نے زیادہ استفسار کیا تو انہیں ابھی بتا دے گی، لیکن حسب معمول دلشاد بیگم کا فون بج گیا اور وہ بات کرتے کرتے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ شاید فون ان کی کسی کولیگ کا تھا۔ دل نشیں بے چینی سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

☆ ☆ ☆

اس کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا لیکن اس میں ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ اٹینڈ کر سکے۔ یہ وہی فون کال تھی جو اسے مسلسل کئی روز سے بلیک میل کر رہی تھی۔ تھک ہار کر اس نے فون اٹینڈ کر لیا۔

''مجھے معلوم ہوا ہے تم راحیل کے گھر گئی تھیں۔''

دل نشیں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، پھر بھی وہ ڈپٹ کر بولی:

''تم کون ہوتے ہو، میری جاسوسی کرنے والے؟''

''راحیل ہمارا ہی کارندہ ہے اور یہ جو سب کچھ ہم تک پہنچا ہے، صرف راحیل کی مدد سے پہنچا ہے۔'' اس انکشاف نے دل نشیں کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔

''وہ بھی بے چارہ کیا کرتا خود جو پھنسا ہوا تھا۔'' یہ کہہ کر شکیل باجوہ نے قہقہہ لگایا۔

کل وہ راحیل سے سارا معاملہ ڈسکس کر کے آئی تھی۔ راحیل نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ اسے اس مصیبت سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور اس کا صرف یہی حل ہے کہ اس شخص سے ملنا ہوگا اور وہ بھی اب یہی شرط رکھ رہا تھا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو مجھ سے؟'' وہ زچ ہو کر رو پڑی تھی۔

''صرف ایک ملاقات، ایک بہت خاص ملاقات، بہت تنہا اور ساری عمر یاد رہ جانے والی ملاقات۔'' دل نشیں اتنی ناسمجھ نہیں تھی کہ اس بات کا مطلب نہ سمجھتی۔

''سنو! میں تم سے اکیلے میں نہیں مل سکتی۔ تم میری تصویریں واپس کر دو۔ تم جانتے ہو میری ماما این جی او میں ہیں، تمہیں پریس میڈیا میں لے آئیں گی اور تمہارے عزائم دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔'' شکیل باجوہ ہنس پڑا۔

''بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟ میری فکر نہ کریں محترمہ! کچھ اپنے بارے میں بھی سوچیں۔ کتنی شرمندگی ہوگی تمہاری مدر کو یہ جان کر، جس مشن پہ وہ کام کر رہی ہیں، وہ ان کے گھر میں ہی ناکام ہو گیا ہے۔ کیا حیثیت رہ جائے گی اپنی کولیگز اور پریس کی نظروں میں ان کی اور پھر آپ...... آپ تو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گی۔ پتا ہے تمہارا ایک بھائی ہمارے جیسے شوق رکھتا ہے۔ اگر یہ تصویریں اُڑ کر اس کے فون میں چلی گئیں تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''شٹ اپ!'' وہ کانپتی آواز سے چلائی۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں مگر شکیل باجوہ خاموش نہیں ہوا، اسے مسلسل ٹارچر کر رہا تھا۔

''اور تمہارا منگیتر جس کے نام کی تم انگوٹھی پہنے پھر رہی ہو، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرے گا کہ تم سے انگوٹھی واپس لے لے گا، البتہ خاندان میں بات ضرور پھیل جائے گی۔''

قہقہہ لگا کر اس نے فون بند کر دیا۔ دل نشیں سناٹے میں آ گئی۔

''طارق...... طارق بھائی!'' اس کے کپکپاتے ہونٹوں سے نکلا اور آنسو آنکھوں سے

جاری ہو گئے۔ وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ طارق کی نصیحتیں اور پابندیاں یاد آ رہی تھیں۔ پھر ماما بابا کا طارق کے ساتھ زیادتی کرنا اور طارق کا اس سے لاپرواہ ہو جانا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سب سے پہلے وہ طارق بھائی کا ہی دروازہ کھٹکھٹاتی، کیونکہ اس میں برداشت، دُوراندیشی اور مصلحت پسندی سب سے زیادہ تھی، مگر اس نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے اپنے محسن کو خود سے دُور کر دیا تھا۔ صرف آزادی کی خاطر اور آج وہی آزادی اسے زہریلے سانپ کی مانند ڈس رہی تھی۔

''میں اپنی فیملی پہ، اپنی عزت پہ آنچ نہیں آنے دوں گی۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ چپ چاپ جان دے دوں گی۔'' اسے اس کے علاوہ کوئی محفوظ راستہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کے کمرے میں گئی۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور خواب آور گولیاں اٹھالیں۔ ابھی اس نے دراز بھی بند نہیں کی تھی کہ دلشاد بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔ دل نشیں حواس باختہ ہو کر مڑی۔

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' دلشاد بیگم نے حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ دل نشیں نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ وہ چونک گئیں۔ دل نشیں کا چہرہ، آنکھیں اور حرکات غیر معمولی نہیں تھیں۔ ''کیا بات ہے دلشی؟'' وہ اس کی طرف بڑھیں۔

''پلیز ماما! وہیں رک جائیں۔'' دل نشیں رو رہی تھی۔ ''میں اپنی جان دے دوں گی، مگر......مگر......اس کے عزائم پورے نہیں ہونے دوں گی۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے وہ یہ تصاویر میرے باپ، بھائیوں تک پہنچا دے گا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے ماما۔ میں تو اسے جانتی تک نہیں۔'' دل نشیں نے ہسٹیریائی انداز میں کہتے ہوئے شیشی سے ساری گولیاں ہتھیلی میں ڈالیں، پھر منہ میں ڈال لیں۔ دلشاد بیگم حواس باختہ کھڑی تھیں، پھر جیسے ان کے حواس جاگے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پہ تھپڑ مارا اور اس کے بعد کئی تھپڑ۔ دل نشیں کچھ گولیاں نگل چکی تھی اور کچھ دلشاد بیگم نے اُگلوالیں۔

☆ ☆ ☆

اگر دل نشیں وہ ساری ٹیبلٹ کھا لیتی تو ممکن ہی نہیں تھا کہ بچ پاتی۔ پھر فوری طبی امداد نے اسے موت کے منہ میں جانے سے بچالیا۔

گھر میں ہر ایک سراپا سوال تھا۔ آخر دل نشیں نے خودکشی کرنے کی کوشش کیوں کی۔

دلشاد بیگم سکتہ کی سی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ وہ ہر آنکھ میں سوال تو دیکھ رہی تھیں، مگر زبان نہیں کھول سکتی تھیں۔ اس واقعہ نے دلشاد بیگم کو بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا۔

ابراہیم صاحب کو بیٹیوں سے بہت محبت تھی۔ وہ دل نشیں کی اس حرکت کو بالکل نہیں سمجھ پائے تھے۔ دلشاد بیگم سے بار بار پوچھ چکے تھے مگر اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ آج دلشاد بیگم کو اس ذلت کا سامنا تھا جو انہوں نے حورالعین پہ اُچھالی تھی۔ رات کروٹیں بدل بدل کر دلشاد بیگم کا جسم دکھ گیا مگر آنکھوں میں نیند نہ آئی، وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

درحقیقت آج ان کا دل اعتراف کر رہا تھا کہ وہ اچھی ماں ثابت نہیں ہوئیں۔ ساری اولاد میں طارق ان کا ہیرے جیسا بیٹا تھا۔ اگر وہ اس کی ایک خوشی کی خاطر اپنے نفرت کے جذبے پر قابو پالیتیں تو گھر کے حالات اتنے ہولناک نہ ہوتے اور آج جو کچھ ہو رہا تھا صرف ان کی ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا۔ وہ بے چین ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگیں۔

''یہ حورالعین کا صبر ہی تو ہے، جو مجھ پہ پڑ رہا ہے۔'' ان کا دل گواہی دے رہا تھا۔ وہ بے چین ہو کر پھر بستر پہ آ گئیں۔ دل نشیں نے وہ تصاویر ماں کو دکھائی تھیں اور ساری سچائی سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ اب انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ طارق نے توجہ دلائی تھی مگر انہوں نے اس کو ہی بُرا بھلا کہہ کر چپ کرا دیا تھا۔ اگر اس وقت دل نشیں کا نوٹس لیا جاتا تو پانی سر سے نہ گزرتا۔

پوری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ صبح ہی صبح وہ دل نشیں کے کمرے میں آ گئیں، وہ سو رہی تھی اور کتنی کمزور لگ رہی تھی دل آویز کی طرح، جس کے چہرے پہ خوشیوں کے سارے رنگ پھیکے ہی دکھائی دیتے تھے۔ وہ بیٹی کے سرہانے جا بیٹھیں۔

''اس طرح بلیک میل کرنے والے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے اس مصیبت کا کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا۔ ابراہیم، طارق یا عباد کو بتاؤں تو ان کی غیرت کیسے گوارا کرے گی؟''

انہیں مسز باسط کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔ ''گھر بیٹھے بٹھائے تو گینگ ریپ نہیں ہو گیا۔ لڑکی کے بُرے لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوں گے تو معاملہ یہاں تک پہنچا ہے، بعد میں پھر والدین واویلا مچاتے پھرتے ہیں۔''

''میں کس طرح اس واقعے کو اپنی کولیگز تک لے جا سکتی ہوں، کتنی بدنامی ہو گی ابراہیم کی

اور میری۔"

ان کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔ آج وہ اپنی نظروں میں خود ذلیل ہو گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

رات پھر ولید گھر نہیں آیا۔

"نجانے رات اس نے کیسے لوگوں کے ساتھ گزاری ہو گی۔ ایک بار ٹھوکر کھانے کے بعد انسان ان لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے، جو اسے نقصان پہنچا رہے ہوں، لیکن جان بوجھ کر وہ انتقاماً اپنی زندگی تباہ کر رہا ہے۔ اس سے کہو گھر آ جائے، میں نے اس سے ضروری بات کرنا ہے۔"

ستا ہوا چہرہ اور نم ناک آنکھیں۔ طارق نے فکرمندی سے ماں کی طرف دیکھا اور اٹھ کر ان کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا۔

"میں جانتا ہوں ولید آپ کو بہت تکلیف پہنچا رہا ہے، لیکن ایسا تو وہ ہمیشہ کرتا آیا ہے۔ آپ اتنی فکرمند کیوں ہو رہی ہیں، اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیں۔"

وہ کتنی محبت سے دل جوئی کر رہا تھا۔ دلشاد بیگم کا دل بھر آیا۔

"تمہیں بھی تو مجھ سے گلہ ہو گا طارق؟"

ان کا دل پھٹ گیا، وہ رونے لگیں۔ طارق پریشان ہو گیا۔ ماں کی پریشانی بے وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ دل نشیں کی خودکشی کی کوشش کرنا معمولی بات نہیں تھی، لیکن جب بابا نے کہا کہ وہ شروع سے ہی اس رشتے کو پسند نہیں کرتی تھی، یہ تمہاری ماں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوا ہے تو وہ کچھ مطمئن سا ہو گیا تھا۔ اب اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ فی الحال تو اسے ماں کو سنبھالنا تھا، جو زار و قطار رو رہی تھیں۔

"آپ خود کو سنبھالیں ماما! آخر کون سی چیز ہے جو آپ کو اتنا کمزور کر رہی ہے؟"

"حور العین کہاں ہے، اسے بلاؤ طارق!" دلشاد بیگم خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھیں۔

وہ اٹھا اور پانی کا گلاس بھر لایا۔

"آپ پانی تو پئیں، وہ گھر میں ہی ہے۔" وہ ماں کو پانی پلانے لگا تو دلشاد بیگم نے ایک گھونٹ لے کر گلاس رکھ دیا اور پھر کھڑی ہو گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ طارق ان کے ساتھ تھا۔

"حور سے کوئی کام تھا آپ کو؟ میں اسے یہیں بلا لیتا ہوں۔"

طارق نے ماں کے کپکپاتے وجود کو اپنے بازوؤں کا سہارا دیا تو دلشاد بیگم کچھ نہیں بولیں۔ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ لاؤنج میں ہی حور العین نظر آ گئی۔ انہوں نے ندامت سے حور کی طرف دیکھا اور پست لہجے میں بولیں:

"حور العین! میری بات سنو۔"

آج تک دلشاد بیگم نے اسے اس طرح نہیں پکارا تھا۔ حور اپنی جگہ ٹھٹھک گئی، پھر حیران ہوتی ان کے نزدیک آ گئی۔

ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بے چارگی و خفت سے اپنے لب کاٹ رہی تھیں۔ حور سراپا سوال بنی ان کے نزدیک آ گئی تھی۔

"میں نے اس روز تمہارے ساتھ جو کچھ کیا، سراسر ظلم تھا، تہمت تھی، بہتان تھا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ حور العین! مجھے معاف کر دو۔"

انہوں نے بے ساختہ دونوں ہاتھ حور کے سامنے جوڑ دیے۔ حور حق دق رہ گئی۔ طارق نے یکدم ماں کے دونوں جڑے ہاتھ پکڑ لیے۔ دلشاد بیگم بُری طرح کانپ رہی تھیں۔ اگر طارق ان کے پیچھے نہ ہوتا تو وہ شاید چکرا کر گر جاتیں۔

آج سے پہلے حور العین کو دلشاد بیگم اتنی کمزور، اتنی ٹوٹی ہوئی نہیں لگی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو حور!" دلشاد بیگم کے لفظ تھے یا ایک بھاری پتھر۔ اس کے حواس سلب ہو گئے تھے اور سماعتیں ایک ہی لفظ کو بار بار دہرا رہی تھیں۔ "مجھے معاف کر دو حور، مجھے معاف کر دو۔"

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دلشاد بیگم کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔

"میں تمہیں صرف اس گھر سے نکالنا چاہتی تھی، رسوا کر کے، طارق کی نظروں میں ذلیل کر کے، لیکن آج میں خود ذلیل ہو گئی ہوں۔ میں اور ولید تمہارے مجرم ہیں۔ مجھے معاف کر دینا۔" یہ کہتے کہتے دلشاد بیگم، طارق کے بازوؤں میں ڈھیر ہو گئیں۔

ولید جو ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا، اس صورتحال پہ دنگ رہ گیا۔ حور کے حلق سے چیخ سی نکلی تھی۔

"ماما! ماما!" اس نے طارق کے بازوؤں میں ڈولتی دلشاد بیگم کو سہارا دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے ولید دوڑتا ہوا آیا اور اس نے طارق کے ساتھ ساتھ اپنی ماں کو بھی گرنے سے بچالیا۔

☆ ☆ ☆

''نجانے کس کی نظر لگ گئی ہے میرے گھر کو، ایک کے بعد ایک مصیبت دوڑے چلی آرہی ہے۔''

ابراہیم صاحب مضمحل سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ولید، دلشاد بیگم کے بستر سے لگا بیٹھا تھا۔ وہ بہت کمزور ہوگئی تھیں۔ ان کے چہرے پر زردی کھنڈ رہی تھی۔ وہ اتنی ملول اور فکرمند صرف اس کی وجہ سے تھیں۔ وہ دل نشیں کے معاملے سے بے خبر تھا، اس لیے خود کو موردِالزام ٹھہرا رہا تھا۔ اس نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔ تب ہی دلشاد بیگم کی آنکھ کھل گئی۔ ٹینشن کی وجہ سے ان کا بی پی شوٹ کرگیا تھا۔ ڈاکٹر احمد انہیں انجکشن دے کر گئے تھے۔ طارق ان کی دوائیں لینے گیا ہوا تھا۔ دلشاد بیگم نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ولید پہ نگاہ پڑی تو ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے۔ وہ وہی لفظ دہرانا چاہتی تھیں جو انہوں نے حور سے کہے تھے، لیکن اس نے ان کے ہونٹوں پہ انگلی رکھ دی۔

''آپ ٹھیک ہو جائیں، مجھے کچھ نہیں سننا۔'' وہ بچوں کی طرح کہہ رہا تھا۔

''دل نشیں کہاں ہے؟'' ان کی بے چین نگاہیں بیٹی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

''وہ تمہاری طبیعت کی وجہ سے بہت ڈپریس ہوگئی تھی۔ میں نے اسے اس کے کمرے میں بھیج دیا ہے۔ تمہاری طبیعت سنبھل جائے تو وہ یہیں آجائے گی۔'' ابراہیم صاحب آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

اتنے میں حور نیم گرم دودھ کا گلاس لے آئی۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اپنائیت اور محبت کا رنگ دیکھا تو ان کا دل ایک بار پھر ندامت کے بوجھ تلے دب گیا۔

''ماما! یہ دودھ پی لیں۔ طارق ابھی دوائیں لے کر آرہے ہیں، پھر دوا لے لیجیے گا۔''

وہ ایک ہاتھ کے سہارے ان کو اٹھانے لگی تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور نرمی سے اپنے سہارے پہ اٹھنے لگیں تو ولید نے انہیں سہارا دیا۔ وہ نیم دراز ہو کر بیٹھ گئیں۔

طارق کمرے میں داخل ہوا تو حور دودھ کا خالی گلاس لے کر کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ طارق چپ چاپ ماں کی طرف بڑھا اور انہیں دوا دے کر لٹا دیا۔ دلشاد بیگم نے آنکھیں

موند لیں۔ طارق نے فکرمندی سے باپ کی طرف دیکھا، وہ خود دل کے مریض تھے۔ اتنا دباؤ اور ڈپریشن ان کے لیے بھی صحیح نہیں تھا۔

''بابا، آپ بھی جا کر آرام کرلیں۔ ماما کے پاس ہم لوگ ہیں۔'' ابراہیم صاحب تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اس کے بعد پھر طارق نے ولید کو بھی آرام کی غرض سے کمرے سے بھیج دیا۔ اب وہ اور دلشاد بیگم کمرے میں اکیلے تھے۔

☆ ☆ ☆

طارق رات دیر سے کمرے میں آیا تو حور فکرمندی سے جاگ رہی تھی۔ حور نے اس کو اس سے قبل اتنا ڈسٹرب نہیں دیکھا تھا جتنا وہ اب دکھائی دے رہا تھا۔ ماں کے منہ سے سارے حالات سن کر وہ زمین میں گڑ گیا تھا۔ اگر اس کی جگہ ولید ہوتا تو گھر میں ایک نیا تماشا لگ جاتا۔ وہ دل نشیں کو جان سے مار دیتا اور بابا......

''کیا ہم ان سے چھپا سکیں گے یہ سب کچھ۔'' دل پر ایک بوجھ سا لے کر وہ چپ چاپ بستر پہ لیٹ گیا تھا۔

''ماما نے ولید کے رویے کا بہت صدمہ لیا ہے، پھر دل نشیں......''

طارق نے چونک کر حور کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا ہے دل نشیں کو؟'' وہ پہلے ہی بہن کے بارے میں فکرمند تھا۔ وہ اس راز کو بیوی سے چھپا لینا چاہتا تھا۔ نجانے حور، دل نشیں کے بارے میں کیا کہنے جارہی تھی۔

''وہ بھی اس رشتے سے انکاری ہوگئی ہے۔ مجھے لگتا ہے دل نشیں کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو......'' طارق نے تمسخرانہ سے انداز میں سر جھٹک دیا۔ وہ اپنے قیاس سے شرمندہ ہوگئی، پر طارق کے نزدیک بیٹھ کر کہنے لگی:

''آج ماما نے جو کچھ بھی کہا، مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔ حالانکہ ایک وقت تھا میں ایسا ہی چاہتی تھی، لیکن پتا نہیں کیوں جب ایسا ہوا تو مجھے اپنا آپ بہت چھوٹا لگا۔''

وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں وضاحت کررہی تھی۔

وہ اپنی پریشانی میں مبتلا تھا۔ اس سے قبل کہ یہ معاملہ زیادہ پھیلتا، صبح سب سے پہلے اسے انسپکٹر ایاز سے مل کر اس بلیک میلنگ کی روک تھام کرنا تھی، جس نے پورے گھر کی عزت

کو داؤ پہ لگا دیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' حور، طارق کو گم صم پا کر پوچھنے لگی۔

طارق نے چپ چاپ کروٹ بدل لی۔ حور نے بھی لائٹ آف کر دی۔

☆ ☆ ☆

اس معاملے نے طارق کو ساری رات سونے نہیں دیا تھا۔ جب تک وہ انسپکٹر ایاز سے مل نہیں لیا، اس کی پریشانی دُور نہ ہوئی۔ ایاز اس کا بچپن کا دوست بھی تھا جس کو سارا معاملہ بتانے کے بعد یہ بھی کہنے کی نوبت نہ آئی کہ یہ معاملہ جلد حل بھی ہو اور کسی پہ آشکار بھی نہ ہو۔ ایاز نے خود بخود ہی یقین دہانی کرا دی تھی کہ وہ اس معاملے کو بذاتِ خود ہینڈل کرے گا۔

''سب سے پہلے تو اس نمبر کی انکوائری کرنا ہوگی جہاں سے یہ میسج آ رہے ہیں، پھر وہ سم بند کرانا پڑے گی اور وہاں سے ایڈریس لے کر اس بندے تک پہنچا جائے گا۔''

''بالفرض وہ سم کسی اور کے نام ہوئی تب؟'' طارق نے خدشہ ظاہر کیا۔ انسپکٹر ایاز ہنس پڑا۔

''سو فیصد ایسا ہی ہوتا ہے، یہ کوئی پہلا کیس نہیں ہے، جو تم لے کر آئے ہو۔ آئے دن ہم کو ایسے معاملات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بار بار سم بند کرا کر بھی بلیک میلنگ کا سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ لیکن تم فکر نہ کرو، مجرم تک پہنچنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔''

''مجھے اس کا سامنا نہیں کرنا۔'' طارق نے بہت ضبط کیا تھا۔ ''کیونکہ اتنا تو میں جانتا ہوں ایسے مجرموں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔''

ندامت و شرمندگی سے اس نے ہاتھ ایک دوسرے میں پیوست کر لیے۔

''میں تو بس یہ چاہتا ہوں، تم اپنے طور پر اس کے تمام ذرائع بند کرا دو تا کہ اس شر کو ہماری فیملی میں نہ پھیلا سکے۔ میں پہلے ہی اپنی بہن کا فون بند کرا چکا ہوں۔''

وہ شرمندگی سے بولا تو انسپکٹر ایاز نے اس کے کندھے پہ تھپکی دی۔

''تم فکر نہیں کرو۔ جیسا تم چاہتے ہو، ویسا ہی ہوگا۔''

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر شگفتہ نے چند ٹیسٹ لکھ دیے تھے، جو فوری طور پر کرانا تھے۔ دل آویز کو نقاہت کی وجہ سے چکر آ رہے تھے۔ اول تو وہ کچھ کھاتی نہیں تھی اور کھا بھی لیتی تو اُلٹیاں لگ جاتیں۔ دن بھر نڈھال بستر میں پڑی رہتی۔ کھڑی رہتی تو یوں لگتا کہ ابھی گر جائے گی۔ رمیض رپورٹس لے

آیا تھا جس میں اس کے پریگنینٹ ہونے کی تصدیق ہو گئی تھی، لیکن دل آویز میں ہیموگلوبن کی مقدار اتنی کم تھی کہ اسے کوئی بھی نقصان اٹھانا پڑ سکتا تھا۔

ڈاکٹر شگفتہ نے آرام اور خوراک کا خاص خیال رکھنے کو کہا تھا۔ اس خبر پہ جہاں رمیض بہت خوش تھا، وہیں دل آویز بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔

دل آویز اور اس کی ماں نے رمیض کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن آج وہ سرخرو ہوا تھا۔ وہ دل آویز کو طعنہ دینے سے باز نہیں آیا تھا۔ اس کی ماں نے اور اس نے اس کے متعلق کیسی کیسی افواہیں پھیلائی تھیں۔ وہ یہ خبر دلشاد بیگم کو بھی دینا چاہتا تھا تا کہ انہیں بھی اتنی ہی شرمندگی ہو، جتنی دل آویز کو ہو رہی تھی۔

وہ اس خبر پہ خوش نہیں تھی۔ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اس میں چڑچڑاپن مزید بڑھ گیا تھا۔ اس نے فون پہ ماں کو یہ خبر سنائی تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ دلشاد بیگم کا رویہ، اس کے لیے حیرت انگیز تھا۔ وہ پہلی بار اس کے گھر ملنے آئی تھیں۔ وہ اسے خصوصی احتیاط کی تلقین کر رہی تھیں، لیکن دل آویز کو بچوں کے مسائل کا سوچ کر ہی ابکائیاں آ رہی تھیں۔

وہ چاہتی تھی کہ خود بخود ایسا کچھ ہو جائے کہ وہ ماں بننے کے عمل سے نجات حاصل کر لے اور پھر ایک دن کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی تو رمیض کو بہت تشویش ہوئی۔ وہ فوری طور پہ اسے اسپتال لے گیا۔ اسپتال کا کوریڈور عبور کرتے ہوئے اس کی نگاہ دو معذور بچوں پہ پڑی۔ جن میں سے ایک کی عمر تقریباً چھ سال اور دوسرے کی عمر نو سال تھی۔ بچے ذہنی طور پر معذور تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی حرکات و سکنات بھی عجیب و غریب تھیں اور ہاتھ پاؤں بھی بالکل پتلے پتلے اور کمزور تھے۔ البتہ ان بچوں کے سر اور منہ جسم کی نسبت بڑے تھے۔ ان بچوں کی ماں انہیں ویٹنگ روم میں لے کر بیٹھی تھی۔ دل آویز کی نگاہ ان بچوں پہ پڑی تو پلٹنا بھول گئی۔

بچوں کی ماں بڑے پیار سے کبھی اپنے ایک بچے کے منہ سے نکلتا لعاب صاف کرتی اور کبھی دوسرے بچے کی آنکھوں سے آتا پانی۔ وہ عورت مڈل کلاس سے لگتی تھی مگر اس کی پیشانی پہ نہ تو بل تھے اور نہ ہی اُلجھن۔ وہ بڑی مامتا سے اپنے بچوں کو لیے بیٹھی تھی۔

اس کے دل کو یکدم کچھ ہوا تھا۔ نجانے وہ کیسی کیفیت تھی۔ وہ لوگ وہیں ویٹنگ روم میں بیٹھ گئے اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔ دل آویز سے رہا نہ گیا اور وہ عورت سے پوچھنے لگی:

''کیا مرض ہے ان بچوں کو؟''

اس عورت نے بڑی عجیب نگاہوں سے دل آویز کی طرف دیکھا اور اپنا دوپٹہ اپنے بچوں کے اوپر ڈال لیا۔ دل آویز نے رمیض کی طرف دیکھا۔

''کوئی مرض نہیں ہے بچوں کو، یہ اللہ لوک ہیں۔''

وہ عورت سخت لہجے میں بولی، تب ہی اس کا شوہر آ گیا اور دونوں میاں بیوی اپنے بچے لے کر وہاں سے نکل گئے۔

''مامتا اسی چیز کا نام ہے۔'' رمیض نے رشک سے اس عورت کی محبت کو سراہا تھا۔ دل آویز کو بھی بڑا اچنبھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر شگفتہ نے چیک اپ کے بعد اپنا پین ہونٹوں پہ رکھ لیا اور پُرسوچ انداز میں کہنے لگیں:

''مسز رمیض! آپ اتنی سی بھی احتیاط نہیں کر سکتیں، جانتی ہیں آپ کی یہ بے احتیاطیاں کیا نتائج پیدا کر سکتی ہیں؟ ابنارمل بچوں کا پیدا ہونا، والدین کے لیے کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے؟''

اس کی نگاہوں میں وہ عورت اور اس کے بچے آ گئے۔ وہ یکدم کانپ کر رہ گئی۔

''ہمارے یہاں ایک کپل آتا ہے۔ ابھی آپ سے پہلے وہ لوگ اپنے بچوں کا چیک اپ کرا کر گئے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر شاید دکھ ہو، ان کے چار بچے ہیں اور چاروں ہی پیدائشی معذور ہیں، لیکن دونوں میاں بیوی اپنے بچوں کی بالکل اسی طرح دیکھ بھال کرتے اور توجہ دیتے ہیں جیسے نارمل بچوں کی جاتی ہے۔ پتا نہیں اللہ نے انہیں کس آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے اور انہیں کیا درجات دینا چاہتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اتنی قوتِ برداشت ہر ایک میں نہیں ہوتی۔ اللہ اولاد دے تو مکمل صحت و تندرستی والی۔''

یہ کہہ کر ڈاکٹر شگفتہ نے پرچے پہ کچھ دوائیں لکھ کر انہیں تھمائیں اور کہا:

''مسز رمیض! آپ اچھی خوراک لیں اور مکمل بیڈ ریسٹ کریں اور ہر قسم کی ٹینشن سے خود کو آزاد کر لیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ آپ کی کمزوریوں کا اثر بچے کی ذہنی یا جسمانی حالت پر پڑے۔ پہلے ہی آپ کا بچہ بہت کمزور ہے۔''

دل آویز یکدم سناٹے میں آ گئی۔

''یہ میڈیسن انہیں باقاعدگی سے دیں۔ اگر ان کا پہلی بار ابارشن ہو گیا تو یہ پھر دوبارہ ماں نہیں بن پائیں گی۔''

یہ الفاظ تھے یا بم، رمیض کے تو ہوش اُڑے ہی تھے اس کے بھی ہوش ٹھکانے پہ آ گئے۔

☆ ☆ ☆

دلشاد بیگم باقاعدگی سے بیٹی کی طرف جا رہی تھیں، جس کی وجہ سے روزانہ ان کی ملاقات رمیض سے بھی ہونے لگی تھی۔ رمیض کو اولاد کی ضرورت تھی، اسی وجہ سے اس نے دل آویز کے لیے دن بھر کے لیے ایک ملازمہ کا انتظام کر لیا تھا۔ اس کی بہن بھی دن میں دو تین چکر لگا لیتی تھی۔

رمیض، دل آویز کا بہت خیال رکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ اور اپنائیت نے دلشاد بیگم کے دل میں نئی جگہ بنانا شروع کر دی تھی۔ اب ان کا رویہ رمیض سے بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ جبکہ دل آویز خود چاہنے لگی تھی کہ وہ ماں بنے اور اس کا بچہ صحت مند اور نارمل پیدا ہو۔

اپنی زندگی پہ نگاہ ڈالتی تھی تو ان معذور بچوں سے خود کو کم نہیں پاتی تھی، جو دنیا سے بیگانہ، صرف اور صرف ماں کے رحم و کرم پر تھے۔

رمیض کی توجہ اور مہربانیوں نے اس کے دل میں بھی نئے غنچے کھلانا شروع کر دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

آج کی صبح کا آغاز بہت خوشگوار ہوا تھا۔ بہت دنوں کے بعد گھر میں چھایا سکوت اور اداسی چھٹی تھی۔ دلشاد بیگم اب مستقل گھر میں ہی تھیں۔ آج وہ معمول سے زیادہ امورِ خانہ داری میں دلچسپی لے رہی تھیں۔

رات ڈنر پہ عباد اور اس کے گھر والے آ رہے تھے۔ وہ حور سے رات کے مینیو کے بارے میں مشورہ کر رہی تھیں۔ پھر انہوں نے دل آویز کو فون کیا کہ وہ گھر آ جائے۔ ساتھ ہی انہوں نے داماد کو بھی رات ڈنر پہ مدعو کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ولید کو تلاش کرنے لگیں جو جوگنگ کر کے واپس آیا تھا، وہ اس کے سر پر پہنچ گئیں۔

''میں نے تم سے کہا تھا صبح جلدی تیار ہو جانا، ہم نے اصباح کو لے کر آنا ہے؟''

ولید نے حیرت سے مڑ کر دیکھا، حالانکہ وہ جانتا تھا بڑوں کے درمیان بات چیت ہو چکی ہے اور ماموں اصباح کو بھیجنے کے لیے تیار ہیں، پھر بھی ماں کو ستانے کی غرض سے بولا:

''میں ماموں جان کو اپنی شرافت کا حلف نہیں دوں گا۔ اگر وہ ایسے ہی اپنی لاڈلی کو

بھیجیں تو چلنے کو تیار ہوں۔'' دلشاد بیگم کو ولید پہ غصہ آ گیا۔ وہ کچھ کہنے کو تھیں کہ حور جو ناشتہ لگوا رہی تھی، درمیان میں بول اٹھی:

''خیر ہے مم! ہم ماموں سے کہہ دیں گے، اصباح کو بھیج دیں۔ وہ خود ہی آ کر اسے سدھار لے گی۔'' دلشاد بیگم نے مسکرا کر حور کی طرف دیکھا۔

''بھابھی! یہ غضب نہ کریں۔ کون دیکھے گا ولید بھائی اور اصباح بھابھی کے روز روز کے معرکے۔ ماما بابا کا کمرہ سب سے قریب ہے، دونوں ڈسٹرب ہو جائیں گے۔''

معیز نے ناشتے کی میز پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اس شیطان کو رکھنا کون چاہتا ہے اپنے قریب۔ اسے تو میں ہر حال میں اوپر پھینکوں گی۔ طارق اور حورالعین کو اپنے قریب رکھوں گی۔''

''ہیں...... اتنے اچھے کمرے چھوڑ کر میں نہیں اوپر جانے والا۔''

وہ بھی بنا منہ دھلے ناشتے کی میز پر آ گیا اور دھمکی دی۔

''تمہیں اوپر جانا ہی پڑے گا۔'' دلشاد بیگم نے ولید کا کان مروڑا۔ ''تمہارا کچھ بھروسہ نہیں، رات بے رات پھر لے کر نکل جاؤ اسے۔''

ولید شرمندہ ہو گیا۔ دلشاد بیگم بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

''حور نے سارا گھر سنبھال رکھا ہے۔ سارا دن ایک پاؤں اوپر، ایک پاؤں نیچے۔ حور نیچے رہے گی تو اس کی پریڈ بھی کم ہو گی۔ پھر یہ کہ دل نشیں بھی چلی جائے گی تو میں تم نکموں کا اچار ڈالوں گی۔ مجھے تو طارق اور حور کو ہی اپنے قریب رکھنا ہے۔''

اس قدر لاڈ پہ ابراہیم صاحب کو زور دار کھانسی ہوئی تھی۔ انہوں نے اخبار چہرے کے سامنے پھیلا لیا۔

''بھئی طارق! ان ساس بہوؤں کی ذرا نظر اُتار دینا۔ کہیں ان کی محبت کو نظر نہ لگ جائے۔''

دلشاد بیگم نے خفگی سے شوہر کی طرف دیکھا۔ حور جھینپ گئی، جلدی سے بولی:

''سب ہی آ گئے طارق نہیں اٹھے، میں بلا کر لاتی ہوں۔'' -

وہ کہہ کر مڑی تو ولید بے ساختہ بولا: ''نظر اُتروانے کے لیے۔''

معیز قہقہہ لگا کر ہنسا تو حور شرمندہ سی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

وہ اتنی جلدی میں تھی کہ آخری سیڑھی پہ نیچے آتے طارق سے ٹکرا گئی۔ طارق نہ تھامتا تو

وہ واپس پلٹ سکتی تھی۔

''دھیان سے مسز! تعریف و مرتبہ آدمی کے ہوش گم کر دیتا ہے۔'' وہ اسے بازوؤں میں لے کر محبت و وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔

''مرتبہ انسان کو یوں ہی نہیں ملتا۔''

طارق کے دل نے اس کا اقرار کیا۔ اس میں اس کے ایثار اور صبر کا بڑا عمل دخل تھا، تب ہی جیت اس کا مقدر بنی تھی۔

''تو پھر کس طرح ملتا ہے؟'' وہ اسے ستانے کے موڈ میں تھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ اس کی گرفت میں یکدم پریشان ہو گئی۔

نیچے دلشاد بیگم، طارق کو آوازیں دے رہی تھیں۔ ''حور کو پہلے ماما کی نفرت چین لینے نہیں دے رہی تھی، اب محبت اکٹھا نہیں رہنے دے گی، لحہ لحہ آواز دیا کریں گی۔''

وہ کچھ بدمزہ سا ہوا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ ہمیں نیچے اپنے پہلو میں رکھیں گی۔'' اس کی ہنسی پر طارق نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے نیچے اُتر آئی۔ جہاں دلشاد بیگم نگاہوں میں محبت لیے ان کی منتظر تھیں۔

☆☆☆